

اللہ اللہ بآیے بسم اللہ پور

معنی ذبح عظیم آمد پسر

معرکہ کرب بلا کی سرخ تصویر کتاب لاجواب

شہیدان شہید

1

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حکیمان

چشتی کتب خانہ

جھنگ بازار، فیصل آباد

جلد اول

معرکہ کربلا کے تاریخی حقائق

پہلا ایام شہید

مؤلف

علامہ سید امجد حسین رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ
فیصل آباد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اللہ اللہ باتے بسم اللہ پیر
معنی ذریعہ عظیم آمد پسر

معرکہ کرب و بلا کی سُرخ تصویر کتاب لا جواب

شہید ابن شہید
اقول

انشاء اللہ عزوجل

مدنی مقصد: مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔

M. Shahid Raza Attari

0306-0313-7919528 اسلامی بکس، قرآن

مدنی

مدنی عطر ہاؤس

امپورٹڈ عطریات، قرآن پاک، اسلامی بکس، تسبیحات، ٹوپی، نماز
موزے، مسواک، گلوں، میلاد پرچم، بینرز، گاہول سیل پوائنٹ

Shop # 2-3 Ground Floor, Waqas Plaza, Amin Pur Bazar, Faisalabad.
Ph: 041-2621568 E-mail: muhammadshahidattari@yahoo.com

شاہ ہست حسین پادشاہ ہست حسین
دین ہست حسین دین پناہ ہست حسین
سر داد، نہ داد، دست در دست یزید
حقا کہ بنائے، لا الہ ہست حسین

شہید ابن شہید اول
شہادت حسین ابن علی
جناب الحاج صائم حشتی
لطیف ساجد خالد محمود عظیم
ایم شریف قادری
محمد شفیق مجاہد

نام کتاب
موضوع
مصنف
ناشران
کتابت
طابع
صفحات

انشاء اللہ عزوجل

مدنی مقصد: مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔

M. Shahid Raza Attari

0306-0313-7919528

مدنی اسلامی بکس، قرآن

مدنی عطر ہاؤس

امپورٹڈ عطریات، قرآن پاک، اسلامی بکس، تصبیحات، ٹوپی، عملے
موزے، مسواک، گلوں، میلاد پرچم، بینرز کا ہول سیل پوائنٹ

Shop # 2-3 Ground Floor, Waqas Plaza, Amin Pur Bazar, Faisalabad.
Ph: 041-2621568 E-mail: muhammadshahidattari@yahoo.com

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین، ابتدا میں اسماعیل

انتساب

بصدِ خلوص اُن تمام شہیدانِ وفاء کے نام جو حق و صداقت کے
تحفظ کے لئے قربان ہو جاتے ہیں

نذر

بصدِ احترام و ادب شہزادی رسولؐ سیدہ زہراؑ قبول کے حضور میں
گر قبول افتد زبے عز و شرف

گدائے آلِ رسولؐ

صائمِ حشر

نقشِ اول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سوانح کربلا کی ہمہ گیری سے کون انکار کر سکتا ہے۔ بظاہر یہ چند افراد پر مشتمل چھوٹی سی اللہ والی جماعت کی شہادت کا رنگین واقعہ ہے۔ مگر اپنی انفرادیت کے اعتبار سے تاریخِ عالم کا وہ روشن ترین باب ہے جس کی تابانیاں تا ابد آباد قائم رہیں گی۔

اس واقعہ کی ہمہ گیر وسعتوں کا اندازہ آپ اس طرح بھی لگا سکتے ہیں کہ تیرہ صدیوں کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کی اثر آفرینیوں میں ذرہ برابر کمی نہیں آسکی۔

دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں اس موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو اس دردناک واقعہ سے واقف نہ ہو۔

میری اپنی معلومات کے مطابق تاریخِ عالم کے اس درخشندہ باب کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جسے آجا کر نہ کیا گیا ہو اور کوئی ایسا پہلو نہیں جو نمایاں نہ کیا جا چکا ہو۔

نظم ہریانشر۔ شہادتِ حسینؑ بعد اندازِ زیبائی قرطاسِ عالم پر بہرِ نوع مرقوم نظر آتی ہے۔ اس اعترافِ حقیقت کے بعد مجھے اب یہ بتانا ہے کہ اس موضوع پر لا تعداد کتب موجود ہیں تو میں نے یہ کتاب کیوں تصنیف کی۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔

اول یہ کہ باوجود اپنی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے خریدارانِ یوسفؑ میں اپنا نام لکھوانے کی تمنا تھی۔ یا پھر اسے نگاہِ حسینؑ کا گوشہ سمجھ لیجئے۔

دوم یہ کہ یہ شہادتِ حسینؑ کی ہمہ گیر اثر انگیزی ہے کہ یہ واقعہ ہر دور میں لکھنے والوں کی توجہ کا مرکز بنا رہے گا۔ اگر مجھ سے پہلے ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں تو میرے بعد بھی ہزاروں کتابیں لکھی جائیں گی اس عظیم ترین داستانِ اہلِ ایسی زبردست کشش اور مقناطیسی اثرات ہیں کہ قلم خود بخود اس کا طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔

سوم وجہ اس کتاب کو لکھنے کی یہ ہے کہ ہمارے ملک میں چند ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو اس غریب کا داستان کی سرخی اٹالینے کی فکر میں ہیں حالانکہ وہ قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے۔

اور نہ ہی وہ اس مذموم کوشش میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ان لوگوں کو ان کی خرافات کا جواب دینے والا اگر دنیا میں کوئی بھی باقی نہ رہے تو جب بھی خونِ حسینؑ میں وہ قوت موجود ہے کہ وہ اپنی حرمت اور عظمت کا تحفظ کر سکے۔ اپنی عصمت و عفت اور طہارت و پاکیزگی کی حفاظت کر سکے۔

حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت "نقش فی الحجر" کی حیثیت رکھتی ہے اسے مٹایا نہیں جاسکتا۔ حسینؑ کی عظمت و محبت اور مؤدت و عقیدت بھولوں کی خوشبو کی طرح مومنوں کے دلوں میں رچ بس گئی ہے اس کو نکالا نہیں جاسکتا۔

حسینؑ کے خون کی سُرخ تو فضاؤں میں شفق بن کر بکھری ہوئی ہے اسے کس طرح مٹایا جاسکتا ہے۔

جس طرح قرآن مجید کا ہر لفظ محافظہ کلام کے سنوں میں قیامت تک محفوظ رہے گا اسی طرح قرآن ناطق جناب حسین علیہ السلام کی محبت مومنوں کے دلوں میں تا ابد آباد قائم و دائم اور باقی رہے گی۔

جس حسینؑ کی عظمت و سربندی کے نقوش نیریدلوں کی تلوار نہ مٹا سکی۔ اُس حسینؑ کی سرفرازیوں کی داستان کو نیریدلوں کے قلم کس طرح تبدیل کر سکتے ہیں۔ جس مقام پر نیرید کی عسکری قوت ناکام رہی ہے اُس مقام پر نیرید کے سرکشوں کی سیاست بھی ناکام رہے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر کے مصنفین مل کر بھی سیدنا حسین علیہ السلام کی مخالفت پر اپنے قلم حرکت میں لے آئیں تو خونِ حسینؑ کے رنگ و نور میں ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں کر سکتے اور اگر دنیا بھر کے تمام لوگ شہادتِ حسینؑ میں حسنِ عقیدت کا رنگ بھرنے چاہیں تو اُس کی ذاتی دلکشی اور حسن و رعنائی میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ امامِ عالی مقام سید الشہداء امام حسین علیہ السلام عظمت و سربندی کے جس مینارہ نور پر کھڑے ہیں وہاں تک نہ تو مخالفین و معاندین کی پہنچ ہو سکتی ہے اور نہ ہی مخلصین و محبتین کی رسائی ممکن ہے۔

شہادتِ حسینؑ تو ایک معیار ہے، ایسا معیار جس کو سامنے رکھ کر حق و باطل اور کفر و ایمان کا امتیاز کیا جاسکے۔ ایک ترازو ہے جس میں بغض و عداوت اور محبت و مؤدت کا وزن کیا جاسکے۔

اگر کوئی مبغوض و مغضوب شخص رحمتِ خداوندی سے دور رہنا چاہتا ہے تو اُس کے

سینے میں نواصت رسول سے بغض اور عداوت آجاتے ہیں سادہ اگر کسی کو رحمت خداوندی کے حلقہ میں رہنا ہوتا ہے تو حسین علیہ السلام سے محبت و عقیدت کا سمندر اُس کے سینے میں موجزن ہو جاتا ہے لہذا یہ معیا کسی دنیا دار منطلق وان اور فلا سفر کا قائم کیا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ چیز قرآن و حدیث سے منصوص ہے۔ بات دور نکل آئی۔ بتانا یہ تھا کہ میری اس کتاب سے غلط حسیں میں تو کچھ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ مجھے اُن کے دربارِ گوہر بار اور طبع فیض و عطا سے سندِ مغفرت ضرور مل سکتی ہے۔

میرے سلمے بھارت اور پاکستان کے باطل نواز یزید کے کاسہ لیسوں اور میرٹھوں کی لکھی ہوئی چند کتابیں یکے بعد دیگرے آئیں جن میں ان کوتاہ اندیش یزیدی معنفوں نے پوری پوری کوشش صرف کر دی ہے کہ کسی طرح یزید کو خلیفہ برحق، امیر المومنین اور ولی اللہ ثابت کیا جاسکے اور امام حسین کو (نعوذ باللہ) شرانگیز، قتلہ پرداز، خلافت الہیہ کا باغی اور مفسد قرار دیا جائے۔ ان شرانگیز کتابوں کے جواب میں چند رسائل اور ایک ضخیم کتاب بھی نظر سے گذری جن میں معاندین اہل بیت کے بہتانوں کا جواب دینے کی حتی الامکان سعیِ بلیغ کی گئی ہے۔ اور یہ جوابات ایسے بھی نہیں جن میں ہلکا پن اور بودا پن پایا جاتا ہو۔ تاہم ان میں ایک تشنگی مزور معلوم ہوتی ہے اور اس تشنگی کی وجہ یہ ہے کہ جواب دینے والے حضرات نے یزیدیوں کے استدلال کو توڑنے کی طرف کم توجہ دی ہے اور اپنے دلائل پیش کرنے میں زیادہ محنت کی ہے۔

حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ مزید دی جاتی تو ارضِ پاکستان میں اٹھنے والے شرارت کے اس طوفان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جاتا۔ ہماری تحقیق کے مطابق یزید کے حواریوں نے اپنے پیشوا یزید ہی کی طرح اپنے استدلال کی بنیاد بے ایمانی اور سیاست پر رکھی ہے۔ انہوں نے حوالے پیش کئے وقت عبارتوں کو قطع برید کر کے اپنی ضرورت کے ٹکڑے نقل کئے ہیں حالانکہ ایسا کرنے سے قرآن مجید عظیم آسمانی کتاب سے جو دل چاہے مطلب نکالا جاسکتا ہے اور ان نا عاقبت اندیشوں نے قرآن کی آیات سے بھی اس طریقہ سے اپنا مطلب نکلانے کی کوشش کی ہے کہ جس عبارت کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے مطلب برآری کرنا لکھنے والے کی بے ایمانی کی انتہا ہوتی ہے اور ایسے شخص کو محقق کا نام دینا لفظِ تحقیق کی کھل تو ہیں اور واضح تکذیب ہے۔

بہر صورت جانبین کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو دل کے کسی گوشہ سے عشقِ حسین نے کوڑ ل اور تقریباً پانچ صد کتب تفاسیر و احادیث اور توارخ و سیر کی عبارتوں پر مشتمل کتاب "شہیدانِ شہید" کا خاکہ تیار ہو گیا۔ ضخامت کا اندازہ کیا تو دو ہزار صفحات بنتے تھے اور اب اس کے بعد یہ مرحلہ سلمے آگیا کہ طبع کیسے ہو !

چند خیرات نصیب لکھنے والوں کو چھوڑ کر ہر مصنف اسی مصیبت میں گرفتار نظر آتا ہے۔ بہر حال اسی تک و دو میں سات سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ اس دوران میں عوام کے ذہنوں کو بھی بڑھتا رہا۔ اور اپنی کوششیں بھی جاری رکھی۔ بالآخر ایک تجویز سامنے آگئی کہ اس تحقیقی شاہکار کو مزید کچھ دیر معرض التوا میں رہنے دوں اور اس کے ابتدائیہ کے طور پر ایک ایسی مختصر کتاب ترتیب دوں جس میں بحث و مناظرہ سے مکمل طور پر اجتناب کیا گیا ہو۔ اور اس میں بجائے حوالوں کی بھرمار کر نیکی سوز و گداز بھردیا جائے، آہوں کے طوفان بند کر دیئے جائیں، آنسوؤں کے سمندر سمود بیئے جائیں اور درد و الم کی تصویر کھینچ دی جائے اور اس کتاب کو شہید ابن شہید کے پہلے حصے کے طور پر متعارف کرایا جائے۔ چنانچہ یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔

بحث و تمحیص، نقد و نظر، تعدیل و جرح اور تبصرہ و مناظرہ کے لئے اسکے دوسرے اور تیسرے حصے کو مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس حصے کے حوالوں کو خدا کے حوالے کر دیا گیا ہے انشاء اللہ العزیز دوسرے حصوں میں قارئین کو حوالوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ دعا فرمائیں کہ ینذیریوں کی ترمیم میں لکھی ہوئی بقیہ کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ میری امداد و استعانت فرمائے اور حفاظت حق کیلئے نواسۂ رسولؐ کی رگوں میں پھل جانے والے خون کے صدقہ سے میری اس نذر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

جب اس صحیفہ درد کو پڑھتے ہوئے آپ کی آنکھیں دھوکہ رہی ہوں تو مجھے بھی اس عبادت میں شریک کر لینا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے محبت حسین اوسوت اہل بیت مصطفیٰ نصیب فرمائے اور ینذیریوں کے شر سے مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ فرمائے۔

قارئین کرام کی خدمت میں آخری استدعا یہ ہے کہ جب کتاب کو آپ ختم فرمائیں تو میرے والد مرحوم کے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرما کہ جنت کا باغ بنا دے۔

آپ میرے باپ کے لئے دعا کریں میں آپ کے تمام فوت شدگان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن پرچم حسین کا سایہ نصیب فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالآخر فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔ دعا گو صالح چشتی

شانِ اہلبیتِ مصطفیٰ

لِيُخَمِّسَهُ أَطْفَىٰ بِهَا حَوَالِيَّامُ الْخَاطِطَةِ
الْمُصْطَفَىٰ وَالْعُرْتَقَىٰ أَمَّا هُمَا وَالْخَاطِطَةُ
بَيْدَمِ يَبِي تَوِ بِانْجِ هِي مَقْصُودِ كَانَات
خَيْرِالنَّسَاءِ حَبِيبِ وَحَسَنِ مُصْطَفَىٰ عَلِي

(بیدم وارثی)

جن کی مدح و ستائش اور تعریف و توصیف قرآن بیان کرے۔ انسان اُن کی تعریف کا کیا حق ادا کر سکتا ہے۔ گلستانِ رسالت کی بہاروں اور چمنستانِ نبوت کے پھولوں کے حضور میں کوئی نے عقیدت کے پھول پیش کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں

آفتابِ عالم کی درخشندہ کرنوں کے حضور ایک حقیر درہ کیا نذر پیش کر سکتا ہے۔ میں تو اہلبیتِ رسول کے دروازے کا حقیر سگ ہوں۔ مالکوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہوں۔ شاید کبھی رحم کھا کر کرم کا ٹکڑا ڈال دیں اور میری نجات ہو جائے بس اس کے سوا اور کیا ہے۔ اس چمنستانِ کرم کی پوری پوری تعریف تو خدا تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔

خداوندِ قدوس نے قرآن پاک میں اپنے محبوبِ کریم علیہ السلوٰۃ والتسلیم کو ارشاد فرمایا: محبوب اعلان فرما دیجئے کہ ہم نے تمہیں گمراہی اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کا راستہ دکھا با ہے اور ہم تجھ سے اپنا حق تبیغ یہ مانگتے ہیں کہ ہماری اہل بیت اطہار سے محبت کرو، مودت کرو۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا، إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ. شوریٰ آیت ۲۳

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خداوندِ تعالیٰ کا یہ حکم سنا تو دربارِ مصطفیٰ میں عرض کیا۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ قَرَّابَتُكَ هُوَ لَاءِ الَّذِينَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّةُ قَوْمٍ۔

۱۲ تفسیر ابن عربی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہمیں فرمادیا جائے کہ آپ کے وہ کون قریبی ہیں جن کی محبت و مؤدت ہم پر واجب کر دی گئی ہے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-
 علیؑ و فاطمہ و الحسن و الحسین و ابناؤہما۔ یعنی علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ اور ان کے بیٹے۔

دوسری روایت میں ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا:-
 یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم من قرأبتک و الذین نزلت فیہم الآتۃ۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ آپ کے کون قریبی ہیں جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تو امام الانبیاء نے فرمایا:-

علی و فاطمہ و ابناؤہما۔ یعنی علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے بیٹے۔
 کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی شامل ہے مگر یہ خیال درست نہیں۔

اہل بیت کے خصائص صحابہ کے لئے نہ بھی ثابت کئے جائیں تو جب بھی صحابہ کی شان و فضیلت بہت بلند و بالا ہے۔ اس آیت کریمہ میں تو صحابہ کرام کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے حق تبلیغ مانگنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ اور پھر صحابہؓ کے لئے پھر چھپنے پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ نے پوری پوری وضاحت فرمادی ہے کہ تمہاری محبت و مؤدت کے حقدار جناب علیؑ کرم اللہ وجہہ الکریم، جناب فاطمہ الزہراؑ اور جناب حسنین کریمین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

کیا بات رضاؑ اس جہنستانِ کرم کی
 زہراؑ ہے کلی جس کی حسینؑ اور حسنؑ پھول (اعلیٰ حضرت بریلویؒ)
 قرآن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا، اور آپ ہی نے اس کی

۱۔ جلالین مسری ۲۲۲ مدارک ۵۱۱ کبیر ۲۹۰ ابن جریر ۱۲۲ خازن، معالم ۱۲۲
 صاوی ۱۲۱ حقائق ۱۱۸ صواعق محرقة ۱۱۸ زرقانی علی المواہب ۱۱۸

تفسیر فرمادی پھر تاویلوں کی کیا ضرورت ہے۔ حضور صاحب قرآن: یہ جس کیلئے جو چاہیں اعزاز
مخصوص فرمادیں۔ آپ مالک و مختار ہیں، صاحب اختیار ہیں۔

آیت تطہیر بلاشبہ ————— اُمّہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی شان
میں نازل ہوئی۔ مگر صاحب قرآن رسول ہاشمیؐ سے
لامحدود اختیارات کی وسعت تو دیکھئے۔ آپ کی حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین سے والہانہ
محبت و شفقت کا اندازہ تو کیجئے۔ آیت نازل ہوئی ہے۔

اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيرًا (الاحزاب ۳۳)

اے نبیؐ کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر آلودگی کو دور کر کے
تمہیں خوب پاکیزہ کر دے۔

نزولِ آیت ہوا تو امام الانبیاءؑ نے آواز دی عیسیٰ آجاؤ، بیٹی فاطمہؑ تم بھی
آؤ اور حسن و حسینؑ کو بھی ساتھ لیتی آؤ۔

فدعنا للنبی، علی و فاطمہ و الحسن و الحسین۔

پیاروں نفوسِ قدسیہ حاضر ہو گئے۔ امام الانبیاءؑ نے ایک طرف حضرت علیؑ کو بٹھایا
دوسری طرف جناب فاطمہؑ کو بٹھایا۔ جناب حسن و حسینؑ کو گود میں لیا اور شانِ منزل کی حامل
مکہ مقدسہ میں سب کو چھپا لیا اور ربِّ عالم کی بارگاہ میں دعا کی :-

اَللّٰهُمَّ هُوَ لَا عِوَاہِلَ الْبَيْتِیْ فَادْهِبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَ مَطْہَرْہُمْ تَطْہِیْرًا
یا اللہ! میرے اہل بیت میں تو ان سے ہر آلودگی کو دور فرما کر خوب پاکیزہ فرما دے۔
آیت تطہیر حضرت اُم سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی تھی اور وہیں پر ہی یہ بزمِ نور سجائی
گئی تھی۔ اُم المومنین اُم سلمہؓ نے یہ کیف پرور اور نور بنیر سماں دیکھا تو آگے بڑھ کر
دربار رسالت میں عرض کیا :-

اَکَا مَعْہُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں بھی اس بزمِ نور میں شامل ہوں۔ تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلمہؑ تائین قلبی فرماتے ہوئے فرمایا :- اُم سلمہؓ تم خیر پر ہو اور اپنے مقام پر ہو۔ قَالَ

۱۱۶۷ھ کے ترمذی شریف ۲۷۷ علاوہ ان میں اس روایت کے لئے دیکھو، المستدرک ۱۱۶۷ (باتی لکھے صفحہ ۱۱۶)

أَنْتَ عَنْ مَكَانِكَ أَنْتَ عَنِ الْخَيْرِ -

آیت متذکرہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب گمراہوں کے لئے عاقلانہ حکم فرمایا ہے اس لئے اس میں کسی کو بھی خارج نہیں کیا جاسکتا۔

دُعا کے لئے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف چار مستحقوں کو انتخاب فرمایا ہے اس تخصیص کو توڑا نہیں جاسکتا۔ یوں تو آپ پوری کائنات کیلئے رحمت بن کر آئے ہیں۔

صحابہ کرام ہوں یا آپ کی ازواجِ مطہرات آپ کی نگاہِ رحمت و شفقت نے ہر ایک کو نوازا ہے۔ ہر ایک کی تالیفِ قلبی فرمائی ہے۔ جو جو بھی آپ کے حلقہٴ رحمت میں آگیا فضیلتوں کا پیکر بن گیا۔ ذرہ تھا تو آفتاب بن کر چمکنے لگا، قطرہ تھا تو بحرِ بیکراں بن گیا۔ کانٹا تھا تو پھول بن گیا۔ پتھر تھا تو لعل و الماس بن گیا۔ غلام تھا تو آقا بن گیا۔ مقتدری تھا تو امام بن گیا۔ شقی تھا تو سعید ہو گیا۔ فقیر تھا تو غنی ہو گیا۔ ناپاک تھا تو پاک ہو گیا۔ ابو بکر تھا تو صدیق ہو گیا۔ عمر تھا تو فاروق ہو گیا۔ عثمان تھا تو ذو النورین ہو گیا۔ زہرا بن تھا تو زہرا ہو گیا۔ حبشی تھا تو قرشیوں کا سردار ہو گیا۔ اعرابی تھا تو سہمانی ہو گیا۔ رحمت سے دور تھا تو قریب ہو گیا۔ دشمن تھا تو حبیب ہو گیا۔ الغرض محمدؐ ربی کی جس جس پر خیر نگاہ انتفات اُٹھتی گئی اُسے مہرِ عالم تاب بناتی گئی۔ جس کسی کے بھی فضائل پر صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ تمام تر اعزازات اسی کو تفویض کر دیئے گئے ہیں۔

مگر مکملی میں آنے والے چاروں نفوسِ قدسیہ تمام کائناتِ عالم سے ایک خاص اور علیحدہ شان کے مالک ہیں۔ جس قسم کی محبت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان چاروں سے تھی اُس میں کوئی بھی ان کا شریک و سہم نہیں۔

کبھی آپ نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ قرآن نے ان سے محبت کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ خدا نے کیوں حکم فرمایا ہے کہ، ”محبوب! اہل ایمان سے مطالبہ کیجئے کہ میری اہل بیت سے محبت کیجئے“ اس میں راز یہ تھا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(بقیہ صفحہ گزشتہ) خصائص کبریٰ ۱/۲۶۴ اشعہ للمعانی ۱/۶۸۱ اسد الغابہ ۱/۵۲

نزهۃ المجالس ۱/۲۲۲ مظاہر حق ۱/۴۵ درر منشور ۱/۱۹۹ کبیر ۲/۶۵ خازن ۲/۵۹ معالم ۲/۵۹

ابن کثیر ۲/۸۳ مدارج النبوت ۲/۶۴ صواعق محرقة ۲/۵۳ الاصابہ ۲/۶۴

ان سے والہانہ محبت تھی۔ سرورِ انبیاء خدا کے محبوب تھے۔ خداوند کریم کو رسول کریم سے محبت تھی۔ رسول کریم کو علی وفاطمہ اور حسین و حسن سے محبت تھی۔ حضور خدا کے محبوب تھے۔ یہ چاروں حضور کے محبوب تھے۔ محبوب کی محبوب چیز سے دوسری محبت ہوتی ہے۔ حضور نے عرض کیا۔ یا اللہ میں تیرا محبوب ہوں اور میرے محبوب ہیں تو بھی ان سے محبت فرما۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب میں تو ان سے محبت کرتا ہی رہوں گا۔ میری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جن سے تو محبت کرتا ہے میرے خاص بندے بھی ان سے محبت کریں سَتَوْدَتْ لَافِي الْقُرْبَىٰ کا اعلان فرما کہ وضاحت کر دیجئے کہ آپ کے محبوب قریبی کون لوگ ہیں۔

یہ کوئی مفروضہ یا اندھی عقیدت کا سیلاب نہیں بلکہ ایک ناقابل تردید حقیقت اور ارشاداتِ رسول ہیں جن کی روشنی میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان چاروں سے منفرد قسم کی محبت تھی۔ چند روایات ملاحظہ ہوں۔

عن ابی ہریرۃ قال نظر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی علی و الحسن و الحسین و الفاطمۃ فقال انا حرب عن حاربکم سلم لمن سالکم حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی وفاطمہ اور حسن و حسین کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ہماری اُس سے لڑائی ہے جو ان سے لڑے گا اور اُس سے صلح ہے جو ان سے صلح رکھے گا۔

آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کو اہل بیت میں کس کے ساتھ زیادہ محبت ہے آپ نے فرمایا حسن اور حسین سے۔

انہ سمع النبی بن مالک یقول سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ائی اہل بیتک احب الیک قال الحسن و الحسین۔

پھر فرمایا جو ان سے محبت رکھے گا ہم اُس سے محبت رکھیں گے جو ان سے بغض رکھے گا ہم اُس سے عداوت رکھیں گے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من احبهما فقد احبنی ومن ابغضهما فقد ابغضنی یعنی حسنا و حسینا۔ من احب الحسن و الحسین فقد احبنی ومن ابغضہما ابغضنی

۱۔ البدایہ والنہایہ ۲/۲۵ ۲۔ الاستیعاب ۳۸۰ ۳۔ مشکوٰۃ ۶۴۴ ۴۔ ترمذی ۲۴۱

۵۔ فیض القدیر شرح جامع الصغیر

یہ روایتیں چاروں نفوسِ قدسیہ اور حضرت حسن و حسین علیہم السلام کے لئے تھیں۔

اب حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے روایات ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ أَحَبَّ النِّسَاءِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ وَ مِنْ الرِّجَالِ عَلِيٌّ -

حضرت رسولِ کریم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم عورتوں میں سے سب سے زیادہ محبت فاطمہ سے فرماتے تھے اور مردوں میں سے علی کے ساتھ۔

اور جب اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اُن کے بھتیجے زبیر بن عوف

نے پوچھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ محبت کس کے ساتھ فرماتے تھے۔

قالت فاطمة فرمایا فاطمہ سے پوچھا! مردوں سے؟ فرمایا ذویجہا۔ اُن کے شوہر سے

ایک اور روایت میں ہے کہ جب امام الانبیاء سے پوچھا گیا کہ آپ سب سے زیادہ محبت کس سے

فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

فَاطِمَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ أَنْتَ أَعَزُّ إِلَيَّ مِنْهَا قَالَ لِعَلِيٍّ

سب سے زیادہ محبت ہمیں فاطمہ سے ہے اور سب سے پیارے ہمیں علی ہیں۔

پھر ایک فیصلہ کن ارشاد ہوا:-

أَحَبُّ أَهْلِي إِلَيَّ فَاطِمَةُ

ہمیں سب اہل بیت سے زیادہ محبت فاطمہ کے ساتھ ہے۔

کسی شخص نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ریشمی چادر پیش کی آپ

نے حضرت علی کو عطا فرمادی۔ حضرت علی وہ چادر پہن کر دربارِ مصطفیٰ میں آگئے۔ امام الانبیاء

نے علی کو چادر پہننے دیکھا تو رُخِ انور متغیر ہو گیا۔ علی مزاج شناس رسول تھے فوراً سمجھ گئے

عرض کیا حضور اس کا کیا کروں۔

آپ نے فرمایا کہ اس کے ٹکڑے کر کے فاطمہ نام کی عورتوں میں تقسیم کر دو۔ اسے

رسولِ پاک کی بیٹی کیساتھ محبت کی معراج کہا جاسکتا ہے۔ آپ کو اپنی بیٹی کی ذات سے ہی نہیں

۱۔ ترمذی ۲۱۱۱ المستدرک ۱۵۵ صواعق محرقة ۱۱۹ مدارج النبوة ۲۶۶ ۲۔ ترمذی ۲۱۱۱

۳۔ جامع الصغیر ۲۶۶ نزهة المجالس ۲۲۲

نام سے بھی محبت ہے۔ رسول کریم بتانا چاہتے تھے کہ میری بیٹی کی بہناموں کو بھی انعام و اکرام سے نوازا جائے۔

عن علی اکیدار دومة اهدی الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ثوباً حریراً فاعطاہ علیا۔ فقال ! شققة خمرأ بین الفواطم
اور بیٹی سے اپنے والہانہ ربط و تعلق کا اظہار آپ اس طرح بھی فرماتے ہیں کہ فاطمہ
میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے غضبناک کیا اُس نے ہمیں غضبناک کیا۔ جس نے انہیں
ایذا دی اُس نے ہمیں ایذا دی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قال فاطمة بضعة منی فمن
اغضبها اغضبنی و فی رواية یوینی ما ارا بها ویوذنی ما اذاها۔
یہی نہیں بلکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ فاطمہ کے
غضبناک ہونے سے خدا غضبناک ہو جاتا ہے اور اس کے راضی ہونے سے خدا راضی
ہو جاتا ہے

ان الله یغضب بغضب فاطمة ویرضی برضاها۔

تاجدارِ دو عالم کی اپنی بیٹی سے محبت ایسی محبت ہے جس کی مثال دنیا میں موجود ہی نہیں
آپ فرماتے ہیں۔ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ فاطمہ میرا دل ہے۔ فاطمہ میری روح ہے۔ جو اس کو
ایذا دیتا ہے وہ مجھے ایذا دیتا ہے۔ اور مجھے ایذا دیتا ہے وہ خدا کو ایذا دیتا ہے۔
وہی بضعة منی وہی قلبی وہی روحی الی بین حینی من اذاها
فقد اذانی و اذانی فقد اذی اللہ۔

محمد مصطفیٰ کی بیٹی کا اعزاز تو دیکھو۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود روح
کائنات ہیں لیکن سیدہ فاطمہ کو اپنی روح کہتے ہیں۔ روح کائنات کی روح کے مقام کو کون
جان سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں میری بیٹی کے غضبناک ہونے پر خدا غضبناک ہو جاتا ہے۔
میری بیٹی کو ایذا دینا خدا کو ایذا دینا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ

۱۔ مسلم مترجم ۱۳۲۸ اشعة اللمعات ۵۳۸ ۲۔ بخاری ۵۳۲ ۳۔ مسلم ۲۶۸ ۴۔ ترمذی ۲۱۱
۵۔ المستدرک ۱۵۶ ۶۔ دارج البیوت ۲۶۱ ۷۔ صواعق محرقہ ۱۵۳ ۸۔ نور الابصار ۴۶

اما حسن علیہ السلام کو زہر دینے والے پر امام الانبیاء کی بیٹی ناراض ہوگی یا خوش؟
 کوہلے پتے ہوئے صحرائیں اپنے جگر گوشوں کے ٹکڑے کرنے والوں پر آپ غضبناک ہوئی
 ہیں یا نہیں؟، اپنی بیٹی کے ہاتھوں میں زنجیریں دیکھ کر آپ کو ایذا ہوئی ہوگی یا نہیں؟، حسین
 علیہ السلام کی لاش پر گھوڑے دوڑاتے دیکھ کر آپ کو تکلیف پہنچی یا نہیں؟
 اور اگر آپ کو واقعی اذیت ہوئی اور آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو پھر نص حدیث کے مطابق
 فاطمہ کو ایذا دینا رسول اللہ کو ایذا دینا ہے، خدا کو اذیت دینا ہے۔ اور قرآن میں آئے ہیں جس نے
 خدا اور رسول کو اذیت دی اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالاٰخِرَةِ
 وَاعَدَ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (احزاب آیت ۵۶)

بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو۔ اللہ کی لعنت ہے اُن پر دنیا
 اور آخرت میں۔ اور اللہ نے اُن کیلئے عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (التوبہ آیت ۶)

اور جو اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ نیک کے ہمواروں کو کچھ تو شرم آنا چاہیے، کچھ تو حیا سے کام لینا چاہیے کہ جس ملعون
 پر نص قرآن و حدیث سے لعنت کا جواز موجود ہے، اُس کی صفائی بیٹی نہ کرتے پھریں۔

برسبیل تذکرہ ایک بات آگئی، اس حصہ کو ہم نے بحث سے پاک رکھنا ہے۔ جناب
 سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراء سے محبت رسول کو نین کا اندازہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔
 جناب سیدہ ایک سونماز پڑھ رہی تھیں، امام الانبیاء تشریف لائے، بیٹی قیام میں
 کھڑی تھی لیکن ضعف و نقاہت کی وجہ سے جسم اقدس لرز رہا تھا۔

بیٹی نے سلام پھیرا، باپ کو تعظیم دی، باپ نے بیٹی کی پیشانی انور کو بوسہ دیا اور
 ضعف و نقاہت کا سبب پوچھا۔ صابر کی بیٹی تھی، صابر کی بیوی تھی، صابروں کی ماں تھی اور
 خود بھی صابرہ تھی۔ باپ کے سوال پر پریشان ہو گئی۔ شکوہ تو کرنا ہی نہ تھا، آنکھوں
 میں آنسو آگئے۔

کائنات لرز کر رہ گئی۔ امام الانبیاء نے پوچھا تھا، سہراب تو دینا ہی تھا، جھکتے
 جھکتے اور شرمناک حقیقت بیان کر دی۔ ”ابا جان تین روز سے بھوکے ہوں“۔ علی محمد کچھ لائے

مٹے اُن کی روٹیاں پکا کر کچھ کھانا بچوں کو کھلایا اور باقی خیرات کر دیا۔ پیٹ پر پتھر باندھنے
 ولے رسولِ معظمؐ ٹرپ کر رہ گئے۔ بیٹی کی لقا بہت دیکھی نہ گئی۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے
 اور پھر دغا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔ یا
 آج کے بعد میری بیٹی فاطمہ کو بھوک نہ ستائے۔

قال اللہم مشبع الجاعة وقاضی الحاجة و رافع الوضعة لا تنزع
 فاطمة بنت محمدؐ ثم سالتھا بعد ذالک۔ فقالت ما جعت بعد ذالک۔
 خدا کے برگزیدہ پیغمبر اور محبوب کی دعا تھی کیسے مسترد ہوتی۔ اُس دن کے بعد بہت
 رسولؐ کو کبھی بھوک نے بیکار نہیں کیا۔

ایک روز امام الانبیاءؑ کی بارگاہ میں چند یہودی عورتیں حاضر ہو کر کہنے لگیں ہمارے
 گھر شادی ہے۔ اگر آپ کرم فرما کر اپنی بیٹی کو ہماری شادی میں بھیج دیں تو یہ ہم پر احسان ہوگا
 اور ہمیں فخر حاصل ہوگا کہ رسولِ خدا کی بیٹی ہمارے گھر میں تشریف لائی ہیں۔ امام الانبیاءؑ
 کی نظر دُور تک تھی۔ اُن کے دلوں کی بات بھی جان لی اور اُن کا دل بھی نہ توڑا وعدہ فرمایا۔
 یہودی عورتوں کا خیال تھا شادی کے دن ہم لباسِ فاخرہ میں ہوں گی۔ محمدؐ کی بیٹی کے لباس پر
 بیوند لگے ہوں گے اور ہم اُن کا مسخرہ اڑائیں گی کہ یہ مسلمانوں کے رسولؐ کی بیٹی ہے۔

ادھر امام الانبیاءؑ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کو شادی میں شرکت کے لئے
 حکم دے دیا۔ بنتِ رسولؐ سوچا میں بڑ گئی۔ اپنے لباس کو دیکھا تو آنسو لگے۔ رُوح
 کو نین لڑ کر رہ گئی۔ عورتوں کی چٹخیں نکل گئیں۔ غیرتِ خداوندی کو جوش آگیا۔ جبریلؑ کو حکم دیا
 جبریلؑ جلدی کو و جنت سے کپڑوں کا جوڑا لیکر میرے محبوب کی بیٹی کے حضور میں پیش کر دے۔
 جبریلؑ نے جنت کا جوڑا لیا اور چند لمحوں بعد رساتماب کے حضور میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے
 وہ جوڑا سیدہ کو دیتے ہوئے فرمایا۔ بیٹی یہ جنت کا جوڑا جبریلؑ لایا ہے اسے پہن کر
 تمہیں شادی میں شرکت کرنا ہے۔ سیدہ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ سیدہ کو نیا جوڑا پہننے کا
 شوق نہیں تھا۔ بس یہی غم تھا کہ میوہ دینیں طعنہ دیں گی، ابا جان کی عزت پر حرف آئے گا۔
 آپؐ نے وہ جوڑا پہنا اور شادی ولے گھر تشریف لے گئیں۔ وہاں یہودی عورتوں نے
 پوری تیاری کر رکھی تھی اور سب زرق برق لباسوں میں ملبوس تھیں۔ امام الانبیاءؑ کی شہزادی
 کو دیکھا تو ہکا بکا رہ گئیں۔ سارا پروگرام دھڑے کا دھڑا رہ گیا۔ سیدہ کے لباس کا مسخرہ

حمیا اڑا تیں خود متخربن کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ انہوں نے خواب میں بھی ایسا لباس نہیں دیکھا تھا۔

سیتہ کے لباس کو بوسے دینے لگیں، آپ کے ہاتھ چومنے لگیں۔ اب پہلا خیال ذہنوں سے نکل گیا۔ عورتوں کی نفسیات ہی ایسی ہے۔ اپنے سے بہتر زیور اور لباس والیوں کو دیکھ لیں تو یا تو حسد سے جل جاتی ہیں اور یا کسرِ نفسی کا شکار ہو جاتی ہیں یہودی عورتیں کسرِ نفسی کا شکار ہو گئیں۔ وہ کنیزوں کی طرح آپ کے آگے پیچھے پھرنے لگیں، آپ شہزادوں کی طرح ایک جگہ بیٹھ گئیں۔ یہودوں نے سوال کیا آپ نے یہ جوڑا کہاں سے لیا؟ آپ نے فرمایا اپنے باپ سے۔ انہوں نے پوچھا آپ کے باپ کو کس نے دیا؟ فرمایا جبریل نے۔ پوچھا جبریل کہاں سے لائے؟ فرمایا جنت سے۔

انہوں نے کہا ہم گواہی دیتی ہیں کہ سولے خدائے کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور پھر ان کے شوہر بھی مسلمان ہو گئے۔

مختصر عربی متن ملاحظہ ہو:-

فانزل الجبریل بجلد من الجنة فلما بستها وانزرت وجلست
بينهن رفعت الانوار فلمعت انوار۔ فقالت النساء من اين لك
هذا يا فاطمة؟ فقالت من ابي! فقلن من اين لابيک؟ قالت
من جبریل۔ قلن من اين الجبریل؟ قالت! من الجنة فقلن نشهد
ان لا اله الا الله محمد رسول الله۔ فبين اسلم زوجها (ترجمہ المجاہد ص ۲۲)
بنت رسول کی حیاتِ طیبہ پر تئیں نے دو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک پنجابی اشعار میں ہے
اُس کا نام خاتونِ جنت ہے۔ ایک اردو نثر میں ہے اُس کا نام المبتول ہے۔ یہ
خاندانِ نبوت کا کرم ہے جو مجھ سے یہ خدمت سے رہے ہیں ورنہ من آئم کہ من وانم۔
یہ کتاب امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ اور واقعہ کربلا کے لئے
مخصوص ہے۔ اس لئے سیدۃ النساء العالمین کے تفصیلی حالات پڑھنے کیلئے مندرجہ بالا
کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اس کتاب میں بھی آپ کا اور جناب جیدر کتار کا ضمناً ذکر ضروری تھا
آپ شہزادہ کونین کے والدین ہیں۔ مالِ باپ کا رنگ اولاد سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے مختصر
طور پر یہ تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

امام الانبیاء نے فرمایا ”میری بیٹی دونوں جہان کی عورتوں کی سردار ہے۔“
دوسرے مقام پر فرمایا ”میری بیٹی جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔“

فاطمۃ سیدۃ النساء العالمین
فاطمۃ سیدۃ النساء اهل الجنة

دونوں صورتوں میں ہی تمام عورتوں پر سیدۃ النساء العالمین کی سرداری مسلم ہے
کوئی عورت خواہ وہ کتنے ہی بلند مرتبے پر فائز ہو محمد عربی کی بیٹی کی کنیز ہے۔ اور یہ
شان امام الانبیاء نے خود اپنی بیٹی کے لئے مخصوص فرمائی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے گفتار و کردار میں سیدہ
فاطمۃ الزہرا سے زیادہ رسول کریم کے ساتھ کسی کی مشابہت نہیں دیکھی۔ آپ صوۃ بھی حضور
کی تصویر تھیں اور معنا بھی۔ جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۃ ثبوت میں تشریف لے گئے
تو سیدہ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی پیشانی
مبارک کو بوسہ دیکر بیٹھ جانے کا حکم فرماتے۔ اور جب سیدہ حجرۃ رسول میں حاضر ہوتیں تو
امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر آپ کا استقبال کرتے، مرجھا فرماتے، پیشانی کو چومتے
اور بیٹھ جانے کا ارشاد فرماتے۔

عن عائشۃ بنت طلحۃ صحن ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
قالت ما رأیت احدا کان اشبه کلام و حدیثا من فاطمۃ برسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم و کانت اذا دخلت علیہ احب بھا و قام الیھا فاحض
بیدھا فقبلھا و اجلسھا فی مجلسہ۔

اللہ اکبر یہ ہے شانِ نبوت جس سے بغیر اعظم کی تعظیم و تکریم کے لئے انبیاء کرام
کھڑے ہو جاتے ہیں وہ نائبِ رب اکبر سیدہ فاطمہ کا اٹھ کر استقبال کرتے ہیں۔

۱۔ بخاری ۵۲۲ ترمذی ۲۴۲ المستدرک ۱۵۱ مشکوٰۃ مترجم ۱۸۸ اشعۃ اللمعات ۶۹۶
مظاہر حق ۱۵۶ جامع صغیر ۶ خصال کبریٰ ۱۶۴ مسلم شریف ۲۹۲ الاسقیاب ۱۸۹۲ ،
صواعق محرقة ۱۱۸ مدارج النبوت ۲۶۰ ۳ المستدرک ۱۵۶ ترمذی مترجم ۲۶۱ ،
مشکوٰۃ ۶۸۳ ۴

یہ محبت و شفقت کی انتہا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے اس سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ بنت رسول سیدہ زہرا تبول کے ساتھ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تو وہ بحر بیکنا رہے جس کا کنارہ تلاش ہی نہیں کیا جاسکتا اسی طرح سیدہ پاک کے فضائل اور عظمتوں کا احاطہ و استعیاب ناممکن الا مر ہے۔ اور سیدہ کے ساتھ آپ کے بیٹوں اور شوہر کے ساتھ بھی امام الانبیاء کی محبت عظیم ترین خصوصیتوں کی حامل ہے۔ نجران کے چودہ عیسائی دربار رسالت میں مناظرہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ مدینۃ العلم سے گفتگو کی تو تمام علم بھول گئے لیکن ضد ہی اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا محبوب ان کے ساتھ مباہلہ کریں۔ مباہلہ میں دونوں فریق ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ جھوٹے کو فنا کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

فَقُلْ لِّعَالَمٍ اَنْذِعْ اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَ
الْفُسَا وَ الْفُسَكُم ثُمَّ يَنْتَهِلْ فَتَجْعَلْ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

محبوب انہیں فرما دیجئے کہ ہم تم بلاتیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں۔ پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں۔

آپ نے خدا کا ارشاد فرمودہ اعلان فرما دیا۔ اور جناب علی، سیدہ فاطمہ اور حسن و حسین کو ساتھ لے کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ الہی! یہ میرے اہلبیت ہیں۔

ہم اس بحث میں نہیں الجھیں گے کہ آپ نے نساءنا میں ازواج مطہرات کو کیوں شامل نہیں فرمایا اور الفسنا میں دیگر صحابہ کبار کو کیوں نظر انداز کر دیا ہم اس بحث میں بھی نہیں جائیں گے جو یزید لوازوں نے آجکل شروع کر رکھی ہے کہ مباہلہ تو ہوا انہیں سمجھا۔ عیسائیوں کے ساتھ تو ان کی عورتیں اور بیٹے آئے ہی نہ تھے اسلئے کہ ہیں کتاب کے اس حصہ کو تمام تر مباحث سے بچانا ہے۔ یزیدیوں کے لئے صرف ایک بات ہے کہ تم یہ سوال خدا پر کرو اور اچھی طرح پوچھو کہ یا اللہ عیسائیوں کی عورتیں اور بچے تو وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ پھر

منے کیسے کہہ دیا کہ محبوب اُن کو فرما دیجئے کہ اپنی عورتیں اور بچے لے کر آؤ۔
ہر قسم کی بحث کو چھوڑتے ہوئے آپ رسول خدا کی جناب علی و فاطمہ اور حضرات
حسنین کو یمن سے محبت کا کمال دکھیں کہ جب بھی فضیلت کا کوئی موقع آتا ہے تو آپ
اپنی کو یاد فرماتے ہیں۔ روایت ملاحظہ ہو :-

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ
هَذِهِ آيَةُ - فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا كُمْ - دَعَا رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحُسَيْنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ
اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ الْبَيْتِ -

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہ اور جناب حسن و حسین کو بلا کر
فرمایا۔ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

حضرت شعبی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ :-
أَفْهَمْنَا سَ مِنْ رَأْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَوْ حَضَرَتْ عَلِيٌّ كَوْمِ الدُّوْمِ الْكَرِيمِ
لِسَاءَ نَا سَ مَرَادِ جَنَابِ سَيِّدَةِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ سَلَامُ اللَّهِ عَلَيْهَا هِيَ أَوْ
أَبْنَاءَ نَا سَ مَرَادِ جَنَابِ حَسَنِ أَوْ جَنَابِ حُسَيْنٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ هِيَ -
قَالَ جَابِرٌ أَلْفُسْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى
وَإِبْنَاءَ نَا الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَنِسَاءَ نَا فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا -
امام الانبياء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ خداوندی میں یہ عرصہ کرنے کے بعد
کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ چاروں نفوس قدسیہ کو ساتھ لیکر اس شان سے باہر
تشریف لاتے ہیں کہ آگے آگے آپ ہیں امام عالی مقام امام حسین کو گود میں اٹھایا ہوا ہے

۱۔ مسلم شریف ۲۴۸ ترمذی شریف ۲۳۶ ریاض النظرہ ۲۴۸ صواعق محرقة صفحہ ۱۰۷
المستدرک ۵۹۴ نسیم الریاض ۲۶۷ ۲۔ دلائل النبوة ۲۹۸ دَرِ غُشُور ۳۸ معالم التنزیل
وخازن ۶۳ ابن کثیر ۲۴۱ کبیر الرازی ۴۹۹ فتح الباری ۵۳ ابوسعود ۶۹۸ عرائس البیان ۲۵۱
مدارک ۱۱۱ اتقان ۲۱ نوا المعاد ۲۹۱ تاریخ الخلفاء ۱۱۵

امام حسن علیہ السلام انگلی پکڑے نانا کے ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ جناب فاطمہ الزہرا آپ کے پیچھے ہیں اور سب کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آ رہے ہیں۔

کس شان کا یہ قافلہ نور ہے اور کس قدر اہتمام ہے سیدۃ النساء العالمین خاتون قیامت جناب فاطمہ الزہرا کے پردے کا کہ آپ کے نقش قدم کو بھی پردہ دیا جا رہا ہے امام الانبیاء کے نقش قدم پر جناب فاطمہ قدم رکھتی ہیں اور جناب فاطمہ کے نقش قدم پر حضرت علی کا قدم آتا ہے۔ نیچے ابا حان کا نشان قدم ہے اوپر شوہر کے قدم کا نشان ہے اور اس طرح سید العالمین کی صاحبزادی کا نشان قدم پوشیدہ ہو جاتا ہے جسے نہ زمین دیکھ سکے اور نہ آسمان دیکھ سکے۔

امام الانبیاء نے حضرت علی اور جناب فاطمہ کو فرمایا جب میں دُعا مانگوں تو تم آمین کہنا۔ روایت کا عربی متن یہ ہے:-

قد احتض الحسن واخذ بيد الحسين وفاطمة تمشي خلفه
وعليا يمشي خلفها و يقول النبي صلى الله عليه وآله وسلم اذا
دعوت فآمنوا۔

جب اس قافلہ نور کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو عیسائیوں کے ایک سردار نے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کو کہا:- اے گوہ نصاریٰ! میں جن صورتوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر یہ دُعا کنویں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ یقیناً اپنی جگہ چھوڑ دے گا۔ اگر انہوں نے بد دُعا کر دی تو کوئی عیسائی قیامت تک زمین پر باقی نہیں رہے گا اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

قال اسقف يا معشر النصاري افي لا رى وجوها لو سألوا الله ان
يزيل جبلا من مكانه لا زالوا فلا بدتصلوا فهلكوا ولا يبتلى على الارض
نصرا في اى يوم القيامة

عیسائی اپنے سردار اسقف کی بات سن کر متبابے سے رک گئے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

والذى نفسى بيده ان العذاب تدلى على اهل نجران ولو لاعنوا

لمعه نور البصار ص ۱۱ اشعة اللمعات ص ۶۸ معارج النبوت ص ۳۳

لمسحوا فرقة و خنازیر ولا ضرم علیہم۔۔۔
 اللہ نجران و اہلہ حتی الطیر علی الشجر و لما حال الحول علی النصارى
 کلہم حتی ہلکوا۔

قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے۔ اگر ہم ان لوگوں پر لعنت
 کر دیتے تو ان کی صورتیں مسخ ہو جاتیں اور یہ بندہ اور خنزیر بن جاتے۔ ان کا شہر نجران تباہ ہو جاتا،
 اور وہاں کے شہری جل جلتے اور آگ کی ایسی بارش ہوتی کہ درختوں پر پہندے بھی جل جلتے
 اور کلہم عیسائی ہلاک ہو جاتے۔

ہم تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ محمد اور اہل بیت محمد کی بر د عا کی تاب کون لا سکتا ہے
 ان سے بغض رکھنے والا تو فنا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو ان سے محبت اور دوستی
 رکھنے کا حکم اللہ رب العزت نے کتاب مقدس کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا ہے۔ حضور کی تمام
 اہل بیت خواہ وہ سکنی ہو یا نبی یا سلمان فارسی کی طرح کسی کو شامل کر لیا گیا ہو سب اپنے
 اپنے مقام پر شان ولے ہیں۔ مگر جن کو ہر مقام پر علیحدہ کر کے حضور فرماتے ہیں وہ یہی چاروں
 نفوس قدسیہ ہیں یعنی علی و فاطمہ حسن و حسین۔

آیت مؤدۃ اُتری تو آپ نے صحابہ کے جواب میں فرمایا کہ یہی وہ میری اہل بیت ہے
 جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے مؤدت کا حکم دیا ہے۔ آیت تطہیر نازل ہوئی تو آپ نے انہی
 چاروں کو مکلی میں چھپا کر دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ هُوَلَاءِ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ یا اللہ
 یہ میرے اہل بیت ہیں۔

آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آپ نے پھر ان چاروں کو ہی بلایا اور مباہلے کے
 لئے تشریف لائے اور کہا:- اَللّٰهُمَّ هُوَلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي۔ یا اللہ
 یہ میرے اہل بیت ہیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ان چاروں کی ہر جگہ اور ہر مقام پر تخصیص
 فرماتے ہیں تو اس میں حیرت کی بات نہیں۔ ان سے آپ کی نسل قائم ہونا تھی۔ ان کی نسل میں
 ہزاروں لاکھوں غوث، قطب، ابدال، اوتاد اور ولی پیدا ہونے لگے۔ اپنی نسل کی
 افزائش کون نہیں چاہتا

کفارِ مکہ کا سب سے بڑا طعنہ تھا۔ ”محمد عربی تو ابتر ہیں ان کے اولادِ زریہ نہیں ہے

یہ منقطع النسل ہیں۔ غیرت خداوندی کو جوشن آگیا۔ فرمایا محبوب میری لوگ منقطع النسل اور ابترا ہیں ہم نے آپ کو خیر کثیر سے نواز رکھا ہے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْمُرْهُ إِنَّا شَانِكَ هُوَ
الْأَبْنَاءُ (قرآن مجید)

امام الانبیاء فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کی نسل ان کے بیٹوں سے شروع ہوئی اور میری نسل میری بیٹی سے شروع ہوگی۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ أُمٌّ عَصْبَةٌ يَنْتَمُونَ إِلَا ابْنِي فَاطِمَةَ فَانَا وَلِيَّهَا وَعَصْبَتُهَا
مچھ فرمایا تمام نبیوں کا سلسلہ نسل ان کی اپنی پشت سے چلا لیکن میری اولاد کا ظہور پشت علی سے ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِي صُلْبِهِ وَجَعَلَ ذُرِّيَّتِي
فِي صُلْبِ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ۔

ایک جگہ فرمایا قیامت کے دن تمام دنیا کا سلسلہ نسب منقطع ہو جائے گا لیکن میرا سلسلہ نسب و سبب منقطع نہیں ہوگا۔

ان الانساب تنقطع يوم القيامة غير نسبي وسببي وصحري۔

امام الانبیاء اگر اہل بیت کرام میں سے ان چاروں کی تخصیص فرماتے ہیں تو اس تخصیص کی وجہ بھی بہت بڑی ہے۔ نسل مصطفیٰ کا جاری ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس نسل پاک کا جس نے تقدیر عالم کو بدلنا ہے۔ جو سید الانبیاء کے لئے وجہ افتخار ہے اور جو کفار و مشرکین کے طعنوں کا جواب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس نسل پاک کے متعلق حجتہ الوداع کے موقع پر اپنی ناقہ مبارک قصودہ پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا أَنْ كُنْتُمْ بِهِ لَنْ تَفْضِلُوا كِتَابَ
اللَّهِ وَعِثْرِي أَهْلَ بَيْتِي۔

۱۔ المستدرک ۱/۲۷۲ ۲۔ جامع الصغير ۲/۲۹۹ المستدرک ۲/۲۷۲ جامع الصغير ۲/۲۷۲

۳۔ ترمذی ۲/۲۷۲ مسلم ۲/۲۷۲ منطابہر حق ۲/۲۷۲ اشعة اللمعات ۲/۲۷۲

اے لگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم انہیں پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت و اہل بیت

پھر فرمایا ^{وہ}
فَخُذْ ذَاكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى فَاسْتَمْسِكُوا بِهِ
أَذْكُرْكُمْ فِي أَهْلِ الْبَيْتِ، أَذْكُرْكُمْ فِي أَهْلِ الْبَيْتِ

پس اللہ کی کتاب کو پکڑو اور مضبوطی سے تمام رکھو، میں تمہیں اپنی اہلبیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنی اہلبیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔ ایک اور مقام پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اہلبیت سے وابستگی رکھنے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں

أَنَّ الْبُحُورَ أَمَانَ لِأَهْلِ الْأَرْضِ مِنَ الْغَرَقِ وَأَهْلَ الْبَيْتِ أَمَانٌ لِأُمَمٍ مِنَ الْإِخْتِلَافِ فَإِذَا خَالَفَتْهَا قَبِيلَةٌ اخْتَلَفُوا فَصَادُوا وَحُزِبَ إِبْلِيسُ۔

جیسک سارے اہل زمین کے لئے امان ہیں جو غرق ہونے سے بچاتے ہیں اور میری اہل بیت امان ہے میری امت کے لئے جو دور کرتی ہے اختلافوں کو۔ پس جو قبیلہ ان سے مخالفت کرے گا وہ ہو جائے گا حزبِ شیطان۔

سرکارِ در عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے ساتھ اور اپنی اہل بیت کے ساتھ محبت رکھنے کی وجوہات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔
أَحِبُّوا اللَّهَ لِمَا يَنْدُكُمْ مِنْ نَعْمِهِ - وَأَحِبُّوا نَفْسِي! يَحِبُّ اللَّهُ وَاحِبِي
اهل البیت یحبونی۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لئے محبت کرو کہ وہ تمہیں نعمتیں عطا فرماتا ہے اور میرے ساتھ محبت کرو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے اور میری اہل بیت سے محبت کرو میری وجہ سے۔
ایک اور مقام پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-
قَالَ مَوَدَّتْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّهُ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَهُوَ أَيْوَدُنَا

۱۔ مشکوٰۃ ۱/۲۹ جامع صغیر ۱/۱۶۴ اسعاف الراغبین ص ۱۱۷ ۲۔ فضائل کبریٰ ۲/۲۶۶
۳۔ ترمذی ۲/۲۲۳ المستدرک ۱/۱۵۸ اسد الغابہ ۱/۱۳۷ اسعاف الراغبین ص ۱۱۷ ۴۔ جامع الصغیر ۱/۱۱۷

وَمَنْ لَمْ يَشْفَعْ لِنَفْسِهِ يَوْمَئِذٍ فَاعْتَنَىٰ بِنَفْسِهِ لَا يَنْفَعُ أَحَدٌ عَمَلُهُ إِلَّا بِمَعْرِفَةٍ حَقًّا -

ہماری اہل بیت سے مؤدت و محبت کرنے کا حکم اللہ عز و جل نے فرمایا ہے پس جو ہماری اہل بیت سے مؤدت رکھے گا وہ ہماری شفاعت سے جنت میں داخل ہوگا اور قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے۔ تمہارا کوئی عمل تمہیں نفع نہیں دے گا جب تک ہمارا حق نہیں پہچاؤ گے۔

حضور فرماتے ہیں ہم عنقریب اپنی اہل بیت کے متعلق تمہاری آزمائش کریں گے کہ تم اُن کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو۔

انکم ستبتلون فی اہل البیتی من بعدی

اور یہ بھی فرمایا کہ جو میری اہل بیت کو ستائے گا اُس پر اللہ تعالیٰ کا شدید

غضب نازل ہوگا۔

أَشَدَّ غَضَبِ اللَّهِ عَلَى مَنْ أَذَانِي فِي عِتْدَتِي -

اما الانبياء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میری اہل بیت کی محبت میں فوت ہوگا وہ یقیناً بخشا جائے گا اور وہ اُس وقت تک فوت ہی نہیں ہوگا جب تک وہ توبہ نہ کرے۔

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا مَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مَغْفُورًا لَهُ إِلَّا مَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ تَائِبًا -

اور فرمایا کہ جو محبت اہل بیت میں فوت ہوگا وہ مومن فوت ہوگا۔

إِلَّا مَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مُؤْمِنًا

یہی نہیں بلکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت اہل بیت میں فوت ہونے والے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ مکمل ایمان کے ساتھ فوت ہوگا اور اُس کی موت شہید کی موت ہوگی

۱۱ اسعاف الراغبین ص ۱۱۳ ۱۲ جامع الصغير ص ۱۳۱ ۱۳ اسعاف الراغبین ص ۱۲۲

نور الابصار ص ۱۱۲

أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيدًا مُسْتَكْمِلًا الْإِيمَانِ
اور پھر فرمایا کہ میری اہل بیت کی محبت میں فوت ہونے والے کو عزرائیل علیہ السلام
جنت کی بشارت دیتے ہیں اور جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اسی بشارت کے ساتھ منکر
اور نکیر اس کا اہم استقبال کرتے ہیں۔

أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ بَشَّرَ فَا مَلَكَ الْمَوْتِ بِالْجَنَّةِ
ثُمَّ مَنَكَرٌ وَنَكِيرٌ۔

اس کے بعد امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص
محمد اور آل محمد کی محبت سینے میں لیکر فوت ہوگا وہ جنت میں اس طرح جائیگا جس طرح
عروس نکھر کر اپنے شوہر کے گھر جاتی ہے۔ اور اُس کی قبر میں جنت کے دروازے کھول
دیئے جاتے ہیں اور اُس کی قبر کو ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بنا دیا جاتا ہے۔

أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ يَنْفَرُ إِلَى الْجَنَّةِ كَمَا
تَنْفِرُ الْعَرُوسُ إِلَى بَيْتِ زَوْجِهَا فَفِي لَهْ فِي قَبْرِهَا بَابَانِ إِلَى الْجَنَّةِ يَحْعَلُ اللَّهُ
قَبْرَهُ مَزَارَ مَلَائِكَةٍ رَحِمَةٍ۔

اور اس کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت سے محبت
رکھنے والے کے لئے ایک معیار قائم کر دیا کہ وہ میری سنت کا پیرو ہوگا اور عقیدہ
اہل سنت و جماعت پر فوت ہوگا۔

أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَى السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ
یہ تو ہیں اہل بیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والوں
کے لئے بارگاہ رسالت سے بشارتیں اور خوشخبریاں۔ اب ذرا دشمنانِ اہل بیت
اظہار اور آل محمد سے بغض و عناد رکھنے والوں کا جو حال ہوگا وہ بھی ملاحظہ کریں۔

امام الانبیاء تاجدارِ مدنیہ دشمنانِ اہل بیت کے لئے فرماتے ہیں کہ انہیں قیامت
کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا جائے گا اور ان کی آنکھوں کے درمیان

۱۔ ۳۰۰ تفسیر ابن عربی ۲۔ روح البیان ۳۔ تفسیر کبیر ۴۔
نزهة المجالس ۵۔

مخبر کر دیا جائے گا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیئے گئے،
اور وہ کافر ہو کر مر رہے گئے۔ انہیں جنت کی خوشبو سے محروم کر دیا جائے گا۔
اَلَا وَ مَنْ مَاتَ عَلٰی بَغْضِ آلِ مُحَمَّدٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَكْتُوبًا
اَلَيْسَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔ اَلَا وَ مَنْ مَاتَ عَلٰی بَغْضِ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ كَاَدٍ
لَّمْ يَشْمَ رَاحَتَهُ الْجَنَّةُ۔

ہم کسی کے دل میں لقب نہیں لگاتے۔ فرامین رسول کو سامنے رکھو اور اپنے
دلوں کو خود ٹٹو لو۔ اپنا محاسبہ خود کرو۔ اپنی منزل کا تعین خود کرو۔ محمد عربی کی اہل بیت
ایک معیار ہے اور یہ معیار خود رسول صادق نے مقرر فرمایا ہے۔ اپنے دلوں کی
کیفیت اس معیار پر وزن کرو۔ اہل بیت کی محبت میں مرنے کا مطلب ہے اُن کی محبت
میں فنا ہونا۔ تمام اولیاء کرام محبت اہل بیت اطہار میں فنا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے
کہ اُن کے مزارات ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بن جاتے ہیں۔ جنت کے قطعات بن
جاتے ہیں اور وہاں پر ہر وقت خدا تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
کا دوست بننا ہے تو اہلبیت مصطفیٰ کی محبت میں فنا ہو جاؤ۔

یہی وہ گھر ہے جہاں سے پروانہ نجات ملے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی محبت
واجب قرار دی گئی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی پاکیزگی اور طہارت پر قرآن نے ہر لگا دی
ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سفینہ نجات ہیں۔ ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو غرق ہو جاؤ گے
تاجدارِ صِدِّیقِ اکبر کا فرمان ہے۔ میری اہل بیت سے محبت نہیں رکھو گے
تو تمہارے اعمال بیکار ہو جائیں گے۔ ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہاری عبادتیں
ضائع ہو جائیں گی۔

محمدؐ عربی کا امتی کہلانا ہے تو اپنے پیغمبر کا حق پہچانو۔ اُن کی اہل بیت کا
احترام کرنا سیکھو۔ اُن کی عزت کرو۔ اُن سے عقیدت و محبت رکھو۔ اللہ تعالیٰ تم سے
اُن کی موت طلب کرتا ہے عناد اور بغض نہیں مانگتا۔ اُن کی شان بیان کرنے سے
پہلو تہی نہ کرو۔

اہل بیت کی شان بیان کرنے سے دوسروں کی شان میں کمی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ ان کی اپنی شان ہے دوسرے ذیشان حضرات اپنی شان کے مالک ہیں۔
مقابلہ اور موازنہ نہ کیا کرو۔ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرنے سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کم نہیں ہوتی۔ البتہ دوسروں کی تنقیص کرنا حرامِ عظیم ہے۔

صحابہ کرام کی غلطیاں نکالنا اور ان کو سب و شتم کرنا بھی جرمِ عظیم ہے۔ یہ ایسا گناہ ہے جس کی معافی نہ خدا دے گا اور نہ رسول اور نہ ہی اہل بیتِ مصطفیٰ معاف فرمائیں گے۔ اس لئے کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اہل بیتِ مصطفیٰ کی غلامی کا حق ادا کیا ہے۔ یہی تو وہ مقدس نفوس ہیں جنہیں رسولِ غیب دان نے منتخب فرمایا ہے۔

انتخابِ رسول میں خامیاں اور نقص تلاش کریں گے تو یہ براہِ راست رسولِ خدا پر حملہ ہوگا۔ نگاہِ مصطفیٰ کو غلط قرار دینا پڑے گا۔ اگر نگاہِ حسین میں غلطی کا امکان نہیں تو پھر نگاہِ مصطفیٰ میں غلطی کا امکان کیسے ہوگا۔ اہل بیتِ محمد سے پیار کرنا ہے تو محمدِ عربی سے بھی پیار کرنا پڑے گا۔ اُس کے انتخاب سے پیار کرنا پڑے گا۔ اُس کے اہباب سے پیار کرنا پڑے گا۔

شمعِ رسالت کی روشنی میں چلنے والے لوگ گمراہ نہیں ہو سکتے۔ نگاہِ مصطفیٰ کے نوازے ہوئے لوگوں پر تنقید گناہِ کبیرہ ہے۔ محمدِ عربی کے تربیت یافتہ اور مدینۃِ العلم کے شاگردوں پر بہتان لگانا حق و بیان اور ایمان و انصاف کا دامن چھوڑ دینے کے مترادف۔ اور احتیاط و سلامتی کا خون کر دینے کے برابر ہے۔ یہ لوگ خدا کے چنے ہوئے ہیں، محمدِ عربی کے پسندیدہ ہیں، خدا و رسول نے اُن سے راضی ہونے پر مہر لگا دی ہے پھر ہم اُن سے ناراض کیوں ہوں۔ خلافتِ بلا فصل اگر حضرت علی کو اللہ و جبرائیل کیلئے مخصوص ہوتی تو یقیناً انہیں مل جاتی۔

خلافت کرنے والے اگر غلط لوگ ہوتے تو حیدرِ کرار ضرور اُن سے ٹکرا جاتے۔

اگر حسین اپنے حق کے حصول کے لئے میدانِ کربلا کو لالہ زار بنا سکتے ہیں اور یزید حکومت کو غیر اسلامی قرار دے سکتے ہیں تو فاتحِ خیبر بھی یہ اقدام مزور کرتے۔ حضرت

علی شیر خدا تھے صاحب ذوالفقار تھے، وہ اپنا حق وصول کرنا چاہتے تھے۔ اُن کا حق غصب نہ کرنے کی طاقت کس میں تھی۔ علی غاصبوں کو کیسے معاف کر سکتے تھے۔ علی کا حق ہوتا تو وہ لے لیتے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اہل اسلام کا فیصلہ آپ نے قبول کر لیا۔ علی غلط بات کو کیسے قبول کر سکتے تھے۔ علی تو حق کے ساتھ تھے اور حق علی کے ساتھ تھا۔ علی کے فیصلے پر تنقید نہ کرو۔ علی کا فیصلہ خدا کا فیصلہ ہے اور خدا کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ علی آپسے حق کی خود حفاظت کر سکتے تھے۔ ہم تیرہ صدیاں بعد اُن کا حق محفوظ کرنے والے کون ہیں۔ اُن حکمتوں کو سمجھو جو ترتیب خلافت میں مضمحل ہیں۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پہلی خلافت مل جاتی تو دیگر اصحاب ثلاثہ خدمت قوم سے محروم رہ جاتے۔ زندگی کا ایک ایک سانس لوح محفوظ پر مرقوم ہے۔ ہر پیدا ہونے والے کو اپنے تعین شدہ وقت کے ساتھ اس دنیا کو خیر باد کہنا ہی پڑتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا سے پہلے تشریف لے جانا تھا۔ اُن کو پہلی خلافت مل گئی۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پہلے داعی اجل کو لبیک کہنا تھا اُن کو دوسری خلافت مل گئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیدر کتار سے پہلے جام شہادت نوش کرنا تھا اُن کو تیسری خلافت مل گئی۔ جناب علی المرتضیٰ کو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے تشریف لے جانا اُن کو چوتھی خلافت مل گئی۔

اب جب کہ آپ نے چوتھی خلافت کو قبول کر لیا ہے اور پہلی خلافت آپ کو ملی ہی نہیں تو پھر یہ کہنا کہ آپ خلیفہ بلا فصل یا خلیفہ اول ہیں، ایک مفروضہ نہیں تو اور کیا ہے۔

بحث کرنا ہمارا مقصد نہیں۔ ایک سیدھی سی بات عرض کرنا تھی وہ کر دی۔ شیر خدا مشکل کشا کو اگر چوتھی خلافت ملی تو اس سے آپ کی شان میں ذرہ بھی فرق نہیں آتا۔ پہلی خلافتیں بھی آپ ہی کے مشوروں سے قائم تھیں۔

یہ واقعہ آپ کو یاد ہو گا کہ حضرت علی پر سوال کیا گیا کہ پہلی خلافتوں کے وقت مسلمانوں میں وہ انتشار نہیں تھا جو آپ کی خلافت کے وقت ہے تو آپ نے فرمایا۔ اُن خلفاء کے مشورہ سے ہم تھے اور یہ انتشار خود تمہارے مشورے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مشورے سے

پہلے خلفاء سے ربط و تعلق کا اندازہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔

حیدر کرار خلیفہ اول ہوتے یا خلیفہ چہارم بنے۔ حیدر کرار ہی ہیں۔ اُن
جو عظمت و رفعت جو شان امام الانبیاء کی زبان فیض ترجمان سے بیان ہو چکی ہے اس میں
کچھ بھی فرق نہیں آسکتا۔

عَلٰی وہ ہیں جن کی ولادت بھی خدا کے گھر میں ہوئی اور شہادت بھی خدا کے گھر میں ہوئی۔

کے! مہبت نہ شد! اس سعادت

بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

عَلَى وَهِي جَنَابِ يَهْدِي كَوْنَهُ عِبَادَتِ هِيَ - السُّبْحَانِي وَجِبْ عَلِي عِبَادَتِ -

عَلَىٰ وَهِيَ حِينَ كُنَّا نَسْتَعِذُّكَ بِأَن تَكُونَ لَنَا مِثْلَ مَا كَانَ لِآلِ عَادٍ - أَنْتَ أَخِي فِي الْهُدْيَا وَالْآخِرَةِ -

علی وہ ہیں جن کو اللہ کے رسول نے اپنی اہلبیت کہا، اپنی جان کہا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام الاولیاء سیدنا حیدرؑ کو ارمولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق فرمایا :-

إِنَّمَا دِينَةُ الْعِلْمِ وَعَنْ بَابِهَا -

إِنَّا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلَى بَابِهَا -

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَعَلَيْكَ مَوْلَاكَ۔

أَنْ عَلَيَّ مِثِّي وَأَنَا مِنْهُ وَهُوَ

وَلِيَّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ بَعْدِي -

عَلَيَّْ مِنِّْي وَأَنَا مِنْ عِبْدِ حَمْدِ الْحَمْدِ

وَدَمْعُهُ مِنْ دَرَجِي

ہم علم کا شہر ہیں اور علم اس کا دروازہ ہیں۔

ہم حکمت کا گھر ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں

جنس کے ہم مولا ہیں اُس کے علی مولا ہیں۔

علی ہم سے ہیں اور ہم علی سے ہیں اور وہ ہمارے

بعد تمام مومنوں کے ولی ہیں۔

علی ہم سے ہیں اور ہم علی سے ہیں۔ علی کا گوشت

ہمارا گوشہ۔۔۔ اوسلی کا خون ہمارا خون ہے۔

له المستدرك حاكم $\frac{14}{4}$ اصول الحق مخرقه 123 ينابيع المودة $\frac{103}{4}$ نور الابصار 8

۱۰ الاستیعاب مع اصا ب ۹ ریاض النظره ۲۵۵ ۳ ترغی ۶۷ ریاض النظره ۲۵۵ ۴ سند احمد ۳۳۰ ۵ ۳۸۲ ۶

ترندی $\frac{۹۳۱}{۲}$ ریاض النظره $\frac{۲۲۲}{۲}$ مسند احمد $\frac{۴۳۸}{۲}$ ، $\frac{۳۵۶}{۵}$ ترندی $\frac{۱۳}{۲}$ بینایج الموده صلیه بخاری کتاب $\frac{۱۳}{۲}$

کتاب ۹ تمزی ۶۳۲ طنقات ابن سعد

بِحَبْلِ مَتَى بِمَنْزِلَةٍ دَائِمَةٍ مِنْ جَنَّتِي
 إِنَّا وَ عَلِيٍّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ
 أَنَا وَ عَلِيٍّ مِنْ شَجَرٍ وَاحِدٍ
 أَنَا صِدِّيقُهُ الْعِلْمُ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا وَ لَنْ
 تَوُقِيَ الْمَدِينَةَ إِلَّا مِنْ قَبْلِ الْبَابِ -

علی اور ہم ایسے ہیں جیسے سر اور تن
 ہمارا اور علی کا نور ایک ہے۔
 ہم اور علی ایک درخت سے ہیں۔
 ہم علم کا شہر ہیں اور علی اُس کا دروازہ۔ اور
 نہیں کوئی آئے گا شہر میں مگر دروازے سے
 پہلے۔

عَلَى مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ -
 عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ -
 لِكُلِّ نَبِيٍّ وَبَنِيٍّ وَ دَارَتْ أَنَّ عَلِيًّا وَ مَنِيٍّ
 وَ دَارَتِي -

علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ
 علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ۔
 ہر نبی کا وارث اور وصی ہے اور ہمارے
 وارث و وصی علی ہیں۔

امام مدجہان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام الادب سیدنا حیدر کثرار رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:-
 أَنْتَ سَيِّدُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ -
 أَنْتَ كَلُوكَ بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ وَ مَوْسَى
 وَلَا بَنِيَّ بَعْدِي -

تم دنیا اور آخرت کے سردار ہو۔
 تم مجھے ایسے ہو جیسے ہارون اور موسیٰ
 مگر میرے بعد نبی نہیں
 تم میری امت کے امام اور میرے وصی ہو۔
 فرمایا تم دوزخ اور جنت کو تقسیم کر دو گے ہو۔
 اور وہ جھوٹا ہے جو ہمارے ساتھ محبت کا

أَنْتَ إِمَامُ أُمَّتِي وَ وَصِيَّ -
 فَقَالَ أَنْتَ تَقْسِمُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ -
 وَ كَذَبَ مَنْ زَعَمَ أَنْ يَحْبِيَنِي وَلَا

۱۔ ریاض النظرۃ ۱/۲ صواعق محرقة ص ۱۲۵ ۲۔ ينباع المودة ص ۳۵ ۳۔ صواعق محرقة ص ۱۲۲
 ۴۔ ينباع المودة ص ۳۵ ۵۔ صواعق محرقة ص ۱۲۳ ۶۔ ينباع المودة ص ۳۵
 ۷۔ ينباع المودة ص ۹ ۸۔ المستدرک ۱/۲۸ ۹۔ ریاض النظرہ ۲/۳۴ ۱۰۔ ترمذی ۶/۶۱
 طبقات ابن سعد ۳/۳۳۰، ۳/۳۳۸، ۳/۳۶۹ مسند طیبانی ص ۲۰۵، ۲۱۳
 مسلم مترجم ۱/۱۵۰۹ بخاری مترجم ۵/۵۲۵ ۱۱۔ ينباع المودة ص ۱۵۳ ۱۲۔ صواعق محرقة ص ۹۴
 ۱۳۔ ينباع المودة ص ۱۵۳

- انت منی وانا منک لحمک
لحمی ملک من دمی وروحک من
رہی و سریرتک من سریرتی
وعلائتک من علائتی۔

وہی کہتا ہے اور تمہارے ساتھ محبت نہیں
کرتا۔ تم ہم سے ہو ہم تم سے ہیں تمہارا گوشت
ہمارا گوشت اور تمہارا خون ہمارے خون
سے ہے۔ تمہاری روح ہماری روح سے
ہے۔ تمہارا مجید ہمارے مجید سے ہے
اور تمہارا اعلان ہمارا اعلان ہے۔

پھر صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر ارشاد سرورِ کوہِ نین ہے۔

ہذا المقبل حجتی علی امتی یوم
یہ مقبل ہیں اور میری امت پر قیامت کو
میری حجّت ہیں۔

القیامۃ
ہذا استبد المسلمین وامام
المتقین وقائد الخیر المجہدین ویصوب
الدین۔
یہ مسلمانوں کے سردار متقیوں کے
امام سفید منہ ہاتھ والوں کے سردار اور
یصوب الدین ہیں۔

آپ نے ابا بزرہ صحابی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ میرے پروردگار کی طرف سے
علیؑ کے لئے فرمایا گیا ہے کہ۔

انہ رائۃ الہدیٰ و منار
الایمان وامام اولیائی و نور جمیع
من اعطانی۔ یا ابا بزرہ علی ابن ابی
طالب امینی عدا فی القیامۃ وصاحب
الرائۃ فی القیامۃ۔ علی مقایف
خزائن رحمۃ ربی من احب
احبنی ومن البغض البغضنی۔
یہ ہدایت کے علمبردار ہیں، منارِ الایمان
ہیں، امام اولیاء ہیں اور وہ تمام نور ہیں جو ہمیں
عطا کیا گیا۔ اے ابا بزرہ علی ابن ابی طالب
قیامت کے دن ہمارے امین ہوں گے۔
اور قیامت کے دن ہمارا پرچم اٹھانے
والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت
کے خزانوں کو کھولنے والے ہوں گے
ان کی محبت ہماری محبت اور ان کا بغض
ہمارا بغض ہے۔

آپ نے فرمایا ہمارے بعد نبوت کا دروازہ تو بند ہے مگر تمہیں سات ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو کسی اہل قریش کے پاس نہیں۔

تم ان میں سب سے پہلے اللہ کے ساتھ ایمان لانے والے ہو اور اللہ کا عہد پورا کرنے والے اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے والے ہو، اور ان میں برابر تقسیم کرنے والے، رعیت میں انصاف کرنے والے اور معاملات میں زیادہ بصیرت رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے

نزدیک زیادہ خوبیاں رکھنے والے ہو۔

أَنْتَ أَوَّلُهُمْ إِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَأَوْفَاهُمْ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَقْوَمُهُمْ بِأَمْرِ اللّٰهِ وَأَقْسَمُهُمْ بِالسُّوْيَةِ وَأَعْدَلُهُمْ فِي الرِّعْيَةِ وَأَبْصَرُهُمْ بِالْقَضِيَةِ وَأَعْظَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَرْيَةً

امام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”قضا“ کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا جس کا نو حصے علی کو عطا کر دیا گیا اور باقی ایک حصہ ساری دنیا کو دیا گیا۔

قیمت الحکم عشرة اجزاء
فأعطى على تسعة اجزاء والناس
جزاً واحداً۔
علم قضا کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا۔
پس نو حصے حضرت علی کو عطا فرمایا اور ایک
حصہ باقی دنیا میں تقسیم کر دیا گیا۔

یہی وجہ تھی حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والے تمام صحابہ کرام میں کوئی نہیں تھا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ کا حل آپ ایک لمحہ میں نکال لیتے تھے۔ آپ سے پہلی خلافتوں کو جب بھی کوئی مشکل امر پیش آتا۔ دین کا فیصلہ ہو یا دنیا کا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہی رجوع کیا جاتا

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فیصلہ کرنے میں ہماری مدد نہ فرماتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ سیدھے راستے پر چلنے کے لئے اپنا مہدی دہادی علی کو بنائے رکھنا۔ یہ تمہیں صراط مستقیم کی طرف لے کر چلیں گے۔

۱۷ حلیۃ الاولیاء ۶۸ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ۶۶

۱۸ حلیۃ الاولیاء ۶۵

قال ان تو لو علیاً ہا دیا مہدی یا یسلک بکم الطريق المستقیم۔
حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن سات قرأت میں نازل ہوا۔ ہر قرأت کا
کا ایک ظاہر اور باطن ہے اور کوئی قرأت یا حرف ایسا نہیں جس کے ظاہر و باطن سے علی
واقف نہ ہوں۔

عن عبداللہ ابن مسعود۔ قال! ان القرآن انزل علی سبعة احرف
ما منها حرف الا له ظہر و بطن وان علیاً ابن ابی طالب عندہ علم
الظاہر والباطن۔

سیدنا تہذیب کرار کے علم کا احاطہ کون کر سکتا ہے جبکہ نص حدیث سے ثابت ہے
کہ آپ مدینۃ العلم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ ہیں۔ آپ کی کرامت و
بزرگی اور عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

صیور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا
یا معشر الانصار! لا اذتکم علی ملین تمسکم بہ لن تضلوا بعدہ
ابداً

یعنی اے گروہ انصار! ایک ایسی بات بتائیں کہ اگر تم اس کا دامن ہاتھ میں رکھو
تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔
قالتوا بلی! یا رسول اللہ۔ انھوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! تو امام الانبیاء
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ہذا علی فاجتوبہ بحبی واکملوا بکرامتی فان جبریل امرفی
بالذی قلت لکم من اللہ عز و جل

یہ علی ہیں ان سے محبت کرو مگر محبت کے ساتھ اور ان کا اکرام کرو میرے اکرام
کے ساتھ اور میرے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں پہنچا رہا ہوں جو مجھے جبریل نے بتلایا ہے۔
امام الانبیاء تاجدار مدینۃ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں
جہاں جہاں بھی یا ایہا الذین آمنوا فرما کر خدا تعالیٰ نے ایمانداروں کو مخاطب فرمایا ہے

رہیں وہ بھی پورا ان مومنوں کے امیر اور سردار سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔
 قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - ما انزل اللہ آیتہ فیہا یا ایہا
 الذین آمنوا الا وعلی راسہا واسیوہا۔

ایک دن حضور نے وضو فرماتے ہوئے حضرت انس کو فرمایا کہ اب جو سب سے پہلے اس
 دروازے سے آئے گا وہ مومنوں کا امیر، مسلمانوں کا سردار، سفید منہ ہاتھ والوں کا قائد
 اور وصیوں کا خاتم ہوگا۔ حضرت انس انصار تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا اللہ کسی انصار کو
 بھیج دے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تشریف لے آئے۔ آپ نے انس کو فرمایا:-
 ”اے انس یہ ہے وہ شخص عی عربی من ہے۔“

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - یا انس ! اول من یدخل
 علیک من ہذا الباب - امیر المؤمنین و سید المسلمین و قائد القر المحجلین
 و خاتم الوصیین - قال انس ! قلت اللہم اجعلہ رخلًا من الانصار کتمتہ
 اذ جاء علی فقال ! من ہذا یا انس !

بہر نوع! سیدنا و مرشدنا حضرت علی علیہ السلام کی سرداری اور سلطانی مسلمات میں
 سے ہے۔ آپ کی شان بیان کرنے کے لئے تو ہزاروں دفتر بھی ناکافی ہیں، پھر ان
 چند اوراق میں کیا عرض کیا جاسکتا ہے، بندہ نے آپ کی سیرت بمقدسہ پر کتاب
 مشکل کشا تصنیف کی ہے جو چار ضخیم جلدوں میں تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور
 بحمد اللہ اس کی پہلی جلد چھپ بھی چکی ہے مگر بایں ہمہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ
 ان کی توصیف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا۔

پھر یہ چند صفحات کس شمار و قطار میں ہیں۔ آپ کی جنگوں کو دیکھیں تو یوں معلوم ہوتا
 ہے کہ آپ جیسا بہادر دنیا میں کسی مال نے جتنا ہی نہیں۔ ان کے فقر و فاقہ کو دیکھیں تو یوں
 لگتا ہے کہ ان جیسا صابر و شاکر دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام الانبیاء
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت نے علی کو وہ کچھ بنا دیا تھا جو دوسرا کبھی بن ہی نہیں سکتا۔
 آپ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے تمام خوبیاں خداوند قدوس سے لیکر محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کی جھولی میں ڈال دی ہیں۔ علی بدر و احد میں ہوتے ہیں تو ان کی تلوار کی کاٹ دیکھ کر ہاتھ غلیبی پکارتا ہے۔

لَا فَتَى إِلَّا عَلِيٌّ لَا يَنْفِكُ إِلَّا ذُو الْفَقَامِ

خیبر کا قلعہ المقوم فتح نہیں ہوتا تو امام الانبیاء فرماتے ہیں۔ ہم آج اُس کو پرچم اسلام دیں گے جس کے ہاتھ پر یہ قلعہ فتح ہو جائے گا اور وہ شخص اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُس کا رسول اُس سے محبت کرتے ہیں اور پھر حنبذ اعلیٰ کو عطا فرما دیا جاتا ہے۔ اور علی پھر خیبر کے دروازے کو اس طرح اکھاڑ پھینکتے ہیں جیسے کاغذ کا بنا ہو۔ حالانکہ چالیس شہر و در صحابی اُس دروازہ کو ہلا بھی نہ سکے اور علی نے اُسے ڈھال بنا رکھا تھا۔ مرحب کے ٹکڑے اڑا دینے والے علی جب جنگ احزاب (خندق) میں عمر ابن ود کے مقابلہ میں جلتے ہیں تو امام الانبیاء نے فرمایا مکمل ایمان مکمل کفر سے ٹکرانے والا ہے۔ اور پھر حب علی کی تلوار نے سینکڑوں بہادروں پر بھاری عہد و کی گردن اتار کر پھینکی و سرور کائنات نے فرمایا علی کی عہد و کو قتل کرنے کی ایک نیکی تمام جنوں اور انسانوں کی عبادات سے افضل ہے۔

بہر صورت فرامین مصطفیٰ کا حال یہ ہے کہ علی سے محبت کرو علی سے محبت کرنا مصطفیٰ سے محبت کرنا ہے۔

علی سے بغض رکھنا امام الانبیاء سے بغض رکھنا ہے، علی کو گالی دینا امام الانبیاء کو گالی دینا ہے۔ علی سے محبت کرنا ایمان کی نشانی اور علی سے بغض منافقت کی نشانی ہے۔

مَنْ رَكَبَ مَحَبَّةَ عَلِيٍّ مِنْ مَوَدِّنٍ أَوْ مَنِّينٍ

رَكَبَ مَحَبَّةَ عَلِيٍّ مِنْ مَكْرَمَةٍ

جس نے علی کو گالی دی تو اُس نے نبی کو گالی دی
علی اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور
اللہ و رسول علی سے محبت کرتے ہیں۔

علی نبی کا دنیا و آخرت میں ولی ہے۔

لَا يَحِبُّهُ إِلَّا الْمُؤْمِنُ وَلَا يَغِيضُهُ إِلَّا مُنَافِقٌ

مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّ النَّبِيَّ
عَلِيٌّ يَحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ يَحِبُّانِي

عَلِيٌّ وَلِيُّ الْبَرِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

علی کے فضائل کا حصرو احاطہ کون کر سکتا ہے۔ علی اللہ کی تیغ مسلول ہے، علی مرد مقبول ہے، علی نفس رسول ہے، علی زوج بتول ہے، علی کا دوست خدا کا مقبول ہے۔ علی کا دشمن مرتد و مجہول ہے۔ علی امیر المومنین ہے۔ علی امام المستقین ہے۔ علی شفیع المذنبین ہے۔ علی خلیفۃ المسلمین ہے۔ علی وسیلۃ دنیا و دین ہے۔

علی مصطفیٰ کی جان ہے۔ علی منار الایمان ہے۔ علی معرفت کا آسمان ہے۔ علی شمع عرفان ہے۔ علی گلشن محمد کا باغبان ہے۔ علی کی محبت روح اسلام اور جان ایان ہے۔ علی خدا کی برہان ہے۔ علی خدا کی شان ہے۔ علی اسلام کی آن بان ہے۔ علی محمد کا پہلوان ہے۔ علی ناطق قرآن ہے۔ علی حافظ قرآن اور جامع قرآن ہے۔ علی کی شان محمد کی شان ہے۔ علی ادبیاء کا سلطان ہے، علی صداقت کا نشان ہے۔

علی اولیاء کا امام ہے۔ علی کا کلام محمد کا کلام ہے۔ علی بیان اسلام ہے حق کا امام ہے ہر ولی علی کا غلام ہے۔ علی کے ہاتھوں میں ولایت کا نظام ہے۔ علی کا لقب کاسررہ صنام ہے۔ علی کا قبولیت الحرام ہے۔ علی کا احترام محمد کا احترام ہے۔ علی کی سلطنت سلطنت دوام ہے۔ دونوں عالم میں علی کا فیض عام ہے۔ اللہ کے نام سے علی کا نام ہے۔ عقول سے بالا علی کا مقام ہے۔ علی نفس خیر الانام ہے۔ علی کا ذبیحہ قاطع آلام ہے۔ علی کی محبت معرفت کا جام ہے۔ علی کا دشمن وَلَدُ الْحَرَامِ ہے۔

علی کی نیارت خدا کی عبادت، علی کی معرفت خدا کی معرفت۔ علی کی محبت نبی کی محبت۔ نبی کی محبت خدا کی محبت، خدا کی محبت رستہ جنت۔ علی سے محبت کرو اس لئے کہ جنت علی کی ہے۔ علی کے دشمن ریحۃ جنت حرام ہے

عجب شان معالیٰ ہے علی دا۔ عجب حسن تجلی ہے علی دا

میں صائم ایس لٹی جیدرتوں منگداں علی اللہ دا اللہ ہے علی دا

شرف و کرامت کا معیار لغوی و طہارت پر رکھا جائے تو علی کی طہارت پر قرآن کی مہر

ثبت ہے۔ شرف بزرگی کا ایک اور معیار علم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ارشاد فرمایا:-

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ہم زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والے ہیں

فرشتوں نے کہا کیا تو اس کو نائب بنائے گا جو فساد پھیلاتے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔

(ہم تیری تسبیح پڑھتے ہیں، حمد کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں)

نَحْمَدُکَ یَا اَبَدِیُّ

تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اور آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرما کر فرشتوں پر سوال کیا اَنْ یَّبْغُوْنِیْ بِاَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔

فرشتوں نے اس مرت اظہارِ عجز کیا۔

قَالُوْا مَبْتَغِْ لَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا یَا اِلٰہَہِمْ تَرٰنَا ہِیْ جَنَاتُہِمْ
نے ہمیں سکھایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بات ہے تو پھر اسے سجدہ کرو۔ وَاِذْ قُلْنَا
لِلْمَلٰٓئِکَةِ السُّجُوْدَ وَا۔ پھر سوائے شیطان کے سب نے سجدہ کر دیا۔ بہر صورت
علم کو دلیل کے طور پر پیش کر کے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آدم کی بزرگی کا اعتراف کروایا۔
اور اگر قرآن کا یہ معیار درست ہے تو پھر شانِ حیدرِ کبریا کا اندازہ کون کر سکتا ہے جسے محمد عربی نے
علم کے شہر کا دروازہ کہا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

بیر علم قرآن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے

کے مقابلہ میں قرارہ۔ فرمایا مشغبر ایک بحرِ ناپید اکا رہے اور قرارہ ایک گڑھا

علی بالقراۃ فی علو علی، قال القراۃ فی الغیر الصغیر والمتنجر البعر

یہی نہیں بلکہ جناب عبداللہ ابن عباس نے فرمایا۔ رسول اللہ کا علم اللہ کے علم سے ہے

اور علی کا علم علمِ رسول اللہ سے ہے اور ہمارا علم علی سے ہے۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَلِمَ

رَسُولُ اللّٰہِ مِنْ عِلْمِ اللّٰہِ وَعِلْمُ عَلِیٍّ مِنْ عِلْمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَرَسُوْلٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلِیٌّ مِّنْ رَّسُوْلِہِ

آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا علم اور تمام صحابہ کرام کا علم حضرت علی کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہے

جیسے سات سمندروں میں سے ایک قطرہ

وما علی وعلو صاحب محمد فی علو علی الا کقطرة فی سبعة البعرة اشرف الموبدات

بعد تلاش نہ کچھ وسعتِ نظر سے ملا

نشانِ منزل مقصود را ہیر سے ملا

نبی ملے تو خانہٴ خدا سے ملے

خدا کو ڈھونڈا تو وہ عسلی کے گھر سے ملا

بحر نبوت کے دو موتی

بلغے رسالت کے دو پھول

نانا ہوں سید الانبیاء، نانی ہوں خدیجۃ الکبریٰ، باپ ہوں سید الاولیاء، ماں ہو سیدۃ النساء
تو بیٹے پیدا ہوتے ہیں سید الشہداء۔ بنیٰ کا نور، علی کا خون اور فاطمہ کا دودھ ایک جگہ مل جاتے تو
بننے ہیں حسن اور حسین۔ آیت کریمہ مرج البحرین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان دونوں دریاؤں سے
مراد علی اور فاطمہ ہیں اور ان دو دریاؤں سے جو موتی موزگ پیدا ہوتے ہیں وہ حسن و حسین ہیں
(۱) (مَرْجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ) قَالَ عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ (بِرَزْخٍ لَا يَبْغِيَانِ) صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ (يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللَّوْكُ وَالْمَرْجَانُ) قَالَ الْحُسَيْنُ وَ
الْحُسَيْنُ۔ دو دریا علی و فاطمہ ہیں۔ برزخ حضور اور موتی حسن و حسین ہیں۔

(۲) اسی بحر نبوت من فاطمۃ و بحر الفتوة من علیٰ بینہما حاجرا من
تقویٰ فلا یبغیٰ فاطمۃ علیٰ علی ولا یبغیٰ علیٰ علی فاطمۃ (یَخْرُجُ مِنْهُمَا
اللَّوْکُ وَالْمَرْجَانُ) هُوَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ۔

بحر نبوت فاطمہ، بحر فتوت علی اور درمیان میں برزخ یا خجاب تقویٰ ان سے جو موتی
پیدا ہوئے وہ حسن و حسین ہیں۔ ان تہزادگان عالی وقار کے عزت و احترام اور
حاجت و شان کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کی والدہ محترمہ کا نام فاطمۃ الزہرا ہو جس کی شان بتول
اور لقب خاتونِ جنت اور خاتونِ قیامت!

کون خاتونِ قیامت! جس کا لقب زہرا اور زہرا ہے۔ زہرا کلمی کو بھی کہتے
ہیں اور ضیاء کو بھی۔ رسولِ معظم فرماتے تھے میری بیٹی سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ آپ جنت
کی اس کلمی کو سونگھا کرتے تھے۔

فَکُنْتُ اِذَا اشْتَقْتُ لِوَاخَةِ الْجَنَّةِ شَمِيتُ رَقِیْتُ فَاطِمَةَ (نور البصار ص ۴۵)

کون خاتونِ قیامت! جس کی سواری میدانِ محشر میں آئے گی تو نادی کر دی
جائے گی کہ اے اہلِ محشر اپنی نگاہیں نیچی کر لو محمد کی بیٹی کی سواری گزرنے والی ہے۔

يَا أَهْلَ الْجَمْعِ غَضُّوا الْبَصَارُكُمْ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ حَتَّى تَمُرَ - (مسند الغابہ)
۵۲۳ خصال کبریٰ ص ۲۵

کون خاتون قیامت! جس کی سواری ستر نرار حوروں کے بھر میں پھیلا
سے ایسے گزر جائے گی جیسے بجلی کو گزر جاتی ہے۔

تَمُرُ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ مَعَ سَبْعِينَ أَلْفَ جَارِيَةٍ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ كَرَّ الْبُوقِ
(خصال کبریٰ ص ۲۲۵)

کون خاتون قیامت! جو اپنے باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے
جنت میں تشریف لے جائیں گی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ وَأَوَّلُ مَنْ
يَدْخُلُهَا وَبَعْدَهَا ابْنَةُ فَاطِمَةَ (خصال کبریٰ ص ۲۲۵)

کون خاتون قیامت! جو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔ فاطمہ
سَيِّدَةُ النِّسَاءِ أَهْلُ الْجَنَّةِ۔

کون خاتون قیامت! جن کے اپنے اور شوہر کے مسکرانے سے جنت
ایسے روشن ہو جائیگی جیسے آفتاب طلوع ہو جاتا ہے۔

بَيْنَهُمَا أَهْلُ الْجَنَّةِ إِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُورٌ أَفْظَنُوا شَمْسًا - فَيَقُولُ رِضْوَانُ
لَهُدَا فَاطِمَةَ وَعَلَى فَضْحِكَ اشْرَقَتِ الْجَنَانُ مِنْ نُورِ ضَعْفِهَا۔

کون خاتون قیامت! نبی کی اولاد پر خدا تعالیٰ نے جہنم حرام فرما دیا ہے۔

إِنَّ فَاطِمَةَ تَخَصَّصَتْ فَرَجَهَا فَحَرَّمَ اللَّهُ فَرْجَهَا عَلَى النَّاسِ (المستدرک ص ۱۵۲)

کون خاتون قیامت! جس کے حب داروں کو جنت کے ٹکٹ عطا کئے
جائیں گے۔ آپ کی شادی کے وقت رضوان نے طوبی کو بلایا تو مجتبان اہل بیت کی تعداد کے
مطابق پتے گرے۔ رقاعا بعد محبی اہل بیٹی۔ اور وہی قیامت کے دن جنت
کے ٹکٹ بن جائیں گے۔

فَإِذَا سَوَّيْتُ الْقِيَامَةَ بِأَهْلِهَا نَارُ الْمَلَائِكَةِ فِي الْخَلْقِ فَلَا يَبْقَى لِحَبِّ

۱۱ اہل البیت الا دفعت له صكافيه فكاله من الناس (صواعق محرقة ص ۱۵۲ نزهة المجالس ص ۲۲۶)

کون خاتون قیامت! جو جنت الفردوس میں مع اپنے شوہر اور اولاد کے

اسی مقام اور اسی محل میں قیام فرمائیں گی جہاں اُن کے آبا جہان ہوں گے۔

۱) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخذ بید حسن و حسین فقال من احبني و احب هذين و ابائهما و امهما كان معي في درجة يوم القيامة (مسند احمد ۱/۱۵۸)
 ۲) اني داياك و هذين و هذا الراقد في مكان واحد يوم القيامة (مسند احمد ۲/۴۲)
 ۳) آنحضرت بافاطمہ خطاب کر رہے تھے تو و علی و حسن و حسین در یک مقام و مکان خواہیم بود (اشعۃ اللمعات ۶۸۴)

کون خاتون قیامت! جسے ام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حور فرمایا ہے۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى رَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاسْلَمِ عَلٰى ابْنَتِيْ فَاطِمَةَ حُبًّا اَدْمِيَةً لَّمْ تَحْضُرْ وَلَمْ تَلْمُتْ۔

کون خاتون قیامت! جس کا لقب بتول ہے۔ اور بتول اُس کو کہتے ہیں جس نے عورتوں کے کسی مرض کو نہ دیکھا ہو۔ جو حیض و نفاس کی آلودگیوں سے منزہ اور پاک ہو۔ طیبہ اور طاہرہ ہو۔

البتول التي لم تر حمة قط اي لم تحض۔ عن اسماء قال قبلت فاطمة بالحسن فلم أر لها دما۔ فقلت يا رسول الله لم ار الفاطمة دما في حيض و لا نفاس۔ فقال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اما علمت ان ابنتي طاهرة مطهرة (نور الابصار ۱۱۹)
 کون خاتون قیامت! جو نور سے پیدا ہوئی اور جس نے پیدا بھی نور ہی کیا۔

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا (اعلیٰ حضرت بریلوی)
 کون خاتون قیامت! جس کا نام اقدس فاطمہ ہے اور فاطمہ اُس کو کہتے ہیں جو نجات دلانے والی ہو اور جو جہنم سے اپنے غلاموں کو آزاد کرانے والی ہو۔

و فاطمة كما قال ابن حديد۔ مشتقة من الفطم وهو القطع سميت بذلك لان الله تعالى فطمها عن النار و اخرج الريلبي مرفوعا۔ انها سميت فاطمة لان فطمها و محبها عن النار۔ (صواعق محرقة ۱۸۸ نور الابصار ۲۵)

کون خاتون قیامت! جن کے پردے کا احترام کرتے ہوئے ملک الموت اُن کی روح

قبض کرنے پر راضی نہ ہوا۔ اور پھر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے اُن کی رُوح قبض فرمائی
 لم نزل علیہا ملک الموت لم ترضی بقبضة الله روحها۔ (روح البیان ۲۲۷)

اُس بقول جگر پارہ مصطفیٰ، جملہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
 جس کا آنچل نہ دیکھا مہر نہ، اُس ردائے نزہت پہ لاکھوں سلام
 آبِ تلہیر میں جس کے پودے مجھے، اُس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
 سیدہ، زاہرہ، طیبہ، طاہرہ

حانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
 کون خاتونِ قیامت! جس کے حضور میں علامہ اقبال عقیقت بھول اسطرح پیش کرتے ہیں۔

مریم ازیک نسبتے عیسے عزیز
 نور چشمِ رحمتہ للعالمین
 از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
 آں امامِ اولین و آخرین
 بانوے آں تاجدارِ ہلالِ اقی
 مرقضی، مشککش، شیر خدا

مادرِ آں مرکزِ بہارِ عشق
 مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق

کون خاتونِ قیامت! جس نے اپنی ردائے مبارک فروخت کر کے سائل کا سوال پورا
 کر دیا۔ جو کئی بھی بیس رہی ہوتی اور تلاوتِ قرآن بھی فرما رہی ہوتی۔ محمدی اور ملائکہ جس کے فرمان کے
 منتظر تھے مگر اُس نے اپنی رضا کو رضا کے شوہر میں گم کر دیا تھا۔ کون خاتونِ قیامت! جو نماز پڑھتا
 تو آنکھوں سے اشک جاری ہوتے۔ کون خاتونِ قیامت! جس کے آنسوؤں کو جبریل موتیوں کی طرح
 چن کر شبِ نعم کی طرح عرشِ بریں پر بکھیر دیتا تھا۔

بہر محتاجے دلش آں گو نہ سوخت
 نوری دہم آتشی فرمانِ برش
 بامیہ دے چادرے خود را فروخت
 گم رضا نش در رضا کے شوہر ش
 آں ادب پروردہ صبر و رضا
 گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
 آسیا گردان و لب قرآن سرا
 گوہر افشان دے بدامان نماز

اشک او بر چید جبریل از زمین
 ہمجو شبِ نعم رخت بر عرشِ بریں

اس کے بعد اقبال کہتے ہیں کہ میرے پاؤں میں قانونِ خداوی کی زنجیر ہے اور رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا پاس ہے ورنہ میں سیدہ فاطمہ الزہرا خاتونِ قیامت کے مزار اقدس کا طواف کرتا اور آپ کی قبر انور پر سجدے کرتا۔

رشتہ آئین حق زنجیرِ پا است
پاسِ سرورِ جنابِ مصطفیٰ است
ورنہ گردے تر نقشِ گردیدے
سجدہ ہا بر خاکِ اُدِ پاشیدے

کون خاتونِ قیامت! جس کے نقشِ قدم پر چلی کہہی عورت عورت بن سکتی ہے۔ جسکے اسوۂ حسنی کو مشعلِ راہ بنا کر ہی مسلمان عورتیں اپنا صحیح مقام حاصل کر سکتی ہیں۔ جس کی سیرت سے سبق حاصل کیے ہی مسلمان مائیں مجاہد پیدا کر سکتی ہیں۔ اس لئے کہ بیٹوں کی سیرت ماں کی سیرت سے بنتی ماں بے پردہ ہو تو اولاد بے حیا ہوتی ہے۔ ماں کا کردار بلند ہو تو اولاد کا کردار بلند ہوتا ہے۔ ماں عبادت گزار ہو تو بیٹے ولی پیدا ہوتے ہیں۔ ماں سینما بین ہو تو بیٹے ایکٹر پیدا ہوتے ہیں۔

چال نیک ہو تو اولاد نیک پیدا کرتی ہے۔ ماں فاطمہ ہو تو بیٹے حسن و حسین پیدا ہوتے ہیں کیونکہ

سیرتِ سرزندہ از اُتھات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتول!
ہوشیار از دستبردِ روزگار
فطرت تو عبذبہ ہادار د بلند
تا حیفے شاخ تو بار آور
اگر بندے ز درویشے پذیری
جو ہر صدق و صفا از اُتھات
مادران را اسوۂ کامل بتول
گیر فرزندانِ خود را در کنار
چشم ہوش از اسوۂ زہرا بلند
موسم پیشیں بگلزار آور
ہزار اُمت ببرد تو نہ میری (اقبال)

اسلام کی بیٹی جب تک شہزادیِ اسلام ملکہ سلطنتِ عفت و عصمت سیدہ فاطمہ الزہرا خاتونِ قیامت کی حیاتِ طیبہ و طاہرہ کو نشانِ منزل نہیں بنائے گی منزل سے دور ہوتی جائیگی۔ عورتوں کی رہبر و نمائندہ ہے تو خاتونِ قیامت، سیکرِ شرم و حیا ہے تو خاتونِ قیامت، سیکرِ عفت و عصمت ہے تو خاتونِ قیامت۔

کون خاتونِ قیامت! جو زہرا بھی اور زہرا بھی، طیبہ بھی ہے اور طاہرہ بھی۔

نیرہ بھی ہے اور منقذہ بھی، منیرہ بھی ہے اور مطہرہ بھی۔ عتیقہ بھی ہے اور صدیقہ بھی، عفیفہ بھی ہے اور منیفہ بھی۔ عالمہ بھی ہے اور فاضلہ بھی۔ عابدہ بھی ہے اور زاہدہ بھی۔ ساجدہ بھی ہے اور اکبرہ بھی۔ کاملہ بھی ہے اور اکملہ بھی۔ عقیلہ بھی ہے اور عاقلہ بھی۔ ارمینہ بھی ہے اور آمنہ بھی۔ صابرہ بھی ہے اور شاکرہ بھی۔ ناصرہ بھی ہے اور منصورہ بھی، سعیدہ بھی ہے اور صادقہ بھی، راحمہ بھی ہے اور شاد بھی

ہاں ہاں وہی خاتون قیامت! جو معصومہ بھی ہے اور مخدومہ بھی۔ جو صائمہ بھی ہے اور
عاصمہ بھی۔ شفیقہ بھی ہے اور مشفقہ بھی۔ عظیمہ بھی ہے اور اعظمہ بھی۔ محسنہ بھی ہے اور اکرمہ بھی۔
محترمہ بھی ہے اور مکرمہ بھی۔ عالمہ بھی ہے اور معلمہ بھی۔ راضیہ بھی ہے اور مرضیہ بھی۔ ہاشمیہ بھی ہے اور
قرشبہ بھی۔ وسیلہ بھی ہے اور کفیلہ بھی۔ ناصحہ بھی ہے اور قاصدہ بھی۔

کون خاتون قیامت! جس کی تعریف کا حق نہ کوئی ادا کر سکتا ہے اور نہ ہی قیامت تک کوئی
ادا کر سکتا ہے۔

رنگ بہارِ باغ رسالت ہیں فاطمہؑ سرچشمہ ریاضِ ولایت ہیں فاطمہؑ
امیدگارِ حشر و قیامت ہیں فاطمہؑ دنیا میں وجہِ آیت رحمت ہیں فاطمہؑ
روحِ روانِ بہجت و جانِ مصطفیٰ آلِ عبا کی دوسری آیت ہیں فاطمہؑ

معصومیت پہ جن کی ہے حور و ملک کو ناز

نقد و متاعِ عہدِ نبوت ہیں فاطمہؑ

پہلا پھول کھلتا ہے

اس شہزادی ملکِ عفت و عصمت سیدہ فاطمہ الزہراءؑ کے گلشنِ ظہیر میں پہلا پھول کھلتا ہے
رمضان المبارک کی پندرہ تاریخ اور ہجرت کا تیسرا سال ہے۔

جبریل علیہ السلام دوبارہ رسالت میں حاضر ہوئے سلام عرض کیا۔ خداوندِ قدوس کی طرف سے
مبارکباد پیش کی اور ایک رشتی کپڑے کا منقش ٹکڑا آپ کے سامنے پیش کیا۔

جنت کے اُس کپڑے پر ایک تصویر تھی نہایت خوبصورت بچے کی تصویر۔ ایسی پیاری تصویر
جیسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کی اپنی تصویر ہو۔ آپ تصویر دیکھنے میں محو تھے اور
جبریل عرض کر رہے تھے۔ جن کی یہ تصویر ہے وہ بنتِ رسول کی گود میں تشریف لے چکے ہیں۔
گلستانِ نہرا میں پہلا گلِ قدس کھل چکا ہے۔ خداوندِ قدوس نے اُن کا نام بھی تجویز فرما دیا ہے۔
حضرت ہارون کے بیٹے کے نام پر، اُن کے بیٹوں کے نام شبیر و شبیر تھے ان کا نام شبیر ہے۔ اس کے
معنی حسن بھی ہوتے ہیں۔ تاجدارِ دو عالم نے یہ بشارت سنی تو آپ بے حد خوش ہوئے۔ آپ کے لبوں پر
مُسکراہٹ کھیلنے لگی۔ روحِ کائنات مسکرائی تو کائنات وجد میں آگئی۔ کونین میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔
جنت میں خوشیوں کے چٹمے اُبلنے لگے۔ محمدؐ پر ایک دوسری مبارکباد دینے لگیں۔ تمام عالم کیف و

ایک لمحہ استغناء ہے اس پر امام حسن المجتہدؑ کہہ رہے تھے۔

حُرو میں ڈوب گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مدینہ منورہ کی گلی گلی جگہ اٹھ اٹھی اور چہ کوہِ قسطنطنیہ ہو گیا ہو اور ہر مکان مسکرا رہا ہو۔

اسی عالم وجد و کیف میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے گھر تشریف لے گئے۔ جلے دیکھا تو حجرہ بتول میں ایک ننھا سا چاند طلوع ہو چکا ہے۔ امام الانبیاء کی اپنی تصویر وہی نقش و نگار، وہی ناک نقشہ، وہی مطلع الفجر پیشانی، وہی والضحیٰ رخسار، وہی مازناغ زرگسی آنکھیں وہی حسن و رعنائی، وہی نور و نگہت، وہی نزہت و لطافت۔ جناب آمنہؓ ہوتیں تو انہیں حضور کی تشریف آوری کا وقت یاد آجاتا۔

آمنہؓ کے چاند نے فاطمہؓ کے چاند کو گود میں اٹھالیا۔ دونوں چاند مسکرا رہے تھے۔ دونوں کی نگاہیں ملی ہوئی تھیں۔ فاطمہؓ کا چاند بار بار آمنہؓ کھول رہا ہے جیسے نانا جان سے کچھ مانگ رہا ہو حضور نے اپنا لعاب دہن نواسر کے منہ میں ڈال دیا۔ نواسر خوش ہو گیا جیسے نعمت کو نہیں مل گئی ہو۔ امام الانبیاء نے نواسر کے کان میں اذان و تکبیر کی آواز پہنچائی۔ حسن نام تجویز فرمایا اور بیٹی کی گود میں دے دیا۔ سات روز بعد عقیقہ کیا، ختنہ کیا، سر کے بال اتروائے اور اُن کے ساتھ چاندی وزن کر کے خیرات کر دی۔ امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے حالات سے آگاہی کیلئے ہماری زیر ترتیب کتاب الحسن المعروف "شہید زہر" کا مطالعہ کریں۔

دوسرا پھول کھلتا ہے

صبح کا وقت ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت ام الفضل زوجہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم نہایت پریشانی کے عالم میں دربارِ رسالت میں آتی ہیں آپ نے پریشانی کا سبب پوچھا۔

فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ افِي رَأْيْتِ حُلْمًا الْمُنْكَرَ الْبَلِيَّةَ - عرض کیا یا رسول اللہ میں نے رات کو بڑا پریشان کن خواب دیکھا ہے۔

قال! مَا هُوَ؟ آپ نے فرمایا اچھی جان بیان کر۔ قالت انه شديد - عرض کیا حضور بڑا شدید خواب ہے۔ قال - مَا هُوَ؟ فرمایا بیان تو کرو۔ قالت رأيت كأن قطعة من جسدك قطعت ووضعت في حجرى - عرض کیا! میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم کو کاٹ کر ایک ٹکڑا علیحدہ کیا گیا ہے اور پھر وہ ٹکڑا میری جھولی میں آگیا۔

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ خَيْرَ أُمَّةٍ فَاطِمَةُ الشَّاءُ اللَّهُ
عَلَيْهَا لَيَكُونُ فِي هَجْرَتِي -

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اچھی جان آپ نے بہت اچھا خواب دیکھا۔
الشَّاءُ اللَّهُ تَعَالٰی میری بیٹی فاطمہؑ کے گھر لڑکا پیدا ہوگا اور تو اُسے گود میں اٹھائے گی۔
"فولدت فاطمة الحين"۔ اور پھر شہزادی مصطفیٰ کی گود میں ۵ شعبان المعظم
ہجری کے چوتھے سال حسین آگئے۔

مملکت شہادت کا تاجدار اور گلستانِ فاطمہ کا دوسرا پھول تاجدارِ مدینہ کے جسم کا ٹکڑا
نانا جان نے شبیر اور حسین نام تجویز فرمایا۔ کان میں تکبیر و اذان کہی۔ حسین کے منہ میں اپنا مبارک
لُعَاب دہن ڈالا۔ ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کیا۔ سرِ مہال اُتروا کر چاندی وزن کی اور صدقہ دیدی۔
سیدہ فاطمہ الزہرا کے گھر میں دو چاند طلوع ہو چکے ہیں۔ گلشنِ علی میں دو پھول کھل چکے ہیں
چشمہ نبوت سے جاری ہونوالے دو دریاؤں کے دو درخشندہ موتی۔

سیرت حسین کا خاکہ

سلطنتِ روحانیت کے شہریار امام حسین کی سیرت طیبہ کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے
تو ہزاروں صفحات بھی کم ہیں اور اگر اجمالی طور پر چند جملوں میں بیان کرنا ہو تو یوں بیان کیا جاسکتا ہے
کہ حسین اپنے نانا کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ حسن و جمالِ مصطفائی کا روشن آئینہ تھے۔ سیرتِ
مصطفیٰ کا مظہر اتم تھے۔ آپ کا خلقِ خلقِ رسول تھا۔ آپ کی سیرت سیرتِ رسول تھی۔ آپ کا
کردار کردارِ رسول تھا۔ آپ کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، رہنا سہنا سب سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس جیسے اندر پر تو تامہ تھا۔ آپ گفتگو کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ انبیاء
کی آواز آرہی ہے۔ آپ حجرۂ بتول سے باہر آتے تو ایسا لگتا جیسے فاران کی چوٹیوں سے آمنہ کا
چاند طلوع ہو رہا ہے۔

آپ وہ آئینہ نور تھے جس میں جمالِ مصطفائی کا مکمل مشاہدہ کیا جاسکے۔ گفتار میں وہی
حلاوتِ شیرینی، کردار میں وہی نیکی و ہی نوار، چہرے پر وہی نور اور وہی تقدس، رفتار میں وہی
عظمت اور وہی وقار، سینے میں وہی خلوص کا موجزن بحرِ بیکنار، دلیں وہی جذبہٴ رحم و سخاوت،
آنکھوں میں وہی سرمہٴ مازع کی حمک، رخساروں پر وہی تجلیات و انوار، زلفوں میں وہی وافیٰ کی سیاہی

ہنگ میں رہی والنجم کی تابانی۔

الغرض شہزادہ کوین امام حسین صورت میں بھی نقشہ سید الثقلین تھے اور سیرت میں بھی آپ ہی کا جلوہ عین بین تھے۔ اہبارِ رسول کا پیگر لیکھنا ہونے والا امام حسین کو دیکھ لو۔ سنتِ مصطفیٰ کا پیگر دیکھنا ہوتا حسین کو دیکھ لو آپ جو دعوٰی اور خیر و نیک کے منبع تھے۔ یہ ناممکن بات ہے کہ سائل حسین کے دروازے پر آکر خالی چلا جائے۔ آپ کے خطبات و ارشاد میں وہ اثر آفرینی تھی کہ سامعین کے دل ہل جاتے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ حسین تلاوت فرماتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے کتابِ مقدس کا نزول ہو رہا ہو۔ آپ کے جو دوسخا، کرم و عطا، عبادت و ریاضت اور علم و حلم کے چند واقعات ملاحظہ کریں۔

سائل نوازی:- آپ کے دربار میں ایک سائل حاضر ہوا۔ آپ کے پاس پانچ توبے تھے اشرافیاں تھیں۔ آپ نے ساری اشرافیاں اُسے دے دیں۔

شاعر نوازی آپ کی خدمت میں ایک شاعر نے دو شعر لکھ کر بھیجے۔ چند لمحوں بعد اُس نے دو شعر اور لکھ کر بھیج دیئے جن میں اہل بیت کی سخاوت اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا گیا تھا۔ آپ نے دس ہزار مدھم عطا کر کے فرمایا کہ اگر تم جلدی نہ کرتے تو ہم اور بھی عطا کرتے۔

گلدستہ کی قیمت آپ کی ایک کنیز نے آپ کو گلہ ریحان کا گلدستہ پیش کیا تو آپ نے اُسے آزاد کر دیا۔ حضرت انسؓ نے کہا یا امام! آپ نے ایک گلدستہ کے عوض میں کنیز کو آزاد فرما دیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

اذ احیتیم بقتلہ فحقوا باحسن منھا۔ جو تمہیں دُعا دے تم بھی اُسے اچھی دُعا دو۔
امام عالی مقام ہمنوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ غلام کے ہاتھ سے گرم شروبے کا پیالہ گرا اور آپ کے سر پر پڑ گیا۔ آپ نے تادیباً غلام کو دیکھا تو اُس نے پھر دیا۔
والکاحین الفیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔ آپ نے فرمایا ہم نے تمہاری غلطی کو معاف کر دی اور تمہیں آزاد بھی کر دیا اور تمہارے اخراجات بھی ہمارے ذمہ ہیں۔

خلقہ القرآن آپ چار صد صحابہ کے جلو میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک اعرابی نے پوچھا آپ ابو طالب کے پوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! تو اُس نے حضرت علیؓ کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ صحابہ کو اس کی زبان بند کر دیں۔ لیکن امام عالی مقام نے انہیں روک دیا۔
امام زین العابدینؓ سے کس نے پوچھا! آپ کے والد کی اولاد کیوں قلیل ہے؟
آپ نے فرمایا جتنی سے اسے غلام سمجھ۔ مگر والد گرامی کو دنیا کا طوفان

رغبت تھی کب تھی اور وہ تین ہزار نفل ہر دن رات میں ادا فرماتے تھے۔

لاجوابی کا انعام ایک شخص نے امام کی خدمت میں عرض کیا میں نے رسول کریم سے سُن لیا کہ علیؓ تشریف
حاصل قرآن خوبصورت اور کریم مولیٰ کے سامنے اپنی حاجت بیان کرو آپ میں
یہ تمام صفات موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنی حاجت بیان کرو۔ اُس نے زمین پر تھکیر کر دیا۔ آپ نے فرمایا
تم ذہین آدمی ہو۔ میرے تین سوال ہیں۔ اگر ایک کا جواب دو گے میرے پاس یہ تھیلی ہے اس میں سے تیسرا حصہ
تمہارا۔ دو کا جواب دو گے تو دو حصے، تینوں کا جواب دو گے تو ساری تھیلی تمہاری۔ اُس نے دو سوالوں
کا جواب دے دیا تو آپ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ انسان کو کونسی چیز آراستہ کرتی ہے۔ اُس نے کہا علم۔
بشرطیکہ بروداری کے ساتھ ہو۔ اگر یہ نہ مل جائے؟ اعرابی نے کہا مال جس کے ساتھ کرم ہو
آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نکل جائے تو اعرابی کے بے بسی کے ساتھ بھجلا کر کہا کہ پھر اُسے بھلا جلادے
آپ نے اُس کی بے بسی دیکھی تو ہنس پڑے اور پوری تھیلی اُس کو عطا کر دی۔

فضائل حسین مقام حسین

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہزادوں کی فضیلت کون بیان کر سکتا ہے کتبِ تفاسیر و احادیث کو دیکھتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دنیا و جہان کی تمام فضیلتیں جمع کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دونوں کو عطا فرمادی ہوں۔

بلا مبالغہ جمالِ کبریائی کا مشاہدہ کرنا ہو تو آئینہ جمالِ مصطفیٰ میں کیا جاسکتا ہے اور اگر جمالِ مصطفیٰ کا نظارہ کرنا ہو تو آئینہ حسنِ حسنینِ کریمین میں کیا جاسکتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا عکس جمیل اور سپر تو کامل تاجدارِ مدینہ ہیں۔ اور تاجدارِ مدینہ کا عکس منور اور پُر تو حسین جناب حسن اور جناب حسین ہیں۔

ذات و صفاتِ خداوندی کے مظہر اتم حضور میں اور حضور کے مظہر اتم حسنین ہیں۔ ظہورِ ربوبیتِ خدا کی علت غائیہ جنابِ آمنہ کے لال ہیں۔ اور ظہورِ مصطفائی کا سبب خاص جنابِ فاطمہ کے لال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے معبود و یکتا ہونے کی شہادت تکہ کی گلیوں میں پتھر کھا کر نانہانے دی اور اس شہادت کی شہادت گلے پر خنجر بھرا کر اپنی شہادت سے نواسے نے کہ بلا میں دی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھروں کی بارش میں سجدے کئے۔ حسنین نے تہروں اور تلواروں کی بارش میں اس فرض کو ادا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظلِ خدا ہیں اور حسنین کریمین ظلِ مصطفیٰ ہیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں:-

معدوم نہ تھا سایہ شاہِ ثقلین !
اس نور کی حبسِ گاہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

(اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں)

اور یہ محض تمثیل کی بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علیہ السلام سر اقدس سے سینہ مبارک تک اور حضرت حسینؑ سینہ مبارک سے پاؤں تک سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل تشبیہ تھے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْحَسَنُ أَشْبَهَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ إِلَى الرَّأْسِ وَالْحُسَيْنُ أَشْبَهَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شہزادے جس طرح ظاہر میں آپ کی شباهت منورہ کی مکمل ترین تصویر تھے اسی طرح باطن میں بھی آپ کی مکمل و مکمل اور پورا پورا نقشہ تھے۔ جس طرح یہ دونوں صورتِ حضور کی یاد تازہ کر دیتے تھے اسی طرح معنا بھی آپ ہی کے فرائض کی تکمیل کرتے تھے۔

شہادت ایک عظیم مرتبہ اور منصبِ جلیلہ تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ضروری تھا کہ اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہوتے۔

کیوں ضروری تھا؟ اس لئے کہ جس قدر بھی انبیاء کرام آپ سے پہلے تشریف لائے ان تمام کو جو جو بھی فضیلت عطا ہوئی جو جو بھی مقام حاصل ہوا وہ امام الانبیاء ہی کے صدقہ سے ملا آپ امام الانبیاء ہیں۔ مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ امام وہی ہو سکتا ہے جو اپنے مقتدیوں سے فضائل و کمالات میں افضل ہو۔ فردا جو خوبی جو فضیلت اور جو کمال کسی نبی کو ملا وہ ضروری تھا کہ امام الانبیاء کو حاصل ہوتا۔

شہادت ایک خاص فضیلت اور عظیم مرتبہ تھا۔ متعدد انبیاء کرام اس سے سرفراز ہو چکے تھے۔ بعض کو شہادتِ ظاہر اور بعض کو شہادتِ باطن نصیب ہوئی۔ امام الانبیاء کو ان دونوں مرتبوں کو حاصل کرنا تھا مگر یہ دونوں شہادتیں ایک جگہ کیسے آسکتی تھیں۔ شہادتِ ظاہر نصیب ہوتی تو چھپ کیسے سکتی، باطنی شہادت ملتی تو ظاہر کیسے ہوتی۔ ظاہر و باطن ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماعِ ضدین محال ہے۔ یہاں ایک اور بحث چھڑنے کا امکان ہے لیکن ہمیں بحث سے اجتناب کرنا ہے۔ هُوَ الظَّاهِرُ وَهُوَ الْبَاطِنُ اپنے اثرات کے اعتبار سے ہے۔ یہاں بھی ظہور و بطون کا مقصد و منشاء اور مرکز و محور ایک ہی ہے

۲۰۰۰ ذریعہ ایک ہی سمندر میں گریں گے۔ ہر ظاہر کا ایک باطن اور ہر باطن کا ایک ظاہر ہوتا ہے لیکن ظاہر کو ظاہر اور باطن کو باطن کہے بغیر بات بن نہیں سکتی۔ یہ دو شہادتیں تھیں۔ کچھ انبیاء کرام کو مجمع عام میں شہید کر دیا گیا تھا اور کچھ کو پوشیدہ طور پر شہید کیا گیا تھا۔ ان کی شہادت کے حالات تک بھی ہمیں نہیں ملتے۔ البتہ ان کے شہید ہونے کی گواہیاں قرآن مجید میں موجود ہیں ان کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:-

يَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ الْحَقِّ - لیکن اور کوئی سراغ نہیں ملتا۔ چھپی ہوئی اور پوشیدہ شہادت امام حسن کو مل گئی ایسی پراسرار اور پوشیدہ کہ ان کے قاتل کا آج تک فیصلہ نہیں ہو سکا۔ ظاہر کی شہادت امام حسین کو مل گئی ایسی ظاہر کہ ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے جسم نازنین پر تلواروں کے کتنے زخم تھے۔ نیزوں کے کتنے گھاؤ تھے اور تیروں کی کتنی انیاں پیوست تھیں۔ ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ ان پر تیروں کی بارش کس کس نے کی اور ان پر تلوار کس کس نے چلائی۔ وہ شہید کس کے نیزے اور تلوار سے ہوئے اور ان کی مقدس گردن کو جبید اطہر سے کس نے علیحدہ کیا یہی نہیں بلکہ امام حسین کی اس ظاہر اور جہری شہادت کا پرتو ان کے ساتھیوں پر بھی پورے طور پر پڑا تھا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان کا کون کون سا ساتھی کس کس طرح شہید ہوا، اور انہیں کس کس نے شہید کیا۔

شہادت امام حسین کو کمالِ ظہور شہادت کہا جاسکتا ہے اور شہادت امام حسن کو کمالِ بطون شہادت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اور یہ دونوں شہادتیں نو اسویں کی طرف سے ہو کر نانا کے مناصبِ عظمیٰ کی تکمیل کر گئیں۔ اب امام الانبیاء کی وہ تمام فضیلتیں ظہور میں آگئیں جو دوسرے تمام انبیاء کو فرداً فرداً عطا فرمائی گئی تھیں۔ حضراتِ حسنین کریمین کی شہادتیں دراصل امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمین کو اپنے بیٹے فرمایا کرتے تھے:-

فَقَالَ هَذَا ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِي -

فرمایا یہ میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔

ایک دوسری جگہ امام حسین علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ یہ میرا بیٹا شہید ہوگا

ایک جگہ فرمایا حسن و حسین میرے بیٹے ہیں ان سے محبت کرو۔ ان سے محبت کرنا مجھ سے محبت کرنا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ آپ امام حسینؑ کو فرماتے ہیں ”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اور اللہ تعالیٰ اُس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔“

عن یعلیٰ بن مرۃ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین

منی وانا من حسین۔ احب اللہ معا من احب حسینا۔

شہادتِ حسینؑ میں نقص تلاش کرنا درحقیقت شہادتِ مصطفیٰؐ میں خامیاں نکلنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ یزید یوں نے حسینؑ سے نہیں بلکہ مصطفیٰؐ سے جنگ لڑی تھی۔ حسینؑ پر چلنے والی تلواریں رسولِ خدا پر چل رہی تھیں۔ یزید نے حسینؑ کے نہیں امام الانبیاءؑ کے ہاتھوں کو اپنے ناپاک ہاتھوں میں لینا چاہا تھا۔ رسولِ خدا کو قتل کر دینے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔ ابن زیاد کو گرفتاریِ مصطفیٰؐ کا پروانہ جاری کیا تھا۔ شمر کی تلوار گردنِ مصطفیٰؐ پر چلی تھی۔ حسینؑ سے جنگ کرنا حقیقت میں مصطفیٰؐ سے جنگ کرنا تھا اور مصطفیٰؐ سے لڑائی کرنا خدا سے لڑنا تھا۔

یہی داستانِ گو کا تصور اور کسی افسانہ نگار کا تخیل نہیں بلکہ یہ امام الانبیاءؑ کا اپنا فرمان ہے جس نے میرے شہزادوں سے محبت کی اُس نے ہم سے محبت کی، جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے ہم سے بغض رکھا۔ جس نے ان سے لڑائی کی اُس نے ہم سے لڑائی کی، جس نے ان سے صلح رکھی اُس نے ہمارے ساتھ صلح رکھی۔ جس نے ان کو غضبناک کیا اُس نے ہم کو غضبناک کیا۔ جس نے ہم کو غضبناک کیا اُس نے خدا تعالیٰ کو غضبناک کیا اور جس نے خدا تعالیٰ کو غضبناک کیا اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من احبهما

فقد احبنی ومن البغضما فقد اغضبنی یعنی حسنا وحسینا۔ فقال انا حرب لمن حاربکم سلما لمن سالمکم

عن سلیمان قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول

۱۔ ترمذی ۲۴۲ ، البدایہ والنہایہ ۲۰۵ ۲۔ البدایہ والنہایہ ۲۰۵ ۳۔ البدایہ والنہایہ ۲۰۵

۴۔ المستدرک ۱۶۶

الحسن والحسين ابناي من احبهما احبني ومن احبني احبه الله ومن
احبه ادخله الجنة ومن ابغضهما ابغضني ومن ابغضني ابغضه ومن
ابغضه ادخله النار۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا آپ اہل بیت میں سے کس کے ساتھ زیادہ
محبت کرتے ہیں۔ فرمایا الحسن والحسين۔ من احب الحسن والحسين فقد
احبني ومن يبغضهما يبغضني۔

یہی نہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا والوں کو ہی فرمایا ہو کہ میرے
نواسوں سے محبت کرو بلکہ آپ بارگاہ خداوندی میں بھی عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ میں ان سے محبت
کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور ان سے بھی محبت کر جو ان سے محبت کرتے ہیں۔
اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَحَبُّهُمَا وَاَحَبُّ يَحِبُّهُمَا۔

یہ انتہائی محبت ہے اس کو الفاظ میں کہاں تک بیان کیا جاسکتا ہے۔ اپنی جان سے
کون پیار نہیں کرتا۔ حسنین کریمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ صورت
اور معنا آپ کی کامل تصویر ہیں۔ آپ کے چمن کی بہار ہیں۔ آپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں
چمن رسالت کے دو پھول ہیں اور گل نبوت کی روح پرور خوشبو ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا حسن و حسین میری دنیا کی زینت و آرائش ہیں۔

الحسن والحسين هما ریحانی من الدنیا۔

فضیلتِ حسنین کریمین کا احاطہ و استعیاب ناممکن ہے۔ قیامت کے دن جب
لوگوں کو زندہ کیا جائے گا تو سب نوجوانی کے عالم میں ہوں گے۔ جنت میں جو بھی جائے گا وہ
عالم شباب میں ہوگا۔ تمام جنتی جوان ہوں گے اور حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار
ہوں گے۔ کیوں نہ ہو۔ ان کی شہادت شہادتِ رسول ہے۔ رسولِ ہاشمی کو قرآن کریم میں
لبسین کے نام سے خطاب کیا گیا یعنی اے سیدائے سردار۔

سید کی بیٹی سیدہ ہے اور سیدہ کے بیٹے پہلے سید حسن و حسین ہیں۔ چھٹی تو جنت

۱۔ الاستعیاب ۳۸۰، البدایہ والنہایہ ۲۰۵/۲۰۶ فیض القدر شرح جامع الصغیر ۱۹

۲۔ تجرید البخاری ۶۵۸/۶۵۹ ترمذی ۲۴۱/۲۴۲ مشکوٰۃ ۶۴۲/۶۴۳ البدایہ والنہایہ ۲۰۵/۲۰۶ مشکوٰۃ ۶۴۱/۶۴۲ ترمذی ۲۴۱/۲۴۲ مسند احمد حدیث
۵۵۴۴

کے جوانوں کی سرداری آپ کو ملی اور ان کی یہ سرداری دراصل امام الانبیاء کی سرداری ہے۔
اس لئے کہ ان کی شہادت کا کمال کمالات نبوت میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جیسا تو ان کی شہادت میں
گمانِ نقص اور امکانِ زوال نہیں۔

ہے بیشک بندِ کیتا مُصطفیٰ بُوہا نبوت وَا
نبوت وِرج شامل سی مگر منصب شہادت وَا
تے فرض منصبی اپنے نول صائم کر بلا اندر
پیا کر وَا لے پورا لا دلائل اُن جنّت وَا

جسے حسینؑ کے امام برحق ہونے میں شک ہو، اُمت کا سردار ہونے میں تردد ہو
وہ جنت میں کیسے جائے گا۔ کیونکہ جنت میں تو حسینؑ کی سرداری ہوگی، دشمن حسینؑ کا وہاں کیا کام ہے
اور یہ فرمانِ رسولؐ ہے :-

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحسن
والحسین سید الشاب اهل الجنة۔
اور یہ بھی آپ جان ہی چکے ہیں کہ حسینؑ سے بغض رکھنے والا جہنم میں داخل کر دیا جائیگا۔
چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

حسینؑ کی شہادت میں خامیاں تلاش کرنے کے بجائے حسینؑ سے محبت کرنا سیکھو
یہی راہِ نجات ہے۔ محبتِ حسینؑ ہی محبتِ رسولؐ ہے اور محبتِ رسولؐ کے بغیر کوئی
بھی مومن نہیں ہو سکتا۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

معیارِ محبت یہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا کے ساتھ پورے خلوص و دیانت اور
پوری ایمانداری سے محبت کی جائے۔ اُس کے تمام افعال و اقوال کو پسند کیا جائے اور
محبت کی نظر سے دیکھا جائے۔

اگر دنیا سے ایمان کی دولت لیکر جانا چاہتے ہو تو رسولِ معظمؐ سے محبت کرو۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف، اشعۃ اللمعات ۶۹۶، ترمذی ۲۴۲۲، حصاب لیس کبریٰ ۲۶۲، جامع صغیر ۱۰۱، المستدرک ۱۰۱

اُس کی ہر ادا کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھو۔ اور اگر رسولِ معظم سے محبت کرنا ہے تو شہیدِ اعظم سے محبت کرو۔ اُس کی ہر ادا کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھو۔ اُس کی عظیم شہادت میں خامیاں نہ تلاش کرو۔ نادانو! حسینؑ کا بغض تمہیں جہنم میں لے جائے گا۔ حسینؑ کی شہادت میں کسی خامی اور نقص کا احتمال موجود ہی نہیں اس لئے کہ شہادتِ حسینؑ تو شہادتِ رسولؐ ہے۔ اگر تم یہ جانتے ہوئے بھی اس میں عیوب و نقائص تلاش کرتے ہو تو پھر تم میں اور عیسائی مورخوں میں کیا فرق ہے۔ تم میں اور آریہ سماجی مناظروں میں کیا امتیاز ہے۔ ابھی وقت ہے توبہ کے دروازے بند ہو جانے کے بعد کچھ نہیں ہو سکے گا۔ دنیائے تحقیق و فلسفہ کا دورِ حاضر کا امام اقبالؒ شہادتِ حسینؑ کو کس انداز میں دیکھ رہا ہے۔

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے

اک ضربِ یَدِ اللہی اک سجدہٴ شجرِی (اقبال)

سجدہٴ شجر کو نامِ سمجھنے والو! اگر روحِ اسلام کو اسلام سے نکال دو گے تو باقی کیا ہے جو تم صورتِ اسلام میں دنیا کے سامنے پیش کر سکو گے۔

تمہارا گمان ہے کہ لمبی لمبی نمازیں پڑھنے سے تمہیں جنت کا ٹکٹ مل جائیگا لیکن یہ غلط ہے۔ جب تک اُس نماز کی عزت نہیں کرو گے جو تلواروں کے سائے میں ادا کی گئی تمہاری نمازیں تمہیں کچھ نفع نہیں دے سکیں گی۔ اگر حسینؑ کے اُس سجدے میں کمی ہے جو زیرِ خنجر ادا کیا گیا تھا تو تم سوچو کہ تمہارے بے کیف و بے حضور سجدوں میں کیا رکھا ہے۔ سجدہ تو وہی ہے جو حسینؑ نے ادا کیا، نماز تو وہی تھی جو فاطمہ کے لال نے پڑھی۔

دیکھ! آئینہٴ تیغ میں اُسے حسنِ یار کی دید ہے

جو نثارِ سجدے میں سر کرے وہ امام ہے وہ شہید ہے

سنو! بے ذوق سجدوں کے تشاؤں سے جنہیں سیاہ کر لینے والو! یزید کے حواریو! مقامِ سجدہ ریزی کیا ہے۔

بغیر سرفروشی آدمی زندہ نہیں ہوتا

مذاقِ زندگی بے سروئی پیدا نہیں ہوتا

جو رسماً ہم کیا کرتے ہیں ممکن! وہ بھی سجدہ ہو

مگر بے سرکٹائے عشق کا سجدہ نہیں ہوتا

سجدوں کی لذت سے آشنائی چاہتے ہو تو حسینؑ کا دامن تھا منا پڑے گا۔
ذوقِ نماز کے تمنائی ہو تو بارگاہِ شبتیری سے رابطہ قائم کرو۔ اُن سے درسِ حیات اور
طریقِ سجدہ ریزی سیکھو۔

سردہ سر ہے جو رب کی راہ پر جھک جائے
موقعہ نہ ہو جھکنے کا! مگر جھک جائے
جب قتل و نماز ایک ساتھ آجائیں
تو تلوار اٹھنے سے پہلے سر جھک جائے

حسینؑ کے ایک سجدے پر اُمت کے لاکھوں سجدے قربان، ہمارے سجدے
بے سرور و بے حضور، حسینؑ کے سجدوں میں حضورؐ کا نور۔ ہمارے سجدوں میں نہ ذوق نہ کمال
حسینؑ کے سجدے میں لذت وصال۔ ہمارے سجدے بے دستور و بے آئین، حسینؑ
کے سجدے میں الصلوٰۃ معراج المومنین۔ ہمارے سجدوں میں وسوسہ کار و بار
حسینؑ کے سجدے میں جلوہٴ حسنِ یار۔ حسینؑ تیرے سجدے کے سرخ نشانوں پر اُمت کی
جبینیں نثار، ملائکہ کے سجدے قربان۔

سجدے تو سب نے کئے تیرا نیا انداز ہے

تو نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

بہر حال بتانا یہ تھا کہ حسینؑ نے زیرِ خنجر نماز ادا کر کے شہادت کی عروسہ کو اور بھی نکھار
دی ہے اور دنیا والوں کو بتا دیا ہے کہ:-

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں

نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں (حفظ)

جس طرف بھی نگاہ اٹھتی ہے امامِ عالی مقام کی عظمتیں اور فضیلتیں اپنے عنبریں گیسو
سنوارے نظر آتی ہیں۔ امامِ الانبیاء و صحابہ کرام کو خطبہ دے رہے ہیں۔ پانچ چھ سال کی
عمر کے دونوں شہزادے سرخ قمیص زیب تن کئے حجرۂ فاطمہ سے نکل کر نانا جان کی طرف
بڑھ رہے ہیں۔ راستہ کی ناہمواری کی وجہ سے مٹھو کر لگتی ہے اور گر پڑتے ہیں۔
امامِ الانبیاء نے نو اسوں کو گرتے دیکھا تو تڑپ گئے اور بتیاب ہو کر خطبہ پورا کئے بغیر
منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ آگے بڑھ کر دونوں کو آغوش میں لیا اور گود میں بٹھا کر

دوبارہ خطبہ شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ سچ فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد و قلمہ ہیں۔ میری طرف ہی دیکھ لو۔ ان بچوں کو گرتے دیکھا تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور بات پوری کئے بغیر پہلے ان کو جا کر اٹھایا۔

عن بریدۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یخطبنا اذا جاء الحسن والحسين وعلیهما قمیصان احمران و یعثران فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من المنبر وحملہما و وضعہما بین یدیه ثم قال صدق اللہ "انما امواکم واولادکم فتنۃ" نظرت الی ہذین الصبیین یبشیان و یعثران فلم اصبر حتی قطعت حدیثی و رفعتہما۔

زیرِ خیر سجدہ ادا فرمانے والے حسین ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر اُس وقت سوار ہو گئے جب آپ مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے تو آپ اُس وقت تک سجدے میں پڑے رہے جب تک کہ حسین پشت مبارک سے خود نہ اتر آئے پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ کیا اب سجدوں کو طویل کرنے کا حکم آگیا ہے یا آپ پر اُس وقت وحی نازل ہو رہی تھی جو آپ نے اس قدر طویل سجدہ ادا فرمایا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایسی کوئی وجہ نہیں تھی بلکہ یہ وجہ تھی کہ میرا بیٹا میرے اوپر سوار ہو گیا تھا۔ مجھے اس میں کراہت نظر آئی کہ میں جلدی اٹھوں اور یہ گر جائے۔ حتیٰ کہ یہ اپنی مرضی سے اتر آیا۔

قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في إحدى صلواته العشي الظهر والعصر وهو حامل أحد ابنيه الحسن والحسين فتقدم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فوضعه عند قدمه اليمنى فسجد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سجدة أطال قال أبي فرغت رأسي من بين الناس فاذا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

ساجد و اذا الغلام راكب على ظهري فعدت فسجدت فلما انصرف
رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم - قال يا رسول الله لقد سجدت
في صلاتك هذه سجدة ما كنت تضجدها افشئ امرت به او كان يوحى
اليك قال كل ذلك لم يكن ولكن ابى ان يخلق فكرهت ان اعجله
حتى يقضى حاجته - (المستدرک ۱/۱۱۱)

اللہ اکبر! یہ ہے مقام حسین - بارگاہِ مصطفیٰ اور نگاہِ رسول میں کروڑوں سلام
ہوں اُس جگر گوشہ بتول پر جس کے لئے امام الانبیاء خطبہ چھوڑ کر منبر سے اتر آتے ہیں۔ اربوں
دُروہوں اُس چہرہ کد ار کے دلہند کو جو تاجدارِ انبیاء کی پشت پر سوار ہو جائے تو آپ اُس
وقت تک سجود نہیں کرتے سرنہ اٹھائیں جب تک وہ خود نہ اتر جھکے

خاصہ رب داور پہ لاکھوں سلام نور عین بزم پر پہ لاکھوں سلام
تشنہ آبِ خنجر پہ لاکھوں سلام مالک نہر کوثر پہ لاکھوں سلام

اُس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام
اُس شہیدِ دلاور پہ لاکھوں سلام

جس کو جھولا فرشتے جھلاتے رہے لوریاں دیکے نوری سلاتے رہے
جس کو کندھوں پہ آقا بٹھاتے رہے جس پہ سفاک خنجر چلاتے رہے

اُس شہیدوں کے افسر پہ لاکھوں سلام
اُس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

جو جو انانِ جنت کا سالار ہے جس کا نانا دوعالم کا سردار ہے
جو سراپائے محبوبِ غفار ہے جس کا سر دشت میں زیرِ تلوار ہے

اُس صداقت کے پیکر پہ لاکھوں سلام
اُس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

(ضیاء القادر)
حسین گلشنِ اسلام کی بہار ہے، مملکتِ حق و صداقت کا تاجدار ہے، صبر و رضا
کی سلطنت کا شہریار ہے، حسین مہرِ نبوت کا سوار ہے، حسین روشنی کا مینار ہے، حسین
مطلعِ انوار ہے، محمد عربی کے دل کا قرار ہے، حجرہِ فاطمہ کی بہار ہے، خالقِ کائنات
عظیم شہکار ہے، نوجوانانِ جنت کا سردار ہے، شہیدانِ محبت کا قافلہ سالار ہے

حُسین عزم و یقین کی تلوار ہے، حُسین کا چہرہ مطلع انوار ہے، حُسین کا دیدار
محمّد عربی کا دیدار ہے۔

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حُسین
جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حُسین

جو جوالے سے کی میت پر نہ رویا وہ حُسین
جن نے سب کچھ کھو کے، پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حُسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دو بالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اُجالا کر دیا

نطق جس کا زینتِ دینِ پیمبر وہ حُسین
مقا جو شرحِ مصطفیٰ، تفسیرِ حیدر وہ حُسین

لاکھ پر بھاری ہوئے جس کے بہتر وہ حُسین
تھا مثالِ مُرتضیٰ جس کا تہوڑ وہ حُسین

وہ جو خونی غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر

مُسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ چوہدہویں کا چاند پوری آب و تاب سے آسمان پر چمک رہا تھا اور مدینہ
کا چاند مسجد نبوی شریف کے کھلے صحن میں مجراستراحت تھا۔ ہم کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتے
اور کبھی زمین کے چاند کو۔ اور پھر ہماری نگاہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ آمنہ کے چاند کے چہرہ انور
کی تجلیات کے سامنے آسمان کے چاند کا حسن پھیکا اور ماند ہے۔

یہ آمنہ کے چاند کی بات تھی۔ فائدہ کا چاند اس چاند کا منظر اتم اور عکس عجل تھا

نانا کے حسن کی تجلیات کا نواس کے رخ نور سے پورا پورا ظہور ہوتا تھا۔
معتبر روایات میں آتا ہے کہ جب حسین علیہ السلام اندھیرے میں تشریف فرما ہوتے تو
آپ کی پیشانی مبارکہ اور نورانی عارضوں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر قرب و حواری کو منور اور
درخشاں کر دیتیں۔ امام حسین علیہ السلام کو ایک خود غرضیہ انسان بنا کر پیش کر دیا اور غور تو کر حسین
کون ہیں اور کس کا نور ہیں۔

گلستانِ زہرا کے ننھے ننھے مچھول آپس، یں کشتی لڑتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم اپنی بیٹی کے پاس بیٹھے ہوئے یہ کشتی دیکھ رہے ہیں۔ اور پھر آپ نے جناب حسن کو
فرمایا: حسین! حسین کو پکڑ لو۔ سیدہ نے حیران ہو کر عرض کی: ابا جان! آپ بڑے کو فرما رہے ہیں
کہ چھو۔ وہ پکڑے۔ تو آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ ہاں بیٹی! دوسری طرف جبریل حسین کو کہہ رہے ہیں کہ
حسن کو پکڑ لو۔

اللہ اکبر! یہ مقام ہے بنت رسول جناب خاتونِ قیامت سلام اللہ علیہا کے شہزادوں کا
جن کو کھیلنے دیکھ کر ذاتِ خداوندی کو ذوقِ آجائے اور جبریل کو بھی کشتی لڑائے۔
یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کو پیار کرتا ہے مگر جو پیار جو محبت اور جو عشق سرکارِ دو عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نواسوں سے ہے اس کی مثال پیش ہی نہیں کی جاسکتی، مثال آئے
گی کہاں سے۔

نانا بھی بے مثال ہیں اور نانا کی محبت بھی بے مثال ہے۔ نواسے بھی بے مثال ہیں
اور نواسوں کی شہادت بھی بے مثال ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ میرا یہ حسین ایک دن میرے
دم توڑتے ہوئے دین کو زندہ کی دینے والا ہے۔

ایک دن اماں الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی عالی وقار کے گھر میں
تشریف فرما ہیں۔ جناب حسین علیہ السلام کو دائیں طرف آغوش میں سے رکھا ہے اور اپنے
بٹے ابراہیم کو بائیں طرف بٹھا رکھا ہے۔

عجیب کیف پر ہے سماں ہے۔ آسمان آغوشِ رسالت پر بیک وقت دو چاند طلوع ہیں۔
ایک اپنا بیٹا ہے اور ایک بیٹی کا بیٹا۔ دونوں کی محبت کا سمندر سینے میں موجزن ہے۔

دونوں ہی گلشنِ نبوت کی بہاریں ، دونوں ہی جہنم کے ٹہکتے ہوئے پھول ہیں۔
آغوشِ رسول میں خوشی اور مسرت کا دوہرا جہان آباد ہے۔ کائنات کی مسرت کو دیکھ کر تمام
کائنات خوشیوں سے بریہ ہے۔ روحِ عالم کی خوشی نے دونوں جہان میں کیف و سرور
کی رنگینیاں بھری ہیں۔

آپؐ کبھی حسینؑ کو سینے سے لگاتے ہیں اور کبھی ابراہیمؑ کو پیار کرتے ہیں۔ اسی عالم
وہد و کیف میں جبریلؑ حاضر خدمت ہو کر سلامِ عرفین کرتے ہیں۔
آپؐ نے وعلیکم السلام فرما کر اُنے کا سبب پوچھا۔ جبریلؑ نے نگاہیں جھکالیں اور غمزہ
ہو کر عرض کی خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

آپؐ نے فرمایا جھکتے کیوں ہو! کہو میرے رب نے کیا حکم بھیجا ہے؟
جبریلؑ، حضورؐ آپؐ نے دو شہزادوں کو آغوشِ مبارک میں لے رکھا ہے۔

اما الانبیاء، ہاں! کہو کیا بات ہے؟
جبریلؑ۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہے ان میں سے ایک آپؐ کے پاس رہے گا اور ایک کو
واپس بلا لیا جائے گا۔

اما الانبیاء۔ ہم خدا کی رضا پر راضی ہیں۔ کہو میرے رب جلیل نے کس کو واپس
مانگا ہے۔

جبریلؑ۔ یہ معاملہ جناب کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ آپؐ جسے چاہیں رکھ سکتے ہیں
اور جسے چاہیں واپس کر سکتے ہیں۔

پیغمبرِ راضی بہ رضا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا حکم اپنی خواہش پر مقدم رکھنا ہوتا ہے
یہ بھی کیا کم اختیار ہے کہ جسے چاہوں رکھ لو اور جسے چاہوں واپس کر دو۔

آپؐ نے خیال فرمایا۔ حسینؑ کو واپس کرتا ہوں تو اس کا صدرِ میری فاطمہؑ کو بھی ہوگا،
علیؑ کو بھی اور میری جان سوزی بھی ہوگی۔ ابراہیمؑ کو واپس کرتا ہوں تو زیادہ کوہِ الم میری جان
پر ہی ٹوٹے گا۔ اور پھر دوبارہ خداوندی میں پیغام بھیج دیا کہ میں حسینؑ کو موت کے حوالے کر کے
اپنی بیٹی کا غم نہیں دیکھ سکتا اور ابراہیمؑ کو بارگاہِ ایزدی میں واپس کرتا ہوں۔ اور پھر تین روز بعد

جناب ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ہو گیا۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ سَرَّاجِعُونَ

اس کے بعد جب بھی امام حسینؑ نانا کے پاس آتے تو آپ فرماتے مرجا اے میری بیٹی کے بیٹے۔ پھر آپ کی پیشانی کو حوم کر لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے کہ میں نے اس پر اپنے بیٹے ابراہیم کو قربان کر دیا ہے۔

تمام انبیاء و رسول جس مقدس رسولؐ کے پائے اقدس کو بوسہ دینا اپنے لئے باعث عزت و افتخار سمجھتے ہیں اور خیر بن کے پاؤں کے تلوؤں پر اپنے کا فوری لبوں کو ملنا وجہ فخر و مباہات جانتا ہے۔ وہ مقدس رسولؐ اور تمام انبیاء کا تاجدار حسین علیہ السلام کو اپنے مقدس شانوں پر سوار کرتا ہے۔

ایک روز حسب معمول سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہزادے حسینؑ کو کاندھے پر سوار کئے ہوئے باہر تشریف لائے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ جناب صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ حسینؑ کتنے خوش نصیب ہیں جنہیں اتنی اچھی سواری میسر ہے۔

امام الانبیاءؑ نے خوش ہوتے ہوئے مسکرا کر فرمایا سوار بھی تو بہت اچھا ہے نعم الجمل جملکما ونعم العدلان۔ حقیقت یہ ہے کہ مقام حسینؑ کا اگر کوئی تعین کر سکتا ہے تو وہ یا تو خداوندِ بزرگ و برتر کی ذاتِ اقدس ہے یا حسینؑ کے نانا کی ذاتِ مقدس۔ دنیا کا کون ایسا بچہ ہے جس کے مشاغل میں ذاتِ ایزدی اس طرح الجسی لیتی ہو۔

جناب حسینؑ کو یہیں تختیاں جناب سیدہ کے حضور میں فیصلے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے آبا جان کے پاس لے جاؤ۔ شہزادے حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں آبا جان فیصلہ فرمادے مجھے کس کا خط اچھا ہے۔ باب العلم نے کہا یہ بڑا مشکل کام ہے اپنے نانا کے حضور میں جاؤ۔ شہزادے نانا جان کے حضور میں آگئے اور عرض کیا نانا جان ہمیں بتا دیجئے کس کا خط اچھا ہے۔ نہ اُمّی جان نے فیصلہ فرمایا ہے اور نہ ہی آبا جان کچھ فرماتے ہیں۔ دنیا بھر کے فیصلے فرمانے والے امام الانبیاءؑ سوچ میں پڑ گئے۔ دل میں خیال آیا اگر

حسین کا خط اچھا لکھا گیا تو حسن کو ملال ہو گا اور اگر حسن کو زیادہ نمبر دیئے تو حسین پریشان ہو گا اور ہمیں تو کسی کی پریشانی بھی گوارا نہیں۔

سرکارِ دو عالم ابھی سوچا ہی رہے تھے کہ جبریل حاضر ہو گئے۔ سلام کہا اور عرض کیا۔ حضور! ان کا فیصلہ خدا تعالیٰ فرمائیں گے۔ میں بحکمِ ایندہی سات موتی لایا ہوں۔ جس کی تختی پر چار موتی کریں گے اُس کا خط اچھا قرار پائے گا۔ پھر جبریل نے وہ ساتوں موتی تختیوں پر ہاتھ اُٹھا کر کے چھوڑ دیئے۔

تین تین موتی دونوں تختیوں پر آگئے۔ ساتواں موتی راستے ہی میں ٹوٹ کر اُدھا ایک تختی پر اور اُدھا دوسری تختی پر آگیا۔

یہ ہے مقامِ حسین دربارِ خداوندی میں اور نگاہِ رسول میں۔

رمضان المبارک کی اُنیس^{۱۹} تاریخ ہے۔ امامِ حسن کی عمر مبارک پانچ سال اور جنابِ حسین علیہ السلام کی عمر مبارک چار سال دو ماہ کی ہے۔ جنابِ سیدہ فاطمہ الزہرا چکی پیس کی کمر فارغ ہوتی ہیں۔ آپ نے جانماز بچھایا تو حضراتِ حسین کریمین اُپر لیٹ گئے۔ جنابِ سیدہ نے اُٹھنے کو کہا۔ شہزادے محل گئے اور یوں کہنے لگے۔ اتنی جانِ مہج عید ہو جائے گی۔ عید کے روز لوگوں کے بچے نئے کپڑے پہنیں گے ہمیں بھی نئے کپڑے منگو کر دیں۔

سلطنتِ صبر و رضا کی عکہ معظمہ اور مملکتِ فقر کی شہزادی سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کا دل ہل گیا۔ آپ نے بچوں کو سینے سے لگا کر فرمایا۔ میرے چاند مجھے نماز تو پڑھنے دو کل تمہیں نئے کپڑے منگوادوں گی۔

اتنی! کل تو عید ہے۔ کپڑے اگر کل آتے تو سلیں گے کیسے۔

آپ نے فرمایا فکر نہ کرو میرے چاند۔ درزی تمہارے سے سِلے سِلائے کپڑے لائے گا۔

اور پھر آپ نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ نماز کے بعد آپ نے دربارِ خداوندی ہاتھ اُٹھا دیئے اور یوں عرض کی، بارِ الہا! تو سب کچھ جانتا ہے۔ تیری کنیز نے بچوں سے صرف اس لئے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کا دل نہ ٹوٹ جائے۔ میرے خدا تو خوب جانتا ہے۔

فاطمہؑ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، یا اللہ میرے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لینا۔
یا اللہ العالمین میں نے تیری رحمت کے سہارے پر بچوں سے نئے کپڑوں کے آنے کا وعدہ
کر لیا ہے۔ یا اللہ! میرے وعدے کو ایسا فرما دینا۔ پھر افطاری کا وقت ہوتے ہی عید
کا چاند طلوع ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں منادی ہو رہی تھی کہ صبح کو عید الفطر ہوگی۔ تمام لوگ عید
آنے کی خوشی میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ بچے ابھی سے عید کی
تیاریاں کر رہے تھے۔ رات کو سوتے وقت فاطمہؑ کے شہزادوں نے پھر اپنا
وعدہ اُمتی کو یاد دلادیا۔

سیدۃ النساء العالمین پہلے سے شب بیدار تھیں۔ پوری رات نوافل میں بسر کی
فجر کی نماز کے بعد آپ دعا مانگ رہی تھیں کہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ آپ نے پوچھا کون ہے
آواز آئی بہت رسولؐ آپ کا درزی ہوں، شہزادوں کے کپڑے لے کر آیا ہوں۔ آپ نے
استغاثت غیبی سمجھ کر کپڑے وصول کر لئے۔ بہت خوبصورت اور قیمتی لباس تھا۔ آپ ابھی
بچوں کو کپڑے پہنا ہی رہی تھیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ جنین
کو یمن کے نئے جوڑے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے پوچھا بیٹی یہ کپڑے
کہاں سے آئے ہیں؟ عرض کیا اباجان ایک درزی دے گیا ہے۔ میں نے بچوں سے
نئے کپڑوں کا وعدہ کر لیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا۔
آپ نے فرمایا بیٹی جانتی ہو درزی کون تھا؟

سیدہ نے کہا اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسنینؑ کا درزی بن کر آنے والا جبریل تھا۔ اور یہ جوڑے وہ
اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت سے لایا تھا۔ سیدۃ النساء العالمین کی آنکھوں میں تشکر و
امتنان کے آنسو آگئے۔ آپ نے سجدہ شکر ادا فرما کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کی
الہی تیرا ہزار ہا شکر ہے کہ تو نے فاطمہؑ کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لی۔

کون ہے وہ دنیا کا تاجدار جس کا درزی جبریل بنے اور اُس کا لباس
جنت الفردوس سے خدا بھیجے۔ حسنین علیہ السلام کی عظمت و فضیلت جیٹہ تحریر سے

۱۰ روضۃ الشہداء صفحہ ۷۰

باہر ہے۔ آپ کے فضائل و مناقب جو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ارشاد ہوئے ہیں حد بیان سے باہر ہیں۔

ہم اس لئے ہی تو کہتے ہیں کہ معرکہ کربلا کا موازنہ کرنا ہے تو پہلے ہر دو جانب کی شخصیتوں کا موازنہ کرو۔ اگر آپ مسلمان ہیں تو مسلمانوں کی طرح سوچو۔ حسین علیہ السلام کا مقام فراہم رسول کی روشنی میں متعین کرو۔

حضرت امام حسینؑ نے جس مقدس ماحول میں آنکھ کھولی ہے یہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کو بھی میسر نہیں۔ حسین علیہ السلام کا مقام خدا تعالیٰ سے پوچھو۔ حسین علیہ السلام کی ذمہ داریاں رسول ہاشمی سے پوچھو۔ حسین علیہ السلام کا احترام صحابہ کرام سے پوچھو۔

حسین علیہ السلام کو ایک عام آدمی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے نہ پیش کرو۔ حسینؑ کو ان تمام عظمتوں کے ساتھ سامنے لاؤ جن کے وہ مالک تھے، ان کو ان خوبیوں سمیت متعارف کرو جو ان میں تھیں۔ اور اگر تم بھی ایسا کرو گے تو حسینؑ کا مقام تو پھر بھی ارفع و اعلیٰ ہی رہے گا۔ مگر دنیا تمہیں ضرور کذاب و دجال کے نام سے یاد کریگی۔ جو عزازات خالق باری نے نواسۂ رسول کیلئے مخصوص کر رکھے ہیں ان میں ان کا کوئی بھی شریک و ہم نہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

جو مقامات خالق کائنات کی طرف سے جناب حسنؑ و حسینؑ کو تفویض ہوئے ہیں ان میں کسی دوسرے شخص کی شرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چہ جائیکہ یہ ثابت کیا جائے کہ یزید پلید بھی ان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ یزید اور حسینؑ کا خون ایک ہی تھا معاذ اللہ۔ ایسا استدلال پیش کرنا حقائق سے بیزاری اور جہنم کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے مکروہ عقائد سے محفوظ رکھے۔

امام حسینؑ وہ عظیم المرتبت شہزادے ہیں جن کی اتمی جان چمکی پڑی رہی ہوتی اور جبریل علیہ السلام ان کا جھولا بھلا رہے ہوتے۔ کون ہے دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی جس کا جھولا بھلانے کی ڈیوٹی جبریلؑ کے سپرد ہو۔

امام حسینؑ وہ با عظمت اور رفیع الشان شخصیت ہیں جن کے بچپن میں رونے کی آواز

سُورۃ النبی ص ۱۱۱

تَلَجْدًا رَمَدِیْنِہِ حُسَیْنِ کو گود میں لیکر فرماتے۔ میرے لال تم نہ رو یا کمرو۔
تمہارے رونے سے تو رُوحِ عالم بیقرار ہو جاتی ہے۔ حُسَیْنِ تم رونے کے لئے نہیں
رولانے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ تمہاری شہادت پر تو زمین و آسمان کو رونا آجائے گا
ملائکہ اور جنات فوجِ غوائی کریں گے۔ دنیا تمہاری شہادت کی یاد قیامت تک مناتی رہے گی۔
اہلِ محبت تمہارے غم کو یاد کر کہہ گے اس قدر آنسو بہائیں گے کہ اگر ان آنسوؤں کو جمع کر لیا جائے
تو دنیا پر ایک اور سمندر موجزن ہو جائے گا۔

بہر حال معرکہ کربلا کی حقیقت کو سمجھنا ہے تو امامِ عالی مقام امامِ حُسَیْنِ کے مقام سے
آگاہی حاصل کرو۔ اور مقامِ حُسَیْنِ سے آگاہی حاصل کرنا ہے تو ارشاداتِ خدا و رسول کی روشنی
میں دیکھو۔ حُسَیْنِ کا مرتبہ پوچھنا ہے تو حُسَیْنِ کے نانا سے پوچھو۔ صحابہ کرام سے پوچھو۔ حُسَیْنِ
کی ذاتی شخصیت کو دیکھو۔ اُس کے کردار کو دیکھو۔ اُس کی سیرت کا مطالعہ کرو۔ اُس کے
بچپن کا احترام و التزام دیکھو۔ اُس کی جوانی کا تقدس دیکھو۔ اُس کے تقویٰ و پرہیزگاری کا مشاہدہ
کرو۔ اُس کی طہارت و پاکیزگی سے روشناسی حاصل کرو۔

سلام ہو آپ پر اے جگر گشتِ رسول! تیرے مقام کو کون بیان کر سکتا ہے۔ ہم
گنہگاروں کا تو یہی ناز ہے کہ تو ہمارا آقا و مولا ہے۔ ہم بلیغِ گنہگار تیری طرف سے کیا
صفا لبیش کر سکتے ہیں۔ تیری شہادت کی تصویر تو اپنے طور پر ہی اس قدر مجلی اور منور ہے
جس کے سامنے آفتاب بھی ماند ہے اور چاند بھی خجل ہے۔

اے حُسَیْنِ اب تک لبالب ہے تیرا زریں ایاغ
ضوفاں ہے آج تک تیری شہادت کا چراغ
تُو نے دھوڑ لے جبینِ ملتِ بیضا کے داغ
تو اگر اسلام کا دل ہے تو ایساں کا داغ
فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے!
جس کا تو آفتاب ہے اُس کو ناز کرنا چاہیے

(جوش)

شہادتِ حسین کی پیشگوئیاں

شہزادہ لگلوں قبا، جگر گوشہ مصطفیٰ، نور نگاہ مرتضیٰ، امین امانتِ خدا، نیر ربیع صفا،
جلوۂ شمس انصافی، نقشہ بد الدجی، پیکر صبر و رضا، شہزادہ کونین، جناب زہرا کے نور عین،
حضرت جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادتِ اقدس کو ہرگز ہرگز اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔
شہادتِ حسین مشیتِ ایزدی کے بنائے ہوئے باقاعدہ پروگرام کے تحت ظہور میں آئی ہے۔ جس کی
مختلف وجوہات آپ اس کتاب میں کئی مقامات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ شہادتِ حسین وہ شہادتِ عظیم
ہے جس کی شہادتِ رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان فیضِ رحمان سے دی۔
شہادتِ حسین وہ شہادتِ مقدس ہے جس کی گواہی جبریلؑ نے دی جس کا نقشہ رسولِ پاکؐ نے بیان
فرمایا۔ جس کا اعلان خود خداوندِ دو جہان نے فرمایا۔ یہ وہ شہادتِ معظم ہے جس کا چہرہ امامِ عالی مقام
کی ولادتِ مبارکہ کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ اور پھر اس کا بار بار اعلان ہوتا رہا۔ چند معتبر
روایات ملاحظہ فرمائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی واقعہ یا اتفاقی حادثہ نہیں۔ جیسا کہ
یہ بدو اندل کا گمان ہے۔ بلکہ تاریخ اسلام کا انتہائی غیر معمولی اور اخص الخاص واقعہ ہے۔

پیشگوئی نمبر ۱

حضرت اُمّ الفضل بنتِ حارث فرماتی ہیں کہ
میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں
حسین کو لیکر گئی اور آپ کی گود میں دے دیا
تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے ہیں (اس
حالت میں) آپ نے مجھے فرمایا کہ مجھے جبریلؑ نے
خبر دی ہے کہ میرے اس بیٹے کو میری اُمت
شہید کرے گی۔ پھر جبریلؑ نے مجھے اس کی
شہادت گاہ کی سرخ مٹی دی۔

عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ
قَالَتْ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بِالْحُسَيْنِ
فَوَضَعْتُهُ فِي جُحْرٍ ثُمَّ خَانَتْ مِنِّي
الْتِفَاتُهُ فَإِذَا عَيْنَا رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
تَهَرَّقَانِ مِنَ الدُّمُوعِ فَقَالَ إِنَّا فِي
جَبَرِيلٍ فَأَجْرَ مَنْ أَنْ أُمِّي تَقْتُلُ ابْنِي
هَذَا وَإِنِّي بِتُرْبَةٍ مِنْ تَرْبَتِهِ خَرَاءَ۔

پیشگوئی نمبر ۲

عَنْ أَنَسٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ مَلَكُ
الْمَطَرِ رَبَّهُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَ لَهُ
فَدَخَلَ الْحُيَّيْنِ فَجَعَلَ يَقَعُ عَلَى صَنْكِبِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ الْمَلَكُ أَتُحِبُّهُ؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ! قَالَ فَإِنْ
أُمِّتَكَ تَقْتُلُهُ وَإِنْ شِئْتَ أَرِيكَ
السَّكَانَ الَّذِي يُقْتَلُ فِيهِ فَضَرَبَ
بِيَدِهِ فَأَرَاهُ ثَرَابًا أَحْمَرَ فَأَخَذَتْهُ
أُمُّ سَلَمَةَ فَصَرَّتْهُ فِي ثَوْبِهَا فَكَبَّرَا
لَسْمِجَ أَنْهُ يُقْتَلُ بِكَرْبَلَاءَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے
ہیں کہ بارش برسانے والے فرشتہ نے
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ماضی
دینے کے لئے رب تعالیٰ سے اجازت
طلب کی۔ اجازت ملنے پر جب بارگاہ رسالت
میں حاضر ہوئے تو اُس وقت حضرت حسین بنی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کندھوں پر
جھوم جھوم کر کھیل رہے تھے۔

اُس فرشتہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی خدمت میں عرض کی! کیا آپ حسین سے پیار
کرتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
ہاں! اُس نے کہا آپ کی اُمت اس کو شہید کر دیگی
اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کی شہادت گواہ آپ کو دکھا دوں! پھر اُس نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا
اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ مٹی دکھائی۔ اُس مٹی کو حضرت اُمّ سلمہ نے کپڑے میں باندھ
لیا اُنس کہتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ حسین کربلا میں شہید ہوں گے۔

پیشگوئی نمبر ۳

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ
الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَلْعَبَانِ فِي بَيْتِي
فَنَزَلَ حَبْرٌ يُسِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ
إِنَّ أُمَّتَكَ تَقْتُلُ ابْنَكَ هَذَا
مِنْ أَبْدَانِكَ وَأَوْحَى إِلَى الْحُسَيْنِ
رَأَاهُ بِتَرْبَةٍ فَشَبَّهَا ثُمَّ قَالَ

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں
کہ میرے گھر میں حسن اور حسین کھیل رہے تھے
تو جبریل علیہ السلام نے آکر حضور کی خدمت میں
عرض کیا۔ آپ کے بعد آپ کے اس بیٹے کو
آپ کی اُمت شہید کر دے گی۔ اور جبریل کا اشارہ
حسین کی طرف تھا۔ اور آپ کی خدمت میں تمودی

رَجَحَ كَرْبَ وَبَلَاءٍ وَقَالَ يَا
أُمَّ سَلَمَةَ إِذَا تَحَوَّلَتْ هَذِهِ الثُّرَيَّةُ
وَمَا فَا عَلِمْنِي أَنَّ ابْنِي قَدْ قُتِلَ فَجْعَلَهَا
فِي قَارُورَةٍ -

سہمی پیش کی۔ آپ نے اس مٹی کو سونگھ کر
فرمایا۔ اس میں سے رنج و بلا کی بو آتی ہے۔
اور مجھے بلا کر فرمایا اے اُم سلمہ جب یہ مٹی
خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا
پھر میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کر رکھا

پیشگوئی نمبر ۴

عَنْ أَنَسِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
آلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ ابْنِي هَذَا
يُقْتَلُ بِأَرْضٍ يَقْتُلُ لَهَا كَرْبَلَاءُ
فَمَنْ يَشْهَدُ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَنْصُرْهُ
فَخَرَجَ أَنَسُ بْنُ الْحَارِثِ إِلَى كَرْبَلَاءَ
فَقُتِلَ بِهَا مَعَ الْحُسَيْنِ -

انس بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے
ہوئے سنا کہ یہ میرا بیٹا (حسین) اس زمین
پر شہید کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے۔ تم
لوگوں میں سے جو شخص بھی وہاں موجود ہو اس کی
مدد کرے۔ اور پھر انس بن حارث (اما حسین
کے ساتھ ہی کربلا میں گئے اور آپ کے
ساتھ ہی شہید ہو گئے۔

پیشگوئی نمبر ۵

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
اضْطَجَعَ ذَاتَ يَوْمٍ فَاسْتَبَقَ ظَوُّ
هُوَ خَاسِرٌ وَفِي يَدِهِ تَرَبَّةٌ
خَرَاءُ لِقَلْبِهَا قُلْتُ مَا هَذِهِ
التُّرْبَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ
أَخْبَرَنِي جِبْرِيلُ أَنَّ هَذَا الْبَنِي الْحُسَيْنِ
يُقْتَلُ بِأَرْضِ عِرَاقٍ وَهَذِهِ تُرْبَتُهَا -

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز کروٹ
بدل کر سو رہے تھے اور پھر جب بیدار ہوئے تو
آپ غمگین و غمزدہ تھے۔ آپ کے مبارک ہاتھوں
میں سرخ مٹی تھی جسے آپ لٹے پٹتے تھے۔
میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ مٹی کیسی ہے
تو آپ نے فرمایا ہمیں جبریل نے خبر دے دی ہے کہ میرا
حسین سرزمین عراق میں شہید کیا جائیگا اور یہ وہیں کی
مٹی ہے۔

پیشگوئی نمبر ۶

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ میرے بعد میرا بیٹا حسینؑ ارض طاف پر شہید کر دیا جائے گا اور میرے پاس وہاں کی یہ مٹی بھی جبریل میرے پاس لائے ہیں اور مجھے کہا کہ یہ ان کے لٹنے کی جگہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَخْبَرَنِي جِبْرِيلُ أَنَّ ابْنِي الْحُسَيْنَ يَمُوتُ بِأَرْضِ الطَّفِّ وَجَاءَ فِي بَهْمِذِهِ التُّرْبَةُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهَا مَضْجَعُهُ وَمِنْهُ -

پیشگوئی نمبر ۷

اور روایت بیان کی امام احمد نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیقی ہمارے گھر میں ایک فرشتہ آیا جو اس سے پہلے میرے پاس کبھی نہیں آیا تھا۔ تو اس نے مجھے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا حسینؑ شہید ہوگا۔ اور اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کو ان کی شہادت گاہ کی مٹی دکھا دوں اور پھر تھوڑی سی سرخ مٹی نکالی۔

وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ دَخَلَ عَلَى الْبَيْتِ مَلَكٌ لَمْ يَدْخُلْ عَلَى قَبْلِكَ فَقَالَ لِي إِنَّ ابْنَكَ هَذَا لَيَمُوتُ حَبِينًا مَقْتُولٌ وَإِنْ شِئْتَ ارْتِئْتُكَ مِنْ تُرْبَةِ الْأَرْضِ الَّتِي يُقْتَلُ بِهَا فَأَخْرَجَ تُرْبَةً حُمْرَاءَ -

پیشگوئی نمبر ۸

حضرت محمد بن عمر بن حسن روایت بیان

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَسَنِ

۱۔ بحوالہ کبریٰ ۳۲۲، ماثبت بالسنة ۲۱۹، سرالشہادین ص ۸۵
۲۔ طبقات ابن سعد ۳، مسند احمد ۳، خصائص کبریٰ ۳۲۲، ماثبت بالسنة ۲۱۹، سرالشہادین ص ۸۴
۳۔ طبقات ابن سعد ۳، طبرانی معجم ۲۲، ماثبت بالسنة ۲۱۹، سرالشہادین ص ۸۸

قَالَ كُنَّا مَعَ الْحُسَيْنِ بِمَنْحَرٍ كَرِبَ بَلَاءٌ
فَنَظَرْنَا إِلَى الشَّجَرِ ذِي الْجَوْشَنِ
فَقَالَ صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
كَأَنِّي أَنُظِّرُ إِلَى كَلْبٍ أَلْقَعَ يَلِغُ فِي أَهْلِ
يَبْتَى وَكَانَ شِمْرُ أَبْرَصَ -

کرتے ہیں کہ ہم امام حسین کے ساتھ کربلا کی نہر
پر تھے۔ پھر دیکھا امام حسین نے شمر کی طرف
اور فرمایا کہ سچے میں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گویا کہ ہم دیکھ
ہے ہیں کہ ایک ابلق (دوبا) کتابری اہل بیت کا
خون پی رہا ہے اور تھا شمر لعین بریں زندہ (کوڑھی)

پیشگوئی نمبر ۹

نَحْنُ عَلَى ابْنِ أَبِي طَالِبٍ إِنَّهُ
مَرَّ بِكَزْبَلَاءٍ وَعِنْدَ الْأَشْجَارِ الْمُتَنظِّلِ
وَهُوَ ذَاهِبٌ إِلَى حَفِيفِينَ فَسَأَلَ عَنْ
إِسْمِهَا؟ فَقِيلَ كَزْبَلَاءُ فَقَالَ كَرُبُّ
فَنَزَلَ وَصَلَّى عِنْدَ شَجَرَةٍ هُنَاكَ
ثُمَّ قَالَ يُقْتَلُ هَهُنَا شُهَدَاءٌ غَيْرُ
الْقَصَابَةِ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ
حِسَابٍ وَاشَارًا إِلَى مَكَانٍ هُنَاكَ
فَعَلِمُوا بِشَيْءٍ فَقَتَلَ فِيهِ الْحُسَيْنَ -

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے
روایت ہے کہ آپ جب جنگ صفین کے موقع
پر کربلا سے گزرے تو ایک جگہ حنظل
(اندرائن) کے بوٹے تھے۔ آپ نے پوچھا
کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟ کہا کربلا! تو
آپ نے فرمایا کرب و بلا۔ پس آپ وہاں
اُترے اور نماز پڑھی۔ پھر فرمایا کہ یہاں
سحابہ کے علاوہ وہ لوگ شہید ہوئے جو بغیر حساب
جنت میں داخل ہوں گے۔

اور آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں
لوگوں نے نشان لگا دیا چنانچہ جناب حسین
علیہ السلام اسی مقام پر شہید ہوئے

۱۔ البدایہ والنہایہ ۲/۵۱۲ سر الشہادین ص ۵۵

پیشگوئی نمبر ۱۰

عَنْ أَصْبَغِ بْنِ نُبَاتَةَ قَالَ أَتَيْنَا
مَعَ عَلِيِّ عَلَى مَوْضِعِ قَبْرِ الْحُسَيْنِ فَقَالَ

حضرت اصبح بن نباتہ سے روایت ہے
کہ ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی معیت میں

هَمَّنَا مَنَاحَ رِكَابِهِمْ وَمَوْضِعَ
رِجَالِهِمْ وَمَقَرَّاقُ دِمَائِهِمْ
فَنُتَّ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وآلِهِ وَسَلَّمَ يَقْتُلُونَ بِمَنْدِهِ
الْخَرَصَةَ تُبْكِي عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ
وَالْأَرْضُ -

قبرگاہ حسینؑ پر آئے تو جناب علی علیہ السلام نے
فرمایا کہ یہ شہیدوں کے اونٹ بٹانے کی جگہ ہے
اور اس جگہ کجاوے رکھے جائیگے اور یہ ان
کے خون بہنے کا مقام ہے۔ اہل بیت محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے کتنے ہی جوان یہاں شہید کر دیے
جائیگے اور روئیں گے ان پر زمین و آسمان۔

پیشگوئی نمبر ۱۱

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَوْحَى اللَّهُ
لَعَالِي إِلَى مُحَمَّدٍ إِنِّي قَتَلْتُ بِحَبِي
بَنَ زَكْرِيَّا سَبْعِينَ أَلْفًا وَإِنِّي قَاتِلُ
بَابِنِ بَنَتِكَ سَبْعِينَ أَلْفًا
وَأَلْفًا -

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرمائی
کہ ہم نے یحییٰ بن زکریا کے قتل کے عوض ستر ہزار
لوگوں کو مارا اور آپ کے بیٹے کے قتل کے بدلہ

میں ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس لوگوں کو ماریں گے۔
(یہ روایت زینب بنت جحش سے بھی مروی ہے)۔

پیشگوئی نمبر ۱۲

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنَّ
جِبْرِيلَ أَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّتِي
يَقْتُلُ هَذِهِ وَإِنَّهُ أَكْثَرُ غَضَبِ
اللَّهِ عَلَى مَنْ يَقْتُلُهَا -

اُمّ المؤمنین حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے
جبریل نے خبر دی ہے کہ میری امت کے لوگ اس
(میرے بیٹے حسینؑ کو) شہید کر دیں گے اور ان لوگوں
پر اللہ تعالیٰ کا شدید قہر و غضب نازل ہوگا اس قتل کی وجہ سے۔

Madina Liabrary Group On Whatsapp For any book in Pdf Contact +923139319528

مقصدِ حسین علیہ السلام

مؤرخ ہو یا محقق کسی نہ کسی نظریہ کا پابند ضرور ہوتا ہے اور ہر قسم کے واقعات کی شیرازہ بندی کرتے وقت اپنے نظریات کی تسکین کا سامان ضرور فراہم کرتا ہے۔ ہاں! ایک بات ضرور ہے کہ ان میں سے بعض لوگ متشدد اور متعصب ہوتے ہیں۔ لہذا واقعات کی ترتیب کے وقت ان کی نظریاتی چھاپ کا رنگ گہرا ہوتا ہے اور ہر قاری کا ذہن اس کی مقصد برآری کو بھانپ لیتا ہے۔

اور جن لوگوں میں تعصب کی شدت نہیں ہوتی، وہ اپنے نظریات کو کچھ ایسے غیر محسوس طریقہ سے سپرد قلم کرتے ہیں کہ ان کا آسانی سے تجزیہ نہیں کیا جاسکتا، تاہم اگر ان کی تحریریں پر گہری نظر رکھی جائے تو سب کچھ کھل کر سامنے آجاتا ہے، شہادتِ حسین علیہ السلام کے واقعات ان لوگوں کو بھی مرتب کرنے کا موقع ملا جن کے ذہنوں میں امام عالی مقام کے بارے میں شکوک و شبہات نے کھلبلی مچا رکھی ہے، چنانچہ انھوں نے ایک آڑ سامنے رکھ لی کہ ہم شخصیت پرست نہیں ہیں، اور ہمیں تو صرف تاریخی حقائق پیش کرنا ہیں۔

بالآخر وہ بزدل کے حق میں شخصیت پرستی کا فریضہ بھی ادا کر دیتے ہیں۔ ہمارا موقف اس بارے میں یہ ہے کہ اگر ترتیب واقعات کے وقت کسی شخص کے سیرت و کردار اس کی شخصیت اور مقاصد کو سامنے نہ رکھا جائے تو کسی بھی واقعہ کا تجزیہ کرنا ناممکن اور امر محال ہے۔ اس پر ہم آگے چل کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کی جگہ سے استدلال پیش کریں گے۔

یہاں تو یہ بتانا ہے کہ باوجود اس قسم کے مؤرخین و محققین کے ہدفِ تنقید بن جانے کے واقعاتِ شہادتِ حسین اُسی طرح نکھرے ہوئے ہیں جس طرح اس عظیم شہادت کا اپنا رنگ نکھرا ہوا ہے۔ متشددین کے قلموں کی سیاری کے دھتے نورِ شہادت کی تابانیوں پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہو سکے اور یہی اس کا مقصد شہادتِ عظمیٰ کا کمال ہے۔ امام حسین علیہ السلام کو ایک عام آدمی کے روپ میں پیش کرنے کے باوجود ان کی عظمت میں کمی نہ کی جاسکی۔

اہل ایمان کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی پوری پوری کوشش کی گئی لیکن اللہ - ن علیہ السلام کی عظمت کو دلوں سے محو نہ کیا جاسکا۔ دنیا والوں نے تعصب پر ور لوگوں کی نام نہاد تحقیق کو خرافات کا نام دیکر ٹھکرا دیا اور حسین علیہ السلام کے حق میں یہ فتویٰ دیا کہ:-

آل امام عاشقاں پور بتول
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
بہر آں شہزادہ خیر الملل
سرخ رو عشق غیور از خون او
در میان امت آں کیواں جناب
سرو آزادے زبستان رسول
معنی ذبح عظیم آمد پس
دوش ختم المرسلین نعم الجمل
شوخی ایں مصرع از مضمون او
بمحو حرف قل ہو اللہ در کتاب

تیغ بہر عزت دین است و بس !

مقصد او حفظ آئین است و بس (اقبال)

معرکہ کرب و بلا کا تجزیہ کرنا ہے تو پہلے سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی شخصیت سے تعارف حاصل کرو۔ حسینؑ کے منصبِ جلیلہ کو دیکھو۔ مقامِ شہیری کی عظمت و رفعت سے شناسائی حاصل کرو۔ نواسہ رسولؐ کی ذمہ داریوں سے آگاہی حاصل کرو۔ اُس درخشندہ شہادت کی تابانیوں کا مشاہدہ کرنا ہے تو تاویلوں کے پھندے نہ لگاؤ۔ تعصب کی لپیٹ میں آئی ہوئی مسخ شدہ تواریخ کے دام نہ بچھاؤ۔ عقلِ ناتمام کے شتر بے مہار کی جولانیاں نہ دکھاؤ۔ حسینؑ کی شہادت کے اوجِ مکالمات تک عقلِ نارسا کی رسائی ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

اگر عقل سے کچھ کام لینا مقصود ہے تو اسے اس طرح سوچنے دو کہ اللہ تعالیٰ کے سچے دوستوں کے ساتھ ساتھ بعض لوگ جھوٹ موٹ کی نبوت کے دعویدار بھی پیدا ہوتے رہے۔ بلکہ ولایت و غوثیت اور نبوت و رسالت سے بڑھ کر لوگوں نے مقامِ الوہیت پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی اور دنیا میں کئی مُرد و فرعون اور شداد جیسے بدکیش انسان پیدا ہوئے جنہوں نے عللاً اعلانِ دعویٰ الوہیت و ربوبیت کیا؛ لیکن اس کے برعکس تیرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود کسی شخص نے بھی حسینؑ بننے کا دعویٰ نہیں کیا، کیوں دعویٰ نہیں کیا؟ اس لئے کہ حسینؑ بننے میں صرف اپنی جان ہی نہیں جو ان بیٹوں کی لاشوں کو بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ معصوم بچوں کو آغوش میں لے کر بارگاہِ ایزدی میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ حسینؑ بننے کیلئے گھر بار چھوڑ کر تین دن پہلے سے رہ کر تپتی ہوئی ریت پر تلوار کی دھار کے نیچے سجدہٴ محبت ادا کرنا پڑتا ہے۔

کوئی مثال شرِ ثقلین بن نہ سکا !
 نبی کے نور کا دو نورِ علین بن نہ سکا !
 ولی بنے، وصی بنے، نبی بنا ڈالے
 خدا بھی بن گئے لیکن حسینؑ بھگ نہ سکا

عقلِ ناتمام اعتراض کرتا ہے کہ حسینؑ کو کوفیوں نے حکومت کے سبز باغ دکھائے تھے حسینؑ تختِ حکومت کے حصول کے لئے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ جارہے تھے کہ چنڈیاسی غلطیوں کی بنا پر اپنا بال بچہ بھی کٹوا بیٹھے اور اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اگر آپ تختِ تاج کے لالچ اور حکومت کی ہوس میں جلد بازی نہ کرتے تو یقیناً ان کا یہ حشر نہ ہوتا۔ اور حسینؑ نے یزید کی بیعت سے اس لئے انکار کیا تھا کہ ایسا کرنے سے حکومت ملنے کا چانس ختم ہو جاتا اور شہنشاہی کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتا۔ اہل محبت اس کا جواب یہ بھی دیتے ہیں کہ حسینؑ صرف حصولِ شہادت اور مرتبہٴ ذریعِ عظیم پانے کے لئے کربلا میں گئے تھے۔ اور وہ ہرگز یزید سے حکومت حاصل کرنے کے لئے نہیں گئے تھے۔ لیکن یہ خیال صرف یہاں تک درست ہے کہ آپ کو اپنا امتحان دیکر ذریعِ عظیم کے مرتبہ کو حاصل کرنا تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ وہ تختِ خلافت کے لئے نہیں گئے تھے غلط ہے۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو شہادتِ حسینؑ پر ہرگز وہ نکھار نہ آسکتا جس نے کائنات کو منور کر رکھا ہے۔ حسینؑ اسلامی سلطنت کے شہزادے تھے۔ تختِ خلافت حسینؑ کا ذاتی حق تھا۔ امیر معاویہ اور حضرت حسن علیہ السلام کے صلح کی ایک شق یہ بھی تھی کہ اپنے بعد خلافت خاندانِ نبوت کو واپس کر دی جائے گی۔ یہ صورت نہ بھی ہوتی تو اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ حقدار حسینؑ تھے۔ یہی نہیں کہ آپ خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ تھے۔ بلکہ اپنے تجربات کی بنا پر اپنی ذاتی وجاہت اور تقویٰ و طہارت کی بنا پر بھی حسینؑ اس منصبِ جلیلہ کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

اور یہ تو شریعتِ مطہرہ کا فرمان ہے کہ اپنے حق کے لئے لڑنا جہاد ہے اور اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے جان دینا شہادت۔ یہ تو عام مسلمانوں کے لئے حکم ہے۔ پھر امام حسینؑ نے اپنا حق مانگا تو کونسا جرم تھا۔

سہا یہ گمان کرنا کہ امامِ عالی مقام جاہ و حلال کے لالچ اور ہوسِ اقتدار کے لئے

خلافت کے دعویدار ہوئے تھے تو یہ محض حماقت اور بہودگی اور عقلِ ناتمام کا پاگل پن ہے۔ حقائق سے دانستہ چشم پوشی ہے جس بھی توہم نے بتایا ہے کہ کسی کے حق میں کوئی فیصلہ دینے سے پہلے اُس کی شخصیت سے تعارف حاصل کرو۔ لوگوں نے انبیاء کرام کی تعلیمات کا مذاق اڑایا اُن کی عزت کا مسخر اڑایا، اُن کو وسائل کی کمی کا طعنہ دیا، اُن کے ساتھ مقابلہ کیا اور کئی ایک کو شہید بھی کر دیا۔ تو کیا اس سے یہ رائے قائم کر لی جاتے گی کہ اُن انبیاء کرام سے معاذ اللہ سیاسی غلطی ہو گئی۔ وہ اس بے سرو سامانی میں لوگوں کو کیوں دعوتِ الی الحق دیتے تھے اور وہ معاذ اللہ لوگوں پر حکومت کرنے کے خیال سے ہر جابر قوت سے ٹکرا جلتے تھے۔

اگر تم کفار و مشرکین کی طرح انبیائے کرام کے اندازِ تبلیغ کو دیکھو گے تو بھر دور جانے کی بات نہیں ابو جہل کے تاریخی تبصرے جمع کرو۔ تمہاری ناتمام عقلیں اُس کی بیشتر باتوں کو درست اور ٹھیک تسلیم کر لیں گی۔ یہود و نصاریٰ اور عادی و ثمود کی قوموں کے ریمارکس کو سامنے رکھ لو تمہیں نبوت و رسالت کے مقام میں خامیاں نظر آجائیں گی۔ اور اگر حسینؑ کو دیکھنا ہے تو محمدؐ عربی کے غلاموں کی طرح دیکھو۔ حسینؑ کی شہادت پر عیسائی مؤرخوں کے تبصرے پیش نہ کرو۔ حسینؑ دنیاوی جاہ و جلال اور مال و منال کے لئے خلافت کے خواہشمند نہیں تھے حسینؑ! خلافت کو اپنا حق سمجھ کر مانگتے تھے، حسینؑ تختِ حکومت کے بغیر بھی اسلام کے شہزادے تھے، بلادِ اسلامیہ میں جو احترام حسینؑ کا تھا وہ کسی دوسرے کو کیا نصیب ہو گا۔ حسینؑ مسندِ حکومت پر ہوں یا حجرۂ فاطمہؑ کی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر۔ شہزادۂ رسولؐ کے نام سے ہی پکارے جاتے۔

دنیاوی جاہ و جلال اور مال و منال اور مناصبِ حکومت کی کسے بھوک تھی! حسینؑ کو؟ اُس حسینؑ کو جس کا نانا کائناتِ عالم کا مالک و مختار اور عرب و عجم کا تاجدار ہے اور اُس کی ماں اپنے ہاتھوں سے چکی پستی ہے۔ اپنے کندھوں پر پانی کے مشکینے اٹھاتی ہے۔ اُس حسینؑ پر دولت و ثروت کا بھوکا ہونے کا گمان کرنے ہو جس کا والدِ محترم خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین ہے مگر وہ معتد بہارِ حج بیت اللہ کے لئے پیدل تشریف لے جاتا ہے۔

حسینؑ پر ہوسِ اقتدار کا الزام لگانے سے پہلے صرف ایک بات بتا دو کہ جب اُن کے والدِ محترم حیدرؑ کو ارِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مملکتِ اسلامیہ کے حکمران تھے تو اُس وقت حسینؑ نے اپنے لئے کون کونس جائد بنائی۔ بلادِ اسلامیہ میں کہاں کہاں اپنی ذات کیلئے عمارتیں تعمیر

کہ وائیں، کتنے باغات خریدے، کہاں کہاں زمینیں خریدیں اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں کن کن آسائشوں کا اضافہ کیا، کس قدر سونا جمع کیا اور کس قدر جواہرات اکٹھے کئے۔

ہمیں اس حلقہ کو مباحث سے پاک رکھنا ہے اس لئے زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ حسینؑ کا ہر دور میں جو کچھ بھی تھا خدا کا تھا بلکہ حسینؑ تو خدا کے راہ پر فروخت ہو چکا تھا۔ آپ کے پاس جو کچھ بھی آتا وہ غریبوں، مسکینوں، محتاجوں اور ناداروں میں تقسیم ہو جاتا۔

نادانوں! امام عالی مقام یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم میدانِ کربلا میں بال بچوں سمیت شہید کر دیئے جائیں گے۔ ٹھیک اس عزم و ارادہ کے ساتھ اُٹھتے ہیں کہ یزیدِ پلید کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ گو فیول نے آپ کو یہی لکھا تھا کہ پھل پک چکے ہیں آپ تشریف لے آئیں۔ آپ جانتے تھے کہ کوفہ والے بد عہدی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ لیکن آپ کو حفاظتِ حق کے لئے بہر صورت جانا تھا اور دنیا کو بتانا تھا کہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے جابر و ظالم سے ٹکرا نا بھی پڑے تو ٹکرا جاؤ۔

اور حسینؑ کا یہ حق محض بلادِ اسلامیہ کی مخصوص شدہ سرحدوں تک ہی نہیں تھا، بلکہ اسلامی قلمرو کی متعین کردہ گئی سرحدوں سے بڑھ کر نظامِ شریعت اور اسلامی حدود تک بھی رہتا، اسلام کی ان حدود تک جن کو یزیدِ پلید حکومت کے نشے میں بدمست ہو کر توڑ رہا تھا۔

حدودِ شریعت کی حفاظت کے لئے حسینؑ نہ اُٹھتے تو کون اُٹھتا۔ جن کی چیز حق انہیں ہی حفاظت کرنا تھی۔ شریعتِ حسینؑ کے نانا کی تھی، دینِ اسلام حسینؑ کے نانا کا تھا پھر اگر ان کی حفاظت حسینؑ نہ کرتے تو کون کرتا۔

معرکہ کربلا کی حقیقت سے آشنائی چاہتے ہو تو اسے اس انداز میں نہ دیکھو کہ دو آدمیوں کا جائداد کے لئے جھگڑا ہو گیا ایک مارا گیا اور دوسرا مالک ہو گیا۔ دو گروہوں میں لڑائی ہوئی ایک کو شکست ہو گئی اور دوسرا جیت گیا۔

اس کو دیکھنا ہے تو تنازعہ فیہ مسائل کو سامنے رکھو۔ طرفین کی شخصیتوں کا تعین کرو تنازعہ تو رہتا ہے۔ ابراہیمؑ اور فرود میں بھی تنازعہ تھا، موسیٰ اور فرعون میں بھی جھگڑا تھا۔ مصطفیٰؐ اور ابو جہل میں بھی دشمنی تھی۔ پھر تم کس کے حق میں فیصلہ

دور

تاریخ سے کیا پیش کر دے گے۔ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرود یوں کے بتوں کو پاش پاش نہیں کیا تھا۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی کو نہیں کھینچا تھا۔ کیا انہوں نے اپنے تمکے سے بنی اسرائیل کے ایک شخص کو ہلاک نہیں کیا تھا۔ کیا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے لڑائیاں نہیں کیں۔ کیا صدیق اکبر نے زکوٰۃ نہ دینے والوں پر فوج کشی نہیں کی۔ پھر تم کس طرح دو گروہوں کے تصادم کو ایک ہی معیار پر رکھ کر جانچ سکو گے کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہیں شخصیتوں کو دیکھنا پڑے گا۔ ان کے مقاصد کو دیکھنا پڑے گا حق اور باطل میں امتیاز کرنا ہو گا۔ حق کو حق مان کر اور باطل کو باطل قرار دیکر فیصلہ کر دے گے تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔

موسیٰ و فرعون و شبثیر و یزید	ایں دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوت شبثیری است	باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآن گینخت	حریت را ز ہر اندر کام برینخت
خاست آن سر جلوہ خیر الائم	چوں سحاب قبلہ باران در قدم
برزین کر بلا بارید و رفت	لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد	موج او خون چمن آباد کرد
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است	پس بنائے لالہ گرویدہ است
مدعائش سلطنت بودے اگر	خود نکردے با چنیں سامان سفر
دشمنان چوں ریگ صحرا لا تعد	دوستان او بہ نیز و آل ہم عدد
تیرا ابراہیم و اسماعیل بود	یعنی آل اجمال را تفصیل بود
عزم او چوں کو مہساران ہمتوار	پانڈار و تند سیر و کامگار
تین بہر عزت دین است و بس	مقصد او حفظ آئین است و بس
ما سوا اللہ را مسلمان بندہ نیست	پیش فرعون نے سرش افگندہ نیست

۱۔ سلطنت سے مراد وہی تخت حکومت ہے جس کی آرٹریکٹر دشمنان اہل بیت حسین کی شہادت کو خروج و بغاوت کا نام دیتے ہیں۔

۲۔ یزید کے بہتر عدد ہوتے ہیں اور امام و امام مقام کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ حق ہے۔

خون او تفسیریں اسرار کرد
تغ لاچوں از میاں بیرون کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
رمز قرآن از حسین آموختیم
شوکت شام و فر بغداد رفت
تار ما از زخمہ اش لوزاں منور
ملت خوابیدہ را بیدار کرد
از رگ ارباب باطل خون کشید
سطر عنوان نجات مانوشت
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم
سلطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تازہ از تکبیر او ایساں منور
اے صبا اے پیکِ دُور آفتادگان

اشکِ ما بر خاکِ پاک او رساں (اقبال)

جانبین کے مقاصد کے امتیاز اور حق و باطل کی تمیز کئے بغیر جب کوئی فیصلہ کیا جائے تو وہ راہِ صواب پر کیسے ہو سکتا ہے۔

یزیدِ پلید کا مقصد
یزیدِ پلید کا مقصد تھا کہ اسلام کا قلاوہ گرون سے اتار کر حکومت کی جائے۔ اسلامی اقدار کو پاؤں تلے روند کر داعیِ عیش دی جائے۔ محمد عربی کے قوانین کو نوڑ دیا جائے۔ حدودِ الہیہ کے نشانات معدوم کر دیئے جائیں۔ دستورِ خداوندی کو پامال کر دیا جائے۔ آئینِ شریعت کو مسخ کر دیا جائے۔ مسجدیں ویران ہوتی ہیں تو سو جائیں۔ عیش و نشاط کی محفلیں برپا ہوتی رہیں۔ اُس دینِ متین کو مٹا دیا جائے جسے رسولِ ہاشمی نے ہزاروں مصائب اور سینکڑوں مشکلات برداشت کر کے لوگوں تک پہنچایا تھا۔

یزیدِ پلید کا مقصد تھا کہ میں اہل اسلام کے دلوں سے حرارتِ ایمانی ختم کر دوں۔ اسلام کی مرکزیت مٹا دوں۔ عظمتِ مصطفیٰ کے پرچم کو داغدار کر دوں۔ مسلمانوں کی رسولِ خدا سے وابستگی کا تصور فنا کر دوں۔

اور پھر اُس نے اس کی ابتدا بھی کر دی۔ عوام کا لالچاں ہوتے ہیں۔ اُن کا دین دینِ ملوک ہوتا ہے۔ وہ بادشاہ کے دین پر گامزن ہونے کو باعثِ عزت و افتخار سمجھتے ہیں۔ فسق و فجور اور بے حیائی کی ابتدا شاہی محلات سے کی گئی تھی۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس کے اثرات آہستہ آہستہ دنیائے اسلام پر مرتب ہوتے۔

ایک مسلمہ اصول کے مطابق حاکمِ دیندار اور نیک ہو تو وہ عوام الناس میں بھلا ہوگا

ہر ایک کو برقاہ حاصل کر سکتا ہے اور اگر حاکم بد اعمالیوں اور بے نیایشیوں کا شکار ہو جائے تو عوام کی لپیٹ میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

شاہی محلات اور ایوان صدر سے نکلی ہوئی برائیوں کو کیسے روکا جاسکتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اُلٹیے۔ ہر دور کا تصویر کے خدوخال ملاحظہ کر لیجئے۔ ہر دور اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دے گا کہ اگر حاکم نیک دل اور دیانتدار ہے تو اس نے عوام کی اصلاح کر دی اور اگر حاکم بدکار و بددیانت ہے تو اس نے عوام کے اخلاق کا بھی بڑا غرق کر دیا۔

یزید نے بدکاری اور بے حیائی کی ابتدا ایوان صدر سے کی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ عالم اسلام اس کی پینٹ میں آجاتا۔

ضمیر فروشوں، پیٹ پرستوں اور ہوس زدہ لوگوں کی کثیر تعداد ہر دور میں موجود رہی ہے بلکہ ہر شعبہ حیات میں ایسے لوگ اپنی چالاکیوں اور سفاکیوں کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ سوداگر بنتے ہیں۔ ان کو دولت سے پیار ہوتا ہے۔ دولت کا لالچ دیکر ان سے جو چاہو خرید لو۔ ان کے پاس جو کچھ بھی ہو گا فروخت کر دیں گے۔ بالآخر ان کا سب کچھ بک جاتا ہے حرارت ایمانی بک جاتی ہے، دیانت و صداقت فروخت ہو جاتی ہے، ضمیر کی زندگی کا سودا ہو جاتا ہے، قلم کی عصمت نیلا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ان کے قلب و روح اور جسم و جان ہر چیز بازاری جنس کی طرح خریدار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

یزید خریدار تھا، ضمیر فروشوں کی منڈی لگی ہوئی تھی، مستحق محروم تھے اور بیت المال کا قومی خزانہ فروخت ہو نیوالوں کی تجوریوں میں منتقل ہو رہا تھا۔

فروخت شدہ جمعی حضورؐ نے، یزید کے ہر فعل قبیح کو اسلام کے محاسن بنا کر پیش کرتے یزید کا مقصد پورا ہو رہا تھا شیطان فسکور رہا تھا۔

روح اسلام کفر و الحاد کے شگفے میں جکڑی ہوئی پھڑپھڑا رہی تھی۔ اسلام خون کے آنسو رو رہا تھا۔

دربار میں ضمیر کی مٹی پلید تھی

گویا بدی جہاں میں بشکل یزید تھی (عاشق کیرانوی)

یزید کے قلب سیاہ میں روح ابلیس حلول کر چکی تھی۔ وہ سرمایہ اسلام لٹا دینے پر تل گیا تھا

جس اسلام کے لئے تاجدار انبیاءؑ نے پیٹ پر پتھر باندھے اور جسم نازنین پر پتھروں کی بارش

برداشت کی یزید اس کو مٹا دینا چاہتا تھا۔

جس اسلام کی حفاظت کیلئے سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی نجف اور ملا خیم کو ڈھال بنائے رکھا یزید اس کی صورت مسخ کر دینا چاہتا تھا۔

جس اسلام کی سرحدیں کھینچنے بغیر حان کی پروا دکنے سیدنا فاروق اعظمؓ نے علی الاعلان اہتمام اذان کیا تھا۔ یزید اس کی آواز صداقت اذان کو خاموش کر دینا چاہتا تھا۔

جس اسلام کو قطع و برید ہونے سے بچانے کیلئے سیدنا عثمان غنیؓ نے اپنے جسم مقدس کو قطع کر دیا یزید اس اسلام کے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا۔

جس اسلام کو ضربِ یدِ الہی اور قوتِ خیر شکن نے زندگی دی تھی یزید اسے فنا کر دینا چاہتا تھا۔

جس اسلام کے تحفظ کیلئے سیدنا امیر حمزہؓ کا ایک ایک عضو کٹ چکا تھا، یزید اس اسلام کی زنج و بن ہلا دینے کے لئے پرتوں راتا تھا۔

اسلام آتی اصل ریح یعنی تقویٰ و طہارت کی جو تصویر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت نے پیش کی تھی یزید اس پر فسق و فجور اور بیکاری و بے حیائی کی لکیریں کھینچ دینا چاہتا تھا۔

یزید نے اگر اپنے کافرو مانع اور ملحدانہ روح پر اسلام کا لبادہ نہ اوڑھا ہوتا تو اسلام کو اس سے وہ خطرہ نہ ہوتا جو اب تھا۔ وہ خلیفۃ المسلمین بھی کہلاتا تھا اور مسلمانوں کا دشمن بھی تھا وہ امیر المؤمنین بھی بنتا تھا اور مومنوں کے حقوق پر بھی ڈاکہ ڈالتا تھا۔ وہ اسلام کے نام پر اسلام کی حدود کو توڑ رہا تھا اور کوائے کے لوگ اس کے ہر مذموم و قبیح فعل کو اسلام کے نام سے پیش کر رہے تھے

ان حالات میں یزیدی اسلام کی کیا صورت ہوتی؟ یزیدی اسلام میں اسلام کی حقیقی روح تقویٰ و طہارت کا نام تک نہ ہوتا۔ یزیدی اسلام میں ام الخبائث شراب کا پلنا جائز و مباح بلکہ موجب ثواب ہوتا۔ یزیدی اسلام میں محرمات سے نکاح جائز ہوتا۔ یزیدی کے اسلام میں منکر و منکرانہ کار محض ہوتا حتیٰ کہ یزید کے اسلام میں اسلام کا نام تک نہ ہوتا اس لئے کہ تمام تزکیہات و منکرات کو اسلام میں داخل کرنے کی ابتدا اس نے اپنی مکروہ شخصیت سے کی تھی وہ تارک نماز بھی تھا اور زانی بھی حیاش بھی تھا اور بددیانت بھی، شرابی بھی تھا اور بدکردار بھی

بھی۔ بیت المال کا خاٹن بھی تھا اور قرآن و سنت کا مخالف بھی۔ وہ محرمات سے نکاح جائز سمجھتا تھا اور اُس نے اپنی ٹھوپھی سے نکاح کر رکھا تھا۔ وہ کھلے دربار میں شراب پیتا تھا اور اُس کے درباری بھی۔

جو خود زانی ہو وہ حد زنا کس پر قائم کرتا۔ جو خود شرابی ہو وہ شراب پینے والوں کا مواخذہ کیسے کرتا۔ جو خود تارک نماز ہو وہ ترغیب نماز کیسے دیتا؟ جو خود بیت المال کا چور ہو وہ دوسروں کے ہاتھ کیسے کاٹتا۔ جو خود حدودِ الہیہ کو توڑتا ہو وہ ان کی حفاظت کیسے کر سکتا۔ جو خود شریعت کا باغی ہو وہ دوسروں سے احترامِ شریعت کیسے کروا سکتا تھا۔

ہم اپنے وعدہ کے مطابق یزید کے اُن قداروں اور خانہ زادوں کو اس حصہ میں مخاطب نہیں کریں گے جو دنیا کو باور کرا دینا چاہتے ہیں کہ یزید تقویٰ و مہرِ رت کا بیٹا تھا بڑا عاقل اور نصف مزاج تھا، بڑا نیکو کار اور پرہیزگار تھا، صحابہ کرام کا مولہ اور سنتِ مصطفیٰ کی تصویر تھا۔ مجاہدِ اسلام اور بہت بڑا ولی اللہ تھا۔ اور اس کے عرسِ امام حسینؑ ہوس کا پسکر، ایچ کاپٹلا، حکومت کا بھوکا، ضدی انسان، خلافتِ اسلامیہ کا باغی اور نااہل سیاست دان تھا۔ معاذ اللہ۔

ہم ان حواریانِ یزید کیلئے ہدایت کی دعا بھی نہیں کریں گے۔

جو بھی ان کے دلائلِ آئلبے کرتے ہیں! میرے آقا حسینؑ کی عظمت و سربندی تک ان کے طعن و تشنیع کے تیر قیامت تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ لوگ جس قدر زیادہ مخالفانہ کریں گے شہادتِ حسینؑ کا رنگ اور زیادہ نکھرتا جائے گا۔ خونِ حسینؑ کی سُرخی میں مزید حسن آتا جائے گا۔

اس راز سے واقف ہیں زلمنے والے
زندہ ہیں محمدؐ کے گھرانے والے
میٹ گئے، مٹتے ہیں، میٹ جائیں گے آخر
شبیرؑ: ترا نام مٹانے والے

دشمنانِ حسین علیہ السلام کے قلم لکھتے لکھتے کچھ ٹوٹ گئے کچھ ٹوٹ جائیں گے، ان کی زبانیں بھوٹ کو بیچ ثابت کر کے کرتے خاموش ہیں حسین فاطمہؑ کا ابدی یاد زندہ

نہ بید کا وہ ستم رہا نہ وہ ظلم ابن زیاد کا
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ کرتی ہے کربلا (ظفر علی خان)
ہر دو کا دیا نندار اور حق پرست انسان شہیدِ اعظم کے حضور میں نذرانہ عقیدت و
موت اور خراجِ محبت پیش کرتا رہے گا۔ واقعہ کربلا کو جس قدر دبا یا جائیگا یہ اُسی قدر
شہرت پذیر ہو تا رہے گا۔

ظلم کی تکرار میں حق کی صدا بڑھتی رہی سرخی سنونِ شہیدِ نبویا بڑھتی رہی
جتنا شغلِ محتسب: دشوار تر ہوتا گیا اتنا ذکرِ خونِ ناحقِ مشہر ہوتا گیا

زمانے نے ہزاروں کروٹیں بدلیں لیکن حقیقت تبدیل نہ ہو سکی۔ حق کا انکار
کیا گیا مگر حق حق ہی رہا۔ باطل کو نواز گیا لیکن باطل باطل ہی رہا۔ ظلم و ستم کو عدالت کا
نام دینے والے فنا ہو گئے لیکن ظلم کو عدل ثابت نہ کر سکے۔
عظمتِ حسینؑ کا اندازہ کرنے والے میٹ گئے لیکن حسینؑ حسینؑ ہی رہے۔ انہیں
رسولِ خدا کی تصویر ہی کہا جاتا ہے، اسلام کا محسن اور قرآن کا محافظ ہی کہا جاتا ہے۔
پاسبانِ شریعت اور شہیدِ اعظم کے لقب سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔ لوگ جانتے ہیں اور
جانتے رہیں گے ملتے ہیں اور مانتے رہیں گے۔ کہ خونِ حسینؑ کے انوار و تجلیات نے
کرب و بلا کی سرزمین کو جنت کا ٹکڑا بنا دیا ہے، قدروں کو آفتاب کر دیا ہے اور موت کو
زندگی میں تبدیل کر دیا ہے۔ قلبِ مومن سے ہمیشہ یہ صدا اٹھتی رہے گی۔

دشتِ بلا کو عرش کا زینہ بنا دیا
جنگل کو مصطفیٰ کا مدینہ بنا دیا
ہر ذرے کو نجف کا نگینہ بنا دیا
تو نے حسینؑ مرنے کو چھینا بنا دیا
پھو اجو تو نے کنکروں کو در بنا دیا
قیدی جو آیا سامنے تو حر بنا دیا

بہر حال ہر دو جانب کے مقاصد سامنے رکھ کر ایمان و دیانت کے ساتھ جو فیصلہ

یہ جگہ گاہی درست اور ٹھیک ہوگا۔ مقصدِ حسین علیہ السلام بھی سامنے آئے۔
مقصدِ یزیدِ پلید بھی۔

یزید کا مقصد تھا اسلام کو مٹانا، امام حسین کا مقصد تھا اسلام کو بچانا۔
یزیدِ پلید کا مقصد تھا شریعت کی حدوں کو توڑا جائے! امام حسین کا مقصد تھا
حدودِ شریعت کی حفاظت کی جائے۔

یزید کا مقصد تھا نظامِ مصطفیٰ کو تبدیل کر دوں! امام حسین کا مقصد تھا نظامِ
مصطفیٰ کا مکمل نفاذ ہو جائے

یزید کا مقصد تھا! حکومت کی بالادستی تسلیم کی جائے، امام حسین کا مقصد تھا
شریعت کی بالادستی قائم رہے۔

یزید کا مقصد تھا! حرمتِ قرآنی کو نیلام کیا جائے، حسین کا مقصد تھا قرآن کا
احترام کیا جائے۔

یزید کا مقصد تھا! حق خود ارادیت چھین لیا جائے۔ حسین کا مقصد تھا حق خود ارادیت
کا تحفظ کیا جائے۔

یزید کا مقصد تھا! حسین حق کی آواز کو روک دے۔ امام حسین چاہتے تھے
کہ حق کا بول بالا رہے۔

یزید چاہتا تھا کہ حسین میری غیر اسلامی حکومت کو خلافتِ حق تسلیم کرے۔
امام حسین کا مقصد تھا کہ اسلام میں کفر کو غلط ملط نہ ہونے دیا جائے۔

یزید چاہتا تھا کہ اگر حسین نے میری ہاں میں ہاں ملا دی تو میری بات بن جائیگی۔
امام حسین کا مقصد تھا کہ اگر ایسا ہوا تو اسلام کی بات بگڑ جائے گی۔

یزید چاہتا تھا! جبر و تشدد کی حکومت ہو۔ امام حسین چاہتے تھے عدل
انصاف کی حکومت ہو۔

یزید چاہتا تھا! شیطانی حکومت کو رحمانی خلافت تسلیم کر دوں۔ امام حسین
کا مقصد تھا اس فریب کو بے نقاب کر دوں۔

یزید کا مقصد تھا، جسموں پر حکومت کرنا، امام حسین کا مقصد تھا رُوحوں
پر حکومت کرنا۔

یزید کی طرف شیطان تھا، امام حسین کی طرف رحمان تھا۔ یزید کی طرف سے شیطانی قوت اٹھی، امام حسین کی طرف سے رحمانی طاقت اٹھی۔ اور دونوں طاقتیں پوری شدت سے بد دوسری کے ساتھ ٹکرائیں۔

موسى و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید
زنده حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است (اقبال)

شیطان قوت نے بھرپور حملہ کیا۔ رحمانی قوت استقامت کا پیکر بنی رہی۔ شیطان قوت نے آواز دی اب بھی مجھے حق تسلیم کرو۔ رحمانی قوت نے جواب دیا یہ ناممکن ہے شیطان طاقت نے کہا میں تیری گردن پر خنجر پھیر دوں گی۔ رحمانی طاقت نے کہا میں تیرا نام و نشان مٹا دوں گی۔ شیطان طاقت نے لٹکارا میں تجھے خانماں برباد کر دوں گی، رحمانی طاقت نے کہا میں خانہ و فام آباد کر دوں گی۔ اور پھر رحمانی قوت کے پیکر حسین حضرت حسین علیہ السلام جبر و استبداد و ظلم و استبداد کے یزیدی طوفانوں سے اس طرح ٹکرائے گئے کہ:-

کچھ خوف تھا چہرے پہ نہ تشویش و راضی
ہر ایک ادا منہر تسلیم و رضا تھی
ہر ایک زندہ! شاہد استرار و فنا تھی
ہر جنبش لب! منکر رستہ جفا تھی (فیض)

شیطان کے آئین کو! شبیر نہ ملنے
قرآن کی توہین کو! شبیر نہ مانے (صائم چشتی)

جب اسلام کی شہ رگ پر یزید نے شیطانی نظریات کی تلوار بھیرنا چاہی تو شبیر علیہ السلام نے اپنی گردن پیش کر دی۔ فاطمہ کلال اسلام اور قرآن کا فدیہ ہو گیا! اسلام کو زمین کی گئی قرآن کا تحفظ ہو گیا۔ غامہ المسلمین پر چلنے والی جبر و تشدد کی تلواریں آل محمد کی گردنوں پر چلی گئیں۔

چند فحاشے نے شیطان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔ امت کی سب سے بزرگ ہستی کی

شہادت۔ سے غلط فہمی میں ڈال دیا، اس نے گمان کر لیا کہ اب میں فتح یاب ہوں اور اب میرے سامنے کوئی نہیں اٹھاسکے گا، میں اب یزید جیسے سفاک بھیڑیوں کو اسلام پر مسلط کرتا ہی رہوں گا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آدم کا بدلہ اولادِ آدم سے لے لوں گا۔
 اُسے نہیں معلوم تھا کہ گردنِ شبیر پر چلنے والی جبر و استبداد کی تلوار نے اپنا گلا خود ہی کاٹ لیا ہے۔ حلقومِ اصغر سے نکلنے والی خون کی پتی سی دھار طوفانِ نوح کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اَلِیْتِ مِصْطَفٰی پر برسائے جانے والے زہر میں کچھ موئے تیر کفر و منکرات کے سینہ میں پیوست ہو جائیں گے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ مظلوم کو بلانے اپنی جان دیکر حق و انصاف کو بچا لیا ہے اور حرمتِ قرآنی کا تحفظ کر لیا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ۔
 موجِ خونِ اوچس آباد کرد تاقیامت قطعِ استبداد کرد

اسے کیا معلوم تھا کہ حسین علیہ السلام نے اپنی جان بچا کر کے اسلام کو ذبح ہونے سے بچا لیا ہے اور جب تک اسلام زندہ رہے گا جانشینانِ حسین پیدا ہوتے رہیں گے ہر دور میں جبر و تشدد کو لٹکارا جائیگا، ہر زمانہ میں باطل نظریات کی دجیاں اڑائی جائیں گی اور ہر زمانہ میں نظامِ مصطفیٰ کا جہاد طلب کیا جائے گا۔ ہر حکومت سے حقِ خود ارادیت مانگا جائے گا۔ غلامانِ حسین ہر دور میں اسلام کی بالا دستی کا لوہا منوائیں گے۔ دستورِ شریعت کی حفاظت کریں گے۔ آئینِ قرآن کا نفاذ چاہیں گے۔ محمدی نبی کا قانون مانگیں گے۔ حسینؑ کے نانا کا دستور طلب کریں گے اور پھر یہ حقیقت ظاہر ہوتی گئی، خونِ حسینؑ نے لا اِلهَ اِلَّا اللہ کی جن بنیادوں کو استوار کیا تھا وہ ناقابلِ تسخیر ہوتی گئیں۔ دنیا والے پہلے بھی مشاہدہ کر چکے ہیں اور اب بھی دیکھ رہے ہیں کہ۔

برمانہ ہو گیا، بارغِ محبت کی تباہی کو

ابھی تک ہیں وہی گلکاریاں خونِ شہیداں

بہر صورت کو بلا مٹھنے کے پتے ہوئے ریگستان پر امامِ عالی مقام حضرت امام حسینؑ اور یزیدِ پلید کے درمیان جو جنگ ہوئی اسے عام حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ خالصتاً نظریات کی جنگ تھی، حق اور باطل کا ٹکراؤ تھا۔ ایک طرف امین صادق تھا، ایک طرف خائن تھا۔ ایک طرف مکمل اسلام تھا اور ایک طرف مکمل کفر، یہ جنگ ایمان و دیانت اور کفر و خیانت

تکابین تھی۔

بتا کر خانوادہ مصطفیٰ کو شہید کیا گیا لیکن حقیقت میں یزید مرگیا۔ یزید کے حواری مر گئے۔ یزید کی روح فنا ہو گئی۔ شیطان کی رگیں کٹ گئیں۔ روح اسلام پر پڑنے والے یزیدیت کے منحوس سائے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے معدوم ہو گئے۔

حسین جیت گئے، یزید ہار گیا۔ حسین کے ساتھی حیات ابدی کے مالک بن گئے۔ یزید کے ساتھی کتے کی موت مر گئے۔ محمد عربی کا لادلائیت گیا، بنو امیہ کا ناخلف ہار گیا۔ فاطمہ کمال جیت گیا، ہندو کا پوتا مر گیا۔ روح اسلام فتیاب ہو گئی، روح شیطان شکست کھا گئی۔ ایمان جیت گیا، کفر ہار گیا، حق کو سائل نصیب ہو گیا اور باطل ڈوب گیا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد (محمد علی جوہر)
حسین شہید ہو کر موت کی گرفت سے آزاد ہو گئے، یزید ہلید مر گیا۔ اب اُسے اُس کے حواری قیامت تک زندہ نہیں کر سکتے۔

جگر گوشہ رسول کی شہادت اُن روشن ترین مقاصد کی آئینہ دار ہے جن کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس شہادتِ عظمیٰ کو بے مقصد قرار دینا حقائق سے چشم پوشی اور پاگل پن کی دلیل ہے۔ حسین کا مقصد بلند تھا۔ وہ گردن کٹا کر بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ یزید کا مقصد لغو اور پست تھا وہ حسین کو شہید کر دیا اور بھی ناکام و نامراد ہی رہا۔

یزید کی پوری افواج کی بات چھوڑ دو۔ صرف کربلا میں امام عالی مقام کے مقابلہ

میں آنے والے یزیدی لشکر کی تعداد بائیس ہزار تھی اور امام عالی مقام کے ساتھیوں کی تعداد صرف بہتر تھی۔ اب اس کا یوں موازنہ کریں۔ امام عالی مقام کے عقیدت کیشوں اور غلاموں کی تعداد کورڈوں اور اربوں تک پہنچ جاتی ہے اور یزید کے عقیدت مندوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے امام عالی مقام کے ہاتھ نے ولے کردار حسین کو علی الاعلان پیش کرتے ہیں اور یزید کے حواری یزید کی عظمت کا پرچار اس طرح کرتے ہیں جیسے چوری کر رہے ہوں یا کسی کی جیب کاٹ رہے ہوں جب تک ان کا ضمیر بالکل مردہ نہیں ہو جاتا ہے انھیں احساس ہوتا رہتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور دانستہ غلطیوں میں کر رہے ہیں، قیامت تک نعرہ حسینیت بلند سے بلند ہوتا رہے گا اور ہر سرعام نعرہ یزیدیت لگانے والا کوئی سدا نہیں ہو گا۔

حسینؑ زندہ ہیں۔ زندہ ضمیر حسینؑ کو خراج عقیدہ پیش کرتے ہی رہیں گے۔
 یزیدِ مردہ ہے اُسے وہی نوازے گا جس کا ضمیرِ مردہ ہو چکا ہے۔ رُوحِ ابلیس کا مسکن بھی
 مرے ہوئے ضمیر ہیں۔ زندہ ضمیر تو شیطان کے لئے کھلے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حق پرستوں
 کا لغزہ ہی رہے گا۔

حسینیتِ زندہ باد شہیدِ اعظم پائیدہ باد
 یزیدیتِ مردہ باد یزیدی چیلے مردہ باد

امام عالی مقام کا پیغام تھا، سرکُلتا ہے تو کٹ جائے لیکن باطل کے سامنے جھکنے
 نہ دینا۔ جان جاتی ہے تو جاتے لیکن ایمان نہ جانے دینا۔ کُتبہ لُٹتا ہے تو لُٹ جائے
 لیکن عشق کی آبرو بچالینا۔ بازو کُٹتے ہیں تو کٹ جائیں لیکن عظمتِ قرآن و اسلام کا علم سرنگوں
 نہ ہونے دینا۔ اور یہ پیغام محض زبان سے ہی نہیں دیا تھا بلکہ رِیک زارِ کربلا کے ذرے
 ذرے پر اپنے غیور خون سے نقش کیا تھا۔ جی بھی تو آج بھی کربلا کا ذرہ ذرہ یہ پیغام نشر
 کر رہا ہے اور خونِ حسینؑ آواز دے رہا ہے :-

قتل کا ہوں سے چن کو ہمارے علم
 اور نکلیں گے عشاق کے قافلے

امام حسین علیہ السلام خود اپنے دعوے کی دلیل بن کر دُنیا کے سامنے آئے ہیں
 آپ نے اسلام سے وفاداری کا پیغام خود پسِ کمر و فابن کر دیا۔ جبر و تشدد سے ٹکرانے
 اور صبر و استقامت کا حکم خود پسِ کمر و صبر و استقامت اور تسلیم و رضا بن کر دیا ہے۔ اس
 لئے اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ حسینؑ نے جس ذمہ داری کا اعلان کیا تھا اُسے پورا کر دیا۔
 خدا و رسولؐ کی طرف سے جو حق آپ کے ذمہ تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔

رسمِ عشاق یہی ہے کہ وفا کرتے ہیں
 یعنی ہر حال میں حق اپنا ادا کرتے ہیں
 حوصلہ حضرت شہیدؑ کا اَللّٰهُ اَللّٰهُ
 مہِ خدا ہوتا ہے اور شکرِ خدا کرتے ہیں

قرآن اور حسینؑ

رمز قرآن از حسینؑ آموختیم

(اقبال)

ز آتش او، شعله ہا ختمیم

امام الانبیاء رسول صادق و امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ہم تمہارے درمیان دو چیزیں بھڑک رہے ہیں، ایک تو قرآن ہے اور دوسری میری اہل بیت۔ اگر تم ان دونوں کا دامن تمام کر رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ قرآن اور میری اہل بیت ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور ان کا راستہ کبھی الگ الگ نہیں ہوگا حتیٰ کہ یہ دونوں لکھے حوض کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ عالیشان میں ایک لطیف نکتہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایک خاص الخاص راز سے پردہ اٹھتا ہے۔ قیامت کے دن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پورے میدانِ محشر میں جلوہ گری ہوگی۔

مقامِ محمود و پاک تشریف فرما ہوں گے۔ جنت کے دروازوں کو آپ کھولیں گے۔ عرشِ الہی کے سامنے آپ سجدہ ریز ہوں گے۔ پھر اطراف پر آپ اپنی امت کو گزار رہے ہوں گے۔ "یٰوَالْحَمْدُ" خدا کی تعریف کا پرچم آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کی قیامت آپ فرما رہے ہوں گے۔ خدا اپنے سے حضور میں امت کی سفارش و شفاعت آپ فرما رہے ہوں گے۔ لوگوں کے اعمال و وزن کرنے کے لئے میزان پر آپ ہوں گے۔ امت کے دوزخیوں کو آپ جہنم سے نکال رہے ہوں گے۔ امت کا جہنم میں داخلہ روکنے کے لئے مالک فرشتہ دوزخ سے میرے لشکر کو آپ ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس عرصہ محشر کا کوئی مقام بھی تو ایسا نہیں ہوگا جہاں محبوبِ خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لامتناہی فتوحات کا ظہور ہوگا۔

تو پھر کیا وجہ تھی کہ آپ نے اہل بیت اور قرآن کے لئے فرمایا کہ یہ دونوں جو من کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔ اس میں کوئی خالی حکمت تھی کہ باوجود یورے میدانِ محشر میں بتدریج مسطفا کا ظہور ہونے کے آپ نے قرآن و اہل بیت سے ملاقات کے لئے جو من کوثر کو مخصوص فرمایا۔ اس میں راز یہ تھا کہ رسولِ غیب و ان شہادتِ حسین کی پیشگوئیاں فرما چکے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ کربلا کے پلٹے ہوئے صحرائیں جو انان اہل بیت کے ساتھ میرے حسین کو پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔ شدت کی گرمی میں تین دن کی شدید پیاس سے علی اکبر کے ہونٹ خشک ہو چکے ہوں گے۔ ننھے علی اصغر کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو چکا ہوگا۔ عون و محمد کی رُوحیں پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترس رہی ہوں گی۔ قاسم و عباس اور فرزندِ ان عقیل و جعفر و علی کو پانی کی سخت ضرورت ہوگی۔

خجرجہا کی دھار کے نیچے ظہر کی نمازِ تیمم سے ادا کرنے والے حسین کو عصر کی نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کرنے کے لئے پانی کی ضرورت ہوگی۔ ان حالات میں ضرورتاً تھا کہ کربلا کے پیاسے شہیدوں کا استقبال کوثر و سلسبیل کے جامِ ہاتھ میں لے کر کیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

كِتَابُ اللَّهِ فَبِئْسَ مَسَدٌ وَذُمِّنَ السَّمَاءُ إِلَى الْأَرْضِ وَ غِيَرَتِي أَهْلَ الْبَيْتِ
وَلَنْ يَنْفَرُوا حَتَّى يَرِدَ عَلَى الْخَوَافِ (مشکوٰۃ مترجم ص ۱۱۶)

اہل بیت کو سب سے پہلے جو من کوثر پر آنا تھا اور قرآن کو اہل بیت کے ساتھ آنا تھا۔ اس لئے کہ رسولِ صادق کا فرمان ہے کہ میری اہل بیت اور قرآن ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور پھر اکٹھے ہی حوضِ کوثر پر ملاقات کریں گے۔

حسین قرآن کے ساتھ تھے قرآن حسین کے ساتھ تھا۔ ان اور قرآن کا پھولِ دامن کا ساتھ ہے۔

کربلا کے مغلّی میں دو قرآن دوش بدوش تھے۔ ایک قرآن خاموش تھا ایک قرآن ناطق تھا۔ حسین بھی قرآن تھے اور قرآن بھی قرآن۔ ایک قرآن نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول فرمایا اور ایک قرآن دوشِ رسول کا راکب بنا۔

ایمان حسینؑ مرکز ایمان حسینؑ ہیں
 دوش نبیؑ کی رحل کا قرآن حسینؑ ہیں (عاشق کبر انوی)
 حسینؑ کی عظمت کا اعلان قرآنؑ نے کیا اور قرآنؑ کی عظمت کا علم حسینؑ نے
 بلند کیا۔

حسینؑ کا احترام قرآنؑ نے بتایا اور قرآنؑ کا احترام کر کے حسینؑ نے دکھایا۔
 ناموس حسینؑ کی گواہی قرآنؑ نے دی اور ناموس قرآنؑ کا تحفظ
 حسینؑ نے کیا۔

حسینؑ سے محبت و مودت کرنے کا اعلان قرآنؑ نے کیا اور قرآنؑ سے محبت
 کرنے کا سبق حسینؑ نے سکھایا۔

حسینؑ کی شان قرآنؑ نے بیان کی اور قرآنؑ کی شان حسینؑ نے بیان کی
 حسینؑ کی ابدی زندگی اور سرمدی حیات کی گواہی قرآنؑ نے دی اور قرآنؑ
 کی حفاظت کیلئے اپنی جان حسینؑ نے پیش کر دی۔

قرآنؑ نے کہا حسینؑ زندہ ہے، حسینؑ نے فرمایا قرآنؑ زندہ کتاب ہے۔
 قرآنؑ نے کہا حسینؑ میرا ہے، حسینؑ نے فرمایا قرآنؑ ہمارا ہے۔
 قرآنؑ نے کہا حسینؑ کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن۔ حسینؑ نے فرمایا قرآنؑ کی
 حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

قرآنؑ نے امام الانبیاءؑ کی زبان سے اعلان کیا کہ اے میرے امتیوا ہم تجھ سے
 اپنی تبلیغ کا صرف یہ بدلہ مانگتے ہیں کہ ہماری اہل بیتؑ سے محبت و مودت کرو۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (الشوریٰ آیت ۲۳)
 حسینؑ نے تیروں تلواروں کی بارش میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ جان جاتی ہے تو جلتے
 قرآنؑ کے قوانین کا احترام کرو۔

قرآنؑ نے اعلان کیا کہ حسینؑ علیہ السلام رسولِ ہاشمی کے نواسے ہی نہیں بیٹے بھی
 ہیں۔ اَبْنَاءَ نَاوَا بَنَاءَ كُمْ (آیت مباہلہ)

حسینؑ نے خطبہ دیا قرآنؑ کسی مخلوق کا کلام نہیں یہ خالق کا کلام ہے خدا کا قانون ہے
 اور قانون خداوندی کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

قرآن نے کہا: حسین زندہ ہیں۔ حسین ابدی حیات کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں۔

وَلَا تَحْزَنَ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ (آل عمران ۱۶۸)

اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے اُن کو ہرگز مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے روزی پاتے ہیں۔

حسین علیہ السلام نے قرآن کے اس دعویٰ کی دلیل بن کر دکھایا۔ آپ کا سر مبارک جسد اطہر سے علیحدہ ہو کر بھی قرآن مقدس کی تلاوت کر رہا تھا اور اعلان کر رہا تھا کہ حسین کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بھی قرآن کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لئے کہ حسین کے نانا کا فرمان تھا کہ حسین اور قرآن علیحدہ علیحدہ نہیں ہوں گے۔ حتیٰ کہ حوض کوثر پر اکٹھے ہی آکر ہم سے ملاقات کریں گے۔

قرآن نے حسین کی طہارت و پاکیزگی کی گواہی ان الفاظ میں دی:-
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب ۳۳)

اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب پاکیزہ کر دے۔

حسین علیہ السلام نے اعلان فرمایا۔ قرآن پاک طیب و طاہر ہے۔ اس کے پاک اور مقدس منشور کو بدلنے نہیں دوں گا۔ اس کے طیب و طاہر دستور میں یزید بلید کے اختراعی اور نجس قوانین کی آمیزش نہیں ہونے دوں گا۔

سرزمین کربلا پر امام عالی مقام کے مختلف خطبات عالیہ کا ماحصل یہی تھا کہ قرآن کے خلاف کوئی آئین برداشت نہیں کیا جائے گا۔ آئین ہوگا تو صرف قرآن کا، دستور ہوگا تو قرآن کا، حکومت ہوگی تو قرآن کی، قانون ہوگا تو قرآن کا۔

فاطمہ کے لال پر تیروں، تلواروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن آپ ہر قیمت پر قرآن کا تحفظ کرنا چاہتے تھے۔

چھلٹے تھے بادل ظلم و تشدد کے آل پر
پتھر برس رہے تھے محمد کے آل پر

اما عالی مقام پر یہ جبر و تشدد اور ظلم و ستم صرف اس لئے نہ دھایا گیا تھا کہ آپ نے قرآنی احکام کو توڑنے والی حکومت کو خلافتِ الہیہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

قرآنِ حسین کے سینے کے ساتھ لگا ہوا الزر رہا تھا۔ لیکن محافظِ قرآن استقلال و استقامت کی چٹان بن کر قرآن کی طرف آنے والا ہر تیرا اپنے جسم نازنین پر روک رہا تھا اور یہ صداقت نشان خطبہ ارشاد فرما رہا تھا۔ اُسے لوگو! حسینؑ نے تمہیں دعوت الی الحق دینے کا فریضہ ادا کر دیا۔ اب تمہاری مرضی ہے اسے قبول کر دیا نہ قبول کر دو۔

میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ باطل کیا ہے اور حق کیا ہے۔ اور اچھی طرح وضاحت کر دی ہے کہ حق کا دوسرا نام مکمل طور پر نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ ہے اور نظامِ مصطفیٰ کا دوسرا نام آئینِ قرآن ہے۔

مسلمان کہلا نا ہے تو نظامِ مصطفیٰ اور آئینِ قرآن سے روگردانی نہ کرو

ہستیِ مسلم ز آئینِ است و بس	باطنِ دینِ نبوی است و بس
تو ہی دانی کہ آئین تو چیست ؟	زیرِ گردوں، سترِ تیکن تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم	حکمتِ اولیٰ زال است و قدیم
نسخہٴ اسرارِ تکوینِ حیات	بے ثبات از قوتِ تشکیرو ثبات
حرفِ او را مایب نے تبدیل نے	آیہ اُش شرمندہٴ تاویل نے
پنختہ تر سودائے خام از زورِ او	درفتہ بانگِ جام از زورِ او
نوعِ انساں را پیامِ آخری	حاصلِ او دھمکہٴ للعالمین
رہزناں از حفظِ او رہبر شدند	از کتابِ صاحبِ دفتر شدند

گر تو می خواہی مسلمان ز لیستن

نیست ممکن جز بقراں ز لیستن (اقبال)

حسینؑ نے آئینِ قرآن کی حفاظت کرنے کا دعویٰ اعلان کیا تھا۔

قرآن نے کہا حسینؑ تمہیں ابدی حیات کی بشارت دینے والا خدا تمہیں آزمانا چاہتا ہے۔ تیرا امتحان مانگتا ہے، تیرے دعوے کی دلیل طلب کرتا ہے۔

حسینؑ نے کہا میں حاضر ہوں۔ قرآن نے کہا بھوک اور پیاس برداشت کرنا پڑیگی

قرآن نے کہا جانیں دینا پڑیں گی۔ حسین نے کہا! حاضر ہوں۔ قرآن نے کہا پھل چھوڑے پڑیں گے حسین نے کہا! حاضر ہوں۔

وَلَتَبْلُوَنَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط (البقرة ۱۵۶)۔

اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے، کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔

اور پھر بتول کے چاند نے جب کوہِ رصنا اور سپر صبر و استقلال بن کر امتحان دیا تو قرآن پکار اٹھا۔

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۖ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۚ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ه (البقرة ۱۵۷)۔

اور خوشخبری کا دو ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف پھرنے ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کے درود اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

قرآن نے ہا حسین! تم ایمین صادق رسول کے نواسے ہو۔ اور خدا کی امانتوں کے امین ہو۔ خدا تم سے اپنی امانتیں واپس مانگتا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّوا إِلَّا مَا نَاتِ رَأَىٰ أَهْلِيهَا - (النساء-۵۸)۔ بیشک تمہیں اللہ حکم دیتا ہے کہ جن کی امانتیں ہیں انہیں واپس کر دو۔

حسین نے کہا میں حاضر ہوں۔ اور پھر ایمین صادق نے ہر امانت کو بارگاہِ خداوندی میں اس طرح واپس کر دیا کہ جبینِ اقدس پر بل بھی نہ آیا۔ پورا خاندانِ خدا کی راہ میں نذر کر دیا۔ جو خیل کہ میدان میں نہیں جاسکتا تھا اُسے پلٹتوں میں اٹھا کر بارگاہِ رب جلیل میں پیش کر دیا۔ صدائے سروش آئی۔ حسین! تم ایمین صادق ہو تمہاری امانت و دیانت کا قیامت تک انکا بھتا رہے گا۔ اور پھر اہل بیت کے ایک ایک فرد کو پورے خلوص و نیاز مندی کے ساتھ بارگاہِ انبندی میں پیش کرنے والے امام عالی مقام جب اپنی جان کی امانت بھی پیش کر دینے کے وقت تک

مُحَضِّکے لئے رک گئے۔

یزید یوں کی طرف سے آواز آئی۔

حُسیٰن! اب موت کو سر پہ دیکھ کر ڈر کیوں گئے ہو میدان میں آؤ۔

قرآن نے کہا ظالمو! حُسیٰن کو قُدر نے کاطعنہ مت دو۔ خدا کی راہ میں جانیں دینے

والوں کو تو تمام خوف و خطرات سے بے نیاز کر دیا جاتا ہے اور اس پر میری گواہی ہے

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ

يَلْقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا هُمْ يَحْزَنُونَ (آل عمران ۱۶۰)

(شہید شاد ہیں اُس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں

منار ہے ہیں۔ اپنے بچپلوں کو جو ابھی اُن سے نہ ملے کہ اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کچھ غم۔

قرآن اور حُسیٰن کو علیحدہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ قرآن کا ایک ایک لفظ ایک ایک

معنی اور ایک ایک حکم حُسیٰن کے بال بال میں رچ بس گیا تھا۔

شیرِ دے کوں کوں وسیع صائی قرآن ایچ رچا ہوا سی

سیرِ نیسے جڑھیا ہوا وی قرآن دی کر تفسیر گیا

قرآن کا نزول حسین کے نام پر ہوا قرآن کی تلاوت کا حق حسین کی ماں نے ادا کیا

اور قرآن کے آواک کو لہر سے طور پر مالکِ حق شہیر علیہ السلام نے ادا کر دیا قرآن

کا ایک ایک حرف روحِ حُسیٰن میں سرایت کر چکا تھا۔ کیوں نہ ہوتا۔ حُسیٰن ماں کی گود میں بہتے

اور حُسیٰن کی ماں چلتی بھی پس رہی ہوتی اور تلاوتِ قرآن بھی کر رہا ہوتی۔ چلتے سے آٹا نکالتی تو قرآن

کی تلاوت جاری ہوتی۔ آٹے کے لئے پانی نکالتی تو تلاوتِ قرآن کے ساتھ، آٹے میں

پانی ڈالتی تو تلاوتِ قرآن کے ساتھ، آٹا گندھ رہی ہوتی تو تلاوتِ قرآن جاری ہوتی

روٹیاں پکا رہی ہوتی تو تلاوتِ قرآن جاری ہوتی۔ روٹی کا ایک ایک لقمہ توڑ کر بچوں کو کھلا

رہا ہوتی تو تلاوتِ قرآن جاری ہوتی۔ اب خود ہی اندازہ کرو کہ حُسیٰن کے مقدس خون

میں قرآن کس طرح گردش کرتا ہوگا۔

عقل سوال کرتی ہے۔ قرآن اگر حُسیٰن کے ساتھ تھا تو حُسیٰن کے مقابلہ میں

آنے والے بھی قرآن پڑھتے تھے۔ بلکہ اُن میں بیشتر لوگ قرآن کے حافظ تھے۔ اُن کے

سینوں میں بھی قرآن محفوظ تھا۔ یہ حُسیٰن کے قرآن میں کی خصوصیت تھی۔ قرآن تو دونوں فرشتوں

کی طرف تھا۔ پھر حسینؑ کے قرآن کو کیوں ترجیح دی جاتی ہے۔

حسینؑ کی طرف سے قرآن نے جواب دیا۔ قرآن نے کہا حسینؑ: تیری عصمت کی حفاظت میرے ذمہ ہے۔ تیری طرف سے میں جواب دیتا ہوں۔ اور پھر قرآن نے کھول کر بتا دیا کہ میں ظالموں کو کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ بلکہ اُن کا تو میں خسارہ بڑھاتا ہوں۔ اُن کے زبان و نقصان کو اور زیادہ کرتا ہوں۔ اُن کے گھلٹے میں اور اضافہ کرتا ہوں۔ میں اگر شفا اور رحمت ہوں تو مومنوں کے لئے۔

وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ
وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل ۸۲)

اور ہم قرآن سے جو چیز نازل فرماتے ہیں وہ ایمانداروں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کا تو نقصان ہی بڑھتا ہے۔

قرآن نے یہاں مومنوں کے مقابلہ میں کفار کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ظالموں کا ذکر کیا ہے۔ کفار کو قرآن سے کیا نقصان ہوتا وہ تو سرے سے قرآن کو مانتے ہی نہیں۔ گھانا تو اُن لوگوں کے لئے ہے جو قرآن کو مانتے ہیں مگر نہیں مانتے۔ قرآن پاک اللہ کی کتاب ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن اُس کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے۔ اُما اعلیٰ مقام کے مقابلہ میں آنے والے بلا شک و شبہ ظالم تھے۔ اُن کے مظالم کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اُن کے ظلم و ستم کی تودا ستائیں ہیں چکی ہیں سائن کے ظلم کو ظلم کی انتہا کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے قرآن پڑھ کر قرآنی احکام کی خلاف ورزی کی تھی۔ قوانین خداوندی کو توڑنے والے ذلیل حاکم کا ساتھ دیا تھا، حق کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور باطل کو نوازا تھا۔ وہ قرآن پڑھتے تھے لیکن قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا تھا قرآن اُن کے سینوں میں تھا مگر اُن کا خسارہ بڑھاتا تھا۔

قرآن اگر شفاء تھا تو حسینؑ کے لئے، رحمت تھا تو حسینؑ کے لئے۔ اس لئے کہ حسینؑ سراپا ایمان تھے۔ قرآن ایمانداروں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ یزید کے حافظ و قاری ظالم تھے۔ قرآن اُن کے لئے خسارے کا باعث بنا۔ انہوں نے قرآنی آیات کو رضائے یزید کے لئے استعمال کیا تھا اور حسینؑ نے قرآن کو رضائے حق کے لئے تلاوت فرمایا تھا۔ قرآن کا سینوں میں آجانا باعث نجات نہیں ہو سکتا۔ سینے میں

سیامت کے دن کچھ لوگ میدانِ محشر میں اکڑوں بیٹھے ہوں گے، زمین آگ اگل رہی ہوگی۔ آفتاب آگ برسا رہا ہوگا اور اُن کے دماغ کھوٹتے ہوں گے۔ خداوند تعالیٰ اُن پر سوال کریں گے تم کون ہو! وہ کہیں گے یا اللہ ہم قرآن کے حافظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا آج کے دن کے لئے کیا لائے ہو۔ وہ کہیں گے۔ یا اللہ ہم نے تیری رضا حاصل کرنے کے لئے قرآن کو حفظ کیا اور خوش آوازی سے لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہوگا تم غلط کہتے ہو۔ تم جھوٹے اور کذاب ہو۔ خدا کی آواز کے ساتھ فرشتوں کی آوازیں آئیں گی تم جھوٹے ہو تم جھوٹے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ تم لوگوں کی خواہش تھی کہ لوگ تمہارا حافظ قرآن سمجھ کر احترام کریں اور جب تمہیں حافظ قرآن کہا جاتا تو تمہارا نفس خط حاصل کرتا تھا تمہاری خواہش کے مطابق ورنہ یہ تمہیں اس کا بدلہ دے دیا گیا۔ اب وہ غلّ پیش کرو جو آج کے دن کیلئے لائے ہو۔

یسوید کے لشکر میں کئی حافظ قرآن تھے۔ لیکن قرآن اُن کے سینوں میں ایسے تھاجیسے زبردستی مجبوس کر دیا گیا ہو۔ انہوں نے قرآن کو قید کر رکھا تھا۔ قیدی کس طرح خوش رہ سکتا ہے۔ قرآن تو اُن کے لئے بددعا کرتا تھا اور یہی اُن کے لئے خسار تھا۔ قرآن طیب و طاہر اور پاک تھا اور اُن کے سینوں میں حسد و بغض کی غلاظت بھی تھی اور کینہ تو زری کی نجاست بھی۔ پھر قرآن سے وہ کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ غنبر و کستوری کو اگر غلاظت کے ڈھیر پر رکھ دیا جائے تو کیا حاصل ہوگا۔ عطر کی بیشی اگر گندگی اور نجاست پر اُنڈیل دی جائے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا۔ قرآن حفظ کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ قرآن کا احترام کیا جائے۔ قرآن کے تقدس کی حفاظت کی جائے، قرآن کے احکام کو مانا جائے اور قرآن کی حدوں کو صدق دل سے تسلیم کیا جائے۔

قرآن کو ڈھپنے کے لئے طیب و طاہر اور پاک و صاف غلاف کی ضرورت ہے۔ قرآن کو گندے اور غلیظ غلاف میں رکھنا قرآن کی کھلی توہین ہے۔ اور کوئی قرآن کی توہین کر رہے تھے۔

انہوں نے قرآن کو گندے اور نجس غلافوں میں بند کرنے کا جرم کیا تھا۔ اُن کے سینوں کے غلاف انتہائی غلیظ ہو چکے تھے۔ اُن میں حسد اور بغض کی بدبو پیدا ہو چکی تھی۔ رکنے اور عداوت کی تہیں جم چکی تھیں۔ بے وفائی اور بدعہدی کی نجاست سے آلودہ ہو چکے

مھے۔ اُنہوں نے قرآن ناطق سے بدعہدی کی تھی۔ کتاب اللہ سے بے وفائی کی تھی۔ وہ قرآن کے محض نام کے حافظ تھے محافظ نہیں تھے۔ اُنہوں نے طہارت قرآن کو بغض و بے وفائی کی نجاست و غلاظت سے آلودہ کر رکھا تھا اور قرآن اُن کے ناپاک اور نجس سینوں سے نکل جانے کیلئے تڑپ رہا تھا۔

قرآن اُنہیں گھائے اور خسارے کی وعید سناتا رہا تھا۔ اُن کے سینوں میں قرآنی لفظوں کے جسم تھے اُن میں قرآن کی روح نہیں تھی۔

اور دوسری طرف اہل برحق امام حسین علیہ السلام نے قرآن کو طیب و طاہر اور نور بزرغلافوں میں لپیٹ رکھا تھا۔ قرآن کے ایک ایک حرف کو خوشبوئے رسول میں بسا رکھا تھا۔

حسینؑ کی طہارت و پاکیزگی کی شہادت خود قرآن نے آیت تطہیر میں دے رکھی تھی۔ پھر قرآن کو رہنے کے لئے اس سے زیادہ پاکیزہ جگہ کہاں حاصل ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن حسینؑ کے ساتھ تھا۔ اور حسینؑ قرآن کے ساتھ تھا۔ قرآن بھی طیب و طاہر ہے اور حسینؑ بھی طیب و طاہر ہیں۔ قرآن بھی نور ہے اور حسینؑ بھی نور ہیں۔ قرآن بھی مرکز ہدایت ہے اور حسینؑ بھی مرکز ہدایت ہیں۔ قرآن بھی روشنی کا مینار ہے اور حسینؑ بھی روشنی کا مینار ہیں۔

قرآن اور حسینؑ اس لئے اکٹھے رہیں گے کہ دونوں کا منشاء و مقصد ایک ہے۔ دونوں کی آواز ایک ہے، پیغام ایک ہے، مقصد ایک ہے، منشور ایک ہے، آئین اور دستور ایک ہے، منزل ایک ہے، راستہ ایک ہے، فراغ ایک ہیں اور امام الانبیاء سے ملاقات کا مقام ایک ہے، وقت وصال ایک ہے۔

یزیدی فوج اگر قرآن کے احکام کو تسلیم کر لیتی تو شہزادہ رسولؑ اور بتوں کے چاند پر کبھی تیغ جفانہ اٹھاتی۔ قرآن نے تو فرمایا تھا کہ اہل بیت رسولؑ سے مودت اور محبت کرو۔ لیکن وہ اہل بیت رسولؑ پر تیروں اور تلواروں کی بارش برسا رہے تھے پھر قرآن اُن کے ساتھ کیسے رہ سکتا تھا۔

قرآن تو حسینؑ کے ساتھ تھا جو اپنے دادا جناب اسمعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے حق میں نازل ہونے والی آیت وَفَدَيْنَا بِذِهِ عِصْمَ عِطِیْمِ کی تفسیر پیش کر رہا تھا

عقل و عشق

بُرکہ پیمیاں باہوالموجود است
 مومن از عشق و عشق از مومن است
 عقل سفاک است و اوسفاک تر
 عقل و سببچاک اسباب و علل
 عقل صید از زور بازو افکند
 عقل را سرناہ از بیم و شک است
 عقل چوں باد است ارزاں و بجاہاں
 عقل محکم از اساس چون و چند
 عقل میگوید کہ خود را پیش کن
 عقل گوید شاد شو آباد شو
 عشق را آرام جاں حریت است
 ناکہ اش را سارباں حریت است
 گر دلش از بند ہر مجبُود رست
 عشق را ناممکن یا ممکن است
 پاک تر، چالاک تر، میباک تر
 عشق چوگاں باز مہدایِ عمل
 عقل مکار است و دلمے می زند
 عشق را عزم و یقین لایفک است
 عشق کیا ب دیہانتے او گراں
 عشق عریاں از لباس چون و چند
 عشق گوید امتحان خویش کن
 عشق گوید بندہ شو آزاد شو
 ناکہ اش را سارباں حریت است

آن شنیدستی کہ ہنگام نہر د

عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد

(اقبال)

فتح کردار کی ہوتے ہے تلوار کی نہیں۔ ذوالفقارِ حیدری کے ساتھ ساتھ کو دریدہ الہی بھی تھا۔ اسلامی فتوحات کے ساتھ کردار کی بلندیاں شامل نہ ہوتیں تو اسلام کا نام و نشان مٹ جاتا

صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر

جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

(اقبال)

مظلوم کی آہ، عرشِ الہی کو کیوں ہلا دیتی ہے! خداوندِ قدوس ظالموں سے بریت و علیحدگی کا کیوں اظہار فرماتے ہیں۔ یہاں تنویرِ اما غور کرنا ہوگا۔ ظالم جو باہر فاتح اور اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے والا مظلوم بظاہر شکست خوردہ ہوتا ہے۔ پھر ظالم کی فتح کو خراجِ عقیدت کیوں پیش نہیں کیا جاتا۔ اس کی فتح کا ذکر اپنے لفظوں سے کیوں نہیں ہوتا

مُورخ اُسے فتح کی داد کیوں نہیں دیتا۔ صرف اس لئے کہ اُس کی فتح کے پس پردہ اُس کے اخلاق کی شکست اور کردار کی موت ہوتی ہے۔ بیشتر انبیائے کرام تیغِ جفا کا شکار ہو کر مقامِ شہادت پر فائز ہوئے۔ لیکن وہ قطعی طور پر فاتح قرار پائیں گے۔ اُن کی موت کو اُن کی شکست کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کی موت تو زندگی کی بھی زندگی ہے۔ ہر بات کے ناپ تول کے لئے عقل کا پیمانہ کافی نہیں ہوتا۔ عقل تو بار بار دھوکہ کھا جاتی ہے۔ عقل تو ہمارے دنیاوی کاروبار میں بھی پوری پوری راہنمائی نہیں کرتی۔ ہم اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر متعدد بار بھٹو کروں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر اس پر اندھا دھند اعتماد کس طرح کیا جاسکتا ہے عقل بھی تو ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ظروفِ بد نفس سے اس کا انداز اور طریقہ استعمال بھی بد جاتا ہے۔ پھر کونسا فروری امر ہے کہ اسے ہر بات میں اور ہر طرف میں مطمئن کیا جاسکے۔ اگر عقل پر ہی اعتبارِ حقیقت رکھا جائے گا تو پھر یہ تو اسی بات کو ماننے کی جس کا یہ احاطہ کر سکے۔ اس کا دار و مدار مشاہدات پر ہے۔ اُن مشاہدات و محسوسات پر جسے یہ ظاہر کی آنکھ سے دیکھ سکے یا محسوس کر سکے اس سے زیادہ نہیں۔ جبھی تو اسے اطمینان کی دولت نصیب نہیں۔

قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ”جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں اُنہیں مردہ مت کہیں“

وَمَنْ يَقْتُلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ

عقل پریشان ہو گئی۔ ایک طرف ارشادِ خداوندی ہے۔ دوسری طرف ناقابلِ قبول بات ہے۔ مجھ بھلا کر سوال کر دیا۔ اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ کیسے نہ کہیں جبکہ وہ مر چکے ہیں۔ اُن کے جسم کے تمام اعضا کاٹے جا چکے ہیں۔ زندگی کے آثار ختم ہو چکے ہیں۔ رشتہ جیات ٹوٹ چکا ہے۔ شیرازہ ہستی منتشر ہو چکا ہے۔ جسم کا ایک ایک حصہ بے حسی ہو چکا ہے۔ ہر عضو بدن سے حرارتِ حیات ختم ہو چکی ہے۔ گردن کا منہ کا دھل چکا ہے آنکھوں میں حلقے پڑ چکے ہیں، پتیلیوں کا نور ختم ہو چکا ہے، زین کا برقعہ یا تو بہہ چکا ہے یا بچھڑ کر رہ گیا ہے۔ گردن جسم سے علیحدہ ہو چکی ہے۔ جسم کے اعضاء کٹ کٹ کر بکھر چکے ہیں اور ان اعضاء کو بھی گھوڑوں کے سٹموں سے پا مال کر دیا گیا ہے۔ پھر اس حالت میں اُسے مردہ نہ کہیں تو کیا کہیں عقل نے بڑی ہمت سے استدلال پیش کیا تھا

شہید کی موت تجدید حیات کرتی ہے، شہید کا ہر عضو بدن کٹ جانے پر بھی زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور لحد کے اندر بھی رشتہ حیات نہیں ٹوٹتا

سُروئی مرقع سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں خاک میں دُب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ موت کو یا قبلے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوتِ آشفتمہ کی شیرازہ بند ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کند

موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پتلا ہے (اقبال)

عقل بیچ دتا ب کھلنے لگی۔ اپنی نارسائی پر ندامت کے آنسو بہائے مضطرب ہو کر

سوال کر دیا۔ خدا کی راہ میں مارے جانے والے زندہ ہیں تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتے

سوال بڑا گہرا اور پیچیدہ تھا۔ عقل نے پوری قوت سے سوال کیا تھا لیکن قرآن نے

اُسے خاموش کر دیا۔ قرآن معجزے کی بات نہیں کرتا۔ قرآن کا اپنے لئے اعلان ہے کہ مجھ میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔

قرآن نے فرمایا۔ شہید تو زندہ ہیں مگر تم شہیدوں کی زندگی کا شعور نہیں کر سکتے

وَالْكِتَابُ لَا تَشْعُرُونَ

قرآن مقدس کا عقل کے لئے یہ کھلا چیلنج تھا۔ اُسے اُس کی ناہنجی کا طعنہ دیا گیا تھا۔

مگر اُس کے پاس بے بسی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنی ناتمامی کا اقرار کرنا پڑا۔ اپنے محدود ہونے

کا اعتراف کرنا پڑا۔ اپنی مایوسی اور محرومی کو محسوس کرنا پڑا۔ عقل عیار تھی احساس کمتری نے

پریشان کر دیا۔ اسلام کا لبادہ اُتار دیا۔ قرآن کی حدود سے نکلنے کے لئے طرف بدل لیا۔

طرف کی تبدیلی سے سوچنے کا انداز بدل گیا۔ اور سوال کر دیا۔

ایسی بات کا یقین کیسے کر لیا جائے جس کا شعور نہیں کیا جاسکتا۔ شہید زندہ ہیں تو نظر

کیوں نہیں آتے

عقل ناتمام کو اس سوال کے بعد اطمینان حاصل ہو گیا۔ اُس نے بے زور وار سوال کیا تھا۔

ظاہر بنوں اور مشاہدات تک محدود رہنے والوں کے لئے اس سوال میں بے پناہ کشش ہے۔

لیکن عقل کا یہ سوال بھی اُس کی کم عقلی کی دلیل ہے۔ انتہائی ناقص اور کمزور دلیل

ہم تو جانتے ہیں کہ اگر وہ خدا کا کلام ہے تو اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے

ہمیں قوم جنات کیوں نظر نہیں آتی حالانکہ وہ زندہ بھی ہے اور موجود بھی۔ ہمیں فرشتے کیوں نظر نہیں آتے جو زندہ بھی ہیں اور موجود بھی۔ کیا تم ان کی زندگی کا انکار کر سکتے ہو۔

مگر یہ جواب ان ظروف کو کیسے مطمئن کر سکتا ہے جن کا کتاب مقدس پر اعتماد و یقین ہی نہیں۔ فرشتوں اور جنوں کی مثال ان کے لئے بیکار ہے۔ اس لئے ان پر ہم دوسرا سوال کریں گے کہ اگر یہ درست ہے کہ زندگی کا دار و مدار نظر آنے پر ہی رکھا جاسکتا ہے۔ تو پھر ایسی نظر تلاش کرو جو **ہوا** کو دیکھ سکے۔ تمہاری ریسرچ نے تمہیں باور کرا دیا ہے کہ ہوا زندہ ہے بلکہ تم اس سے بڑھ کر ہو اگر حیات بخش اور حیات آفرین بھی تسلیم کرتے ہو۔

تم ہمیں ہوا کی صورت دکھا دو ہم تمہیں سید الشہداء و امام حسین کی زیارت کروا دیتے ہیں۔ حالانکہ ہوا نظر آتی ہے۔ ہم نے ہوا کو کئی بار دیکھا ہے۔ تم کہو گے کہ لاؤ وہ آنکھ ہمیں دیدو جو ہوا کو دیکھ سکتی ہے۔ مگر یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔ تم سب نے بھی ہوا کو دیکھا ہو گا۔ ہوا جب گرد و غبار کا کثیف لباس اوڑھتی ہے تو نگوہوں اور اندھی کی شکل میں ہم سب کو نظر آجاتی ہے۔

لیکن جب گرد و غبار کا کثیف لباس اُس کے جسم لطیف سے اتر جاتا ہے تو باوجود زندہ اور موجود ہونے کے نہ تو نظر آتی ہے اور نہ ہی مساس کی جاسکتی ہے۔ گرد و غبار کی کثافت اتر جانے سے اُس کی قوت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اُس میں ایک خاص قسم کا ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ وہ فضل کے درمیان ایک مضبوط دیوار بن جاتی ہے۔ اُسے اطمینان اور قرار حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ کبھی نسیم سحر بن کر مشام دل و جان کو معطر کرتی ہے اور کبھی بادِ صبا کا روپ دھار لیتی ہے۔

بلاشبہ یہ اسی طرح جب شہید اربعہ عناصر کے کثیف لباس کی قید سے باہر آجاتا ہے۔ تو اُسے حیاتِ لطیف حاصل ہو جاتی ہے۔ اُسے ایک ایسی پائدار اور مضبوط زندگی مل جاتی ہے۔ جو کبھی زوال و انحطاط کا شکار نہیں ہوتی۔ وہ موت کی دست برد سے باہر آجاتا ہے۔ اُس کی تو تلوں میں

اضافہ ہو جاتا ہے۔ اُس کا جسم اگرچہ مشکل ہوتا ہے مگر روح ہی کی طرح لطیف ہو جاتا ہے۔ اس قدر لطیف اور طاقتور کہ موسم کا تغیر و تبدل اُسے متاثر نہیں کر سکتا۔

موسم کے لحاظ سے ہوا کی حالت و صورت کا ہوا اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ

لیکن ہوا کی موجودگی کو محسوس کر لینے کے لئے بھی شرط حیات ہے۔ ہوا کی سردی گرمی اور موجودگی کا احساس زندہ کے لئے ہے مردہ کے لئے نہیں۔

شہید کی موجودگی اور اُس کی زندہ قوتوں کا احساس بھی وہی کر سکتا ہے جو خود زندہ ہو۔ ہوا پر موسم کے تغیرات حاوی ہوتے ہیں۔ اس لئے اُس کی سردی گرمی کو اجسام کی زندگی محسوس کر لیتی ہے شہید کی زندگی پر یہ تغیرات رونما نہیں ہو سکتے اس لئے اس کا احساس ارواح کو ہوتا ہے۔ شہید کی موجودگی کا احساس کوئے کیلئے زندگی شرط ہے۔ رُوح کی زندگی، ضمیر کی زندگی قلب و دماغ کی زندگی، ایمان اور یقین کی زندگی۔

شہزادہ گلگلوں قبا، سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی حیات آفرین زندگی کا مشاہدہ کرنا ہو تو ایمان و یقین کو زندہ کرو۔ قلب و ضمیر کو زندہ کرو۔ اپنی بیمار رُوح کو تندرست کرو۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ

کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ (اقبال)

جب تمہارے قلب و ضمیر زندہ ہو جائیں اور رُوح کو بالیدگی اور ایمان کو حرارت نصیب ہو جائے تو پھر دیکھنا کہ تمہیں امام عالی مقام کی حیات آفرین حیات کا احساس کس شدت سے ہوتا ہے۔ تم جب بھی اُن کا ذکر کرو گے وہ تمہارے پاس ہوں گے۔ یہ اُس مقدس طائفہ کے لوگ ہیں جو کبھی اپنے ذاکر سے وعدہ نہیں ہوتے۔ وہ مذکور ہی کیا جو اپنے ذاکر سے وعدہ ہو۔

جب ذکرِ حسین کرتے یا سنتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب موجزن ہو جائے دل بے قرار ہو کر ترپنے لگے۔ ہر موئے بدن چرتا ہوا محسوس ہونے لگے تو سمجھ لیا کہ امام عالی مقام تشریف لے چکے ہیں اور رہا ب دل پر انہیں کے کرم کی چوٹ پڑی ہے۔ اب تم سوال کرو گے۔ قلب و ضمیر کی زندگی کیسے دی جائے، ایمان کو حرارت کیسے نصیب ہوگی، رُوح کو جلا کیسے ملیگی تو ان سب کے انشاء کیلئے ایک ہی نسخہ کافی ہے۔

اور یہ وہ بے عقل کی بھول بھلیوں اور خود فریبیوں کے جال کو توڑ کر عشق کی دنیا میں آجانا۔ عشقِ نبیؐ میرے قوتوں کو زندہ کر دے گا، حجابات اٹھ جائیں گے، مشاہدات کی دنیا میں آجاؤ گے احساسات کے جہان میں انقلاب آجائے گا اور قلب و رُوح پر ہم وقت تجلیات کا درود ہوگا۔ عشقِ تمہیں حیاتِ ابدی عطا کر دے گا۔

عشق آئین حیات عالم است امتزاج سالمات عالم است
عشق را از تیغ و خنجر پاک نیست اصل عشق از آب و باد و خاک نیست
و در جہاں ہم صلح و ہم پیکار عشق آب حیواں ، تیغ جوہر دار عشق !

از نگاہ عشق خار را شق شود
عشق آہن حق سرا پا حق شود

(اقبال)

کہ بلا کے آگ کی طرح جلتے ہوئے رنگ تان میں نیروں ، برہمیوں اور تیروں تلواروں کی
کی بارش میں عاشقوں کے امام نے یہی پیغام تو نشر کیا تھا کہ مقصود مومن عشق ہے جان نہیں۔
عشق اگر فرماں دہد از جان شیریں ہم گذر

عشق محبوب است و مقصود است جان مقفہ نے

(اقبال)

عقل بڑے کام کی چیز ہے لیکن کسی حد تک اس کا مقام متغیر رہ چکا ہے۔ اگر اس کو غلام
بنا کر رکھو گے تو پھر نفع ہی نفع حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کی خود غلامی اور اتباع اختیار کر لو گے تو
خسارہ ہی خسارہ اور گھانا ہی گھانا ہے۔

امام عالی مقام کا پیغام تھا۔ زندہ رہنا ہے تو آزادی و حریت کی زندگی بسر کرو اور
اگر آزادی قلب و ضمیر حاصل نہیں تو جان قربان کر دو۔ اور دامن حریت کو فائدہ دار ہونے سے بچا لو۔
پیغمبر عشق کا ایک فرمان یہی تھا کہ اپنا رہنما بنانا ہے تو عشق کو بناؤ۔ عقل کو عشق کے تابع فرمان کر دو تم
پر حیات ابدی کے اسرار کھل جائیں گے۔

من بندہ آزادم عشق است امام من

عشق است امام من عقل است غلام من

عشق اگر امام ہوگا تو اسودہ منزل ہو جاؤ گے اور اگر یہی امامت عقل کو سونپ دو گے
تو منزل سے دور ہوتے چلے جاؤ گے، عقل کی راہبری میں چلو گے تو یہ تمہیں شک و ریب میں
مبتلا کر دے گی اور پھر نفس راہزن تم سے یقین و اعتماد کی دولت لوٹ لے گا۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں

راہبر ہوں ظن و تخمین تو زبوں کار حیات

(اقبال)

عقل ناتمام ہونے بنا لینے والے اس انداز سے بھی سوچ رہے ہیں کہ اگر امام حسین تخت
حکومت کے لالچ اور ہوس میں جلد بازی نہ کرتے تو ان کا یہ حشر نہ ہوتا۔ بیمار عقلوں کے فرسودہ ظروف

اُس پیکرِ عشق اور امامِ برحق کی سیاسی غلطیاں جمع کرنے میں مصروف ہیں جس کا خمیر ہی عقلِ کل کے مقدس خون سے اٹھایا گیا تھا۔ جس کے رگ و ریشہ میں خونِ رسول رچا ہوا تھا۔ جس نے مدنیۃ العلم کی آغوش میں آنکھ کھولی اور بابِ علم کے زیرِ سایہ تربیتِ حاصل کی تھی۔

ان کی بے حضورِ عقلیں اور محدودِ علم اُس بحرِ العلوم اور عشق کے امام کو مشورے دے رہے ہیں کہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور ایسا کرنا چاہیے تھا۔

ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ امامِ عالی مقام نے بیعتِ زید سے اس لئے انکار کیا تھا کہ اگر وہ بیعت کر لیتے تو انہیں حکومت مل جانے کا چانس ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا۔

یہ کہتے ہیں کہ امامِ حسینؑ کو کوفہ والوں نے حکومت کے سبب باغ دکھائے تھے۔ آپ حکومت کرنے کے نشہ میں سرشار کوفہ جارہے تھے لیکن چند سیاسی غلطیوں کی بنا پر اپنا بال بچہ بھی کٹوا بیٹھے۔

عقلِ ناتمام اُس عظیم قربانی کو شہادت کے درجہ سے بھی گرا دینا چاہتی ہے جس نے دم توڑتے ہوئے دینِ اسلام کو حیاتِ ابدی سے آشنا کر دیا۔ وہ عظیم قربانی جسے تکمیلِ ذبحِ عظیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسے کیا معلوم کہ عشقِ کامل اور عقلِ کمال کے امتزاج کا نام حسینؑ اور حق و صداقت کی سرِ بلندیوں کا نام حسینیت ہے۔

ان عقل کے غلاموں کو کیا پتہ ہے کہ امامِ حسینؑ علیہ السلام ظاہر و باطن کے تمام تر علوم پر احاطہ کئے ہوئے تھے۔ اور تمام اُمت کی عقل اگر جمع کر لی جائے تو عقلِ حسینؑ کی برابر ہی نہیں کر سکتی۔ اور پھر تمہاری عقل ناقص کے ترازو پر عشقِ حسینؑ کو کس طرح وزن کیا جاسکتا ہے۔ امامِ عالی مقام کی شہادت کو عقلِ سیاست کے معیار پر جانچنے والوں اس طرف بھی غور کرو۔ کیا تمہاری عقل تمہیں یہ اجازت دے سکتی ہے کہ آتشِ فرود کے مہر کتے ہوئے شعلوں میں چھلانگ لگا دو۔

کیا تمہاری عقل تمہیں یہ مشورہ دے سکتی ہے کہ اپنے نوخیز بیٹے کی گردن پر چھری بھر دو حسینؑ علیہ السلام کی شہادتِ عظمیٰ کے لطائف سے آگاہی چاہتے ہو تو فاطمہؑ کے لال کی شخصیت کا تعارف حاصل کرو۔ عزمِ حسینؑ کو سمجھو، جذبہٴ شہادتِ حسینؑ سے تعلق جوڑو، عشقِ پیداکرو اس لئے کہ عاشقانِ پاک طینت کی معرفت کے لئے محض عقل کی نہیں عشق کی بھی ضرورت ہے۔ عشق

کے مسائل عشق سے حل ہوں گے۔ عقل ان اسرار و معارف کا کب احاطہ کر سکتی ہے۔

عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات !
عشق سکون و ثبات عشق حیات و ممات
عشق کے ہیں معجزات سلطنت فقر و دین
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگین
عشق پہ بجلی حلال عشق پہ حاصل حرام
شورش طوفان حلال لذت ساحل حرام
عشق سراپائیں اور یقین فتحیاب
عقل ہے ابن الکتاب عشق ہے اُم الکتاب

(اقبال)

عقلی استدلال کی بساط لپیٹ دو یہ تمہیں بے ڈوبے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے
مخلصانہ تحقیق کی ہو اور تمہیں تمہاری تحقیق نے دھوکہ دیا ہو۔ لیکن امام حسین علیہ السلام سے محبت
کرنا تو قرآن و حدیث سے منصوص ہے۔ غور تو کرو تم کیسا حق محبت ادا کرتے ہو، بے وفاؤ!
کچھ تو سوچو !

خلوص دل ہی نہیں ربطِ باہمی کے لئے
وفا بھی شرطِ ضروری ہے دوستی کے لئے

تاریخ تفسیر

شہادتِ حسین

کاپسِ منظر

کوفہ کا گورنر مغیرہ بن شعبہ دارالامارت مسند امارت پر بیٹھا ہوا ہے پہرے دار نے امیر شام کا قاصد آنے کی اطلاع دی تو اسے اندر بلا لیا۔ قاصد نے آداب شاہی کے ساتھ پھڑے کے تھیلے سے خط نکالا اور پیش کر دیا۔ خط کھول کر پڑھا تو ہاتھ کانپنے لگے۔ خط میں لکھا تھا:-

منجانب امیر شام۔ ”گورنر کوفہ مغیرہ کے نام“۔ اس خط کو اپنی معزولی کا حکنامہ سمجھو۔ اور فوراً دمشق پہنچو۔ اور سچے دستخط تھے۔ ”امیر معاویہ“

جناب مغیرہ بن شعبہ نے اپنے حلقہ کے لوگوں کو بلایا اور رات کو ایک خفیہ میٹنگ کی۔ قاصد کو اعزاز شاہی کے ساتھ واپس کر دیا۔ اور خود بدستور گورنری کے فرائض انجام دیتا رہا۔ کافی عرصہ گزار لینے کے بعد دمشق پہنچا اور امیر معاویہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ امیر معاویہ نے سرزنش کے انداز میں پوچھا کہ اس قدر دیر کون کے کیوں آئے ہو؟ بہت ضروری کام میں مصروف تھا امیر! اس لئے دیر ہو گئی۔ مغیرہ نے جواب دیا۔

امیر معاویہ :- ہم اس ضروری کام کی نوعیت جاننا چاہتے ہیں۔

مغیرہ :- اُس کیلئے تخلیہ کی ضرورت ہے ایڑیوں دربارِ عام میں نہیں بتا سکتا۔

پھر تخلیہ ہو گیا تو مغیرہ نے کہا کہ میں آپ کے بعد تختِ حکومت کے لئے یزید کے حق میں لوگوں کو ہموار کر رہا تھا۔

امیر معاویہ نے تھوڑی دیر سوچا اور کہا: یہ بڑا مشکل کام ہے مغیرہ۔ لوگ اس بات کو آسانی سے تسلیم نہیں کریں گے۔

ہاں امیر! مشکل تو ضرور ہے لیکن کوشش سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ مغیرہ نے کہا

اور پھر امیر معاویہ نے مغیرہ کو کوفہ کی گورنری پر بحال کر دیا اور کام تیز کر

بھی ہدایت کردی اور خود بھی یہ بیڑا اٹھالیا۔ دمشق اور اطرافِ جوانب کے لوگوں نے اس کا فیصلہ

اہل حجاز پر چھوڑ دیا۔ امیر معاویہ نے گورنر مدینہ کو لکھا: ہماری خواہش ہے کہ آئینے بعد

یزید کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ اہل عجم نے یہ بات قبول کر لی، مگر مدینہ منورہ اور اطراف و جوانب کے لوگوں کو بیعت یزید کر لینے پر رضامند نہ ہوئے۔

گورنر نے حالات کا جائزہ لیا اور لکھا کہ یہ لوگ اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر رہے اور پھر ان کو حج کے بہانہ سے مکہ معظمہ میں خود آنا پڑا۔ حالات سے آگاہی حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ عوام الناس متفقہ طور پر درج ذیل ان پانچ آدمیوں میں سے کسی ایک کے حق میں ووٹ دینا چاہتے ہیں اور یزید کی بیعت کرنے پر تیار نہیں۔

جناب حسین بن علی، جناب عبدالرحمن ابن ابوبکر، جناب عبداللہ ابن عمر، جناب عبداللہ ابن عباس، جناب عبداللہ ابن زبیر۔

امیر معاویہ نے زیاد و زور دیا تو لوگوں نے سارا بوجھ ان پانچوں پر ڈال دیا کہ اگر یہ لوگ بیعت یزید پر رضامندی ظاہر کر دیں تو ہم بھی تسلیم کر لیں گے۔ کیونکہ یہ بزرگ ترین صحابہ کی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی کئی ایک صحابی رسول ہیں۔

امیر معاویہ کا خیال تھا کہ حج کے موقع پر مسلمانوں کا اجتماع کثیر ہے اور اس وقت کھڑے نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک کمرہ میں مولائے امام حسینؑ کے ان سب کو جمع کیا اور کہا کہ ملک فتنہ و فساد سے نکل جائے گا اس لئے میری تجویز سے اتفاق کر لو۔

ان مقتدر حضرات نے متفقہ علیہ جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ ہم یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ نظام اسلام میں اس بدعت کو رواج دیا جائے۔ خلافت اسلامیہ کو آمریت و ملوکیت میں تبدیل کرنا اسلام کی شہ رگ پر چھری پھیر دینے کے مترادف ہے۔ اگر کسی کو ولی عہد بنانا جائز ہوتا تو ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنا دیتے۔ امیر معاویہ نے ہر قسم کا لالچ بھی دیا اور دھمکی بھی دی۔ لیکن ان مقدس ہستیوں نے بیعت یزید سے صاف انکار کر دیا کہے کے باہر حرم کے سامنے دنیا بھر کے کونے کونے سے حج کے لئے آئے ہوئے لوگوں کا جم غفیر جمع ہے اور لوگ اس اعلان کا انتظار کر رہے ہیں جو اوپر بتائے گئے چاروں حضرات نے یزید کی خلافت کے بارے میں کرنا تھا۔ امیر معاویہ کو جب ان سے مایوس ہونا پڑا تو کمرے کے باہر چند سپاہیوں کو ننگی تلواریں دے کر متعین کر دیا کہ ان میں سے کوئی باہر آنے پائے اور خود باہر آکر اعلان کر دیا کہ وہ لوگ بیعت یزید متفق ہو گئے ہیں اس لئے تم سب لوگ بھی اس کی خلافت قبول کر لو۔ شام کے لوگوں نے کہا کہ اگر وہ بیعت قبول کر کے اس کا اعلان

باہر آکر نہیں کرتے تو ہم ان کی گردنیں اڑا دیں گے۔ ان لوگوں کو امیر شام نے بڑی سختی سے خاموش کرایا۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے لوگ مختلف قسم کے ذہن لیکر منفق ہو گئے۔ وقت گزرتا رہا اور آخر میں امیر معاویہ کے انتقال کا وقت آگیا۔ یزید کو بلا کر وصیت کی کہ میں نے ہر ممکن طریقہ سے تیری جانشینی کے لئے فضا کو سازگار کر دیا ہے۔ اب تمہیں پورے عجم کے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں البتہ اہل حجاز کی طرف سے خدشات ابھی باقی ہیں۔ ان خدشات و خطرات کو دور کرنے کے لئے تمہیں ان چار شخصوں پر قابو حاصل کرنا ہے۔

حسین بن علیؑ، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر ان کے پنجویں ساتھی امیر الرحمن بن ابوبکر تھے۔ اور ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان میں بھی مؤخر الذکر دونوں شخص تمہارے لئے زیادہ خطرناک نہیں۔ وہ اگرچہ لوگوں میں بہت زیادہ صاحب اثر ہیں لیکن وہ سیاست میں زیادہ حصہ نہیں لیتے۔ البتہ عبداللہ بن زبیر میرے لئے بے حد خطرناک ہے۔ چوتھے حسین بن علیؑ میں یہ بہت زیادہ صاحب اثر ہیں اس لئے ان کے معاملہ میں تمہیں بہت غور و فکر سے قدم اٹھانا ہوگا اور بھر امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا۔

یزید کو آٹھویں خلافت یا کسرائی یا دار جانشینی مل ہی چکی تھی۔ تختِ امریت ملتے ہی اُس نے عاملِ مدینہ ولید کو لکھا کہ ان چاروں شخصوں سے میرے لئے بیت طلب کر۔ انکار کی صورت میں تشدد کر۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر اس سے پہلے ہی مکہ معظمہ جا چکے تھے۔ عبداللہ بن زبیر کو جب پتہ چلا کہ عامل کے سپاہی مجھے تلاش کر رہے ہیں تو وہ بھی رات ہی کو مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔

ان میں سے اب امامِ عالی مقام ہی مدینہ منورہ میں موجود تھے جنہیں ولید نے دارالارت میں بلایا۔ آپ تشریف لائے تو اُس نے یزید کا حکمنامہ پڑھ کر مسایا۔ آپ نے فرمایا یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نظامِ روجِ اسلام کے منافی ہے۔ اسلام کسی کو خود ارادیت چھیننے کا حق نہیں دیتا۔ یہ خالصتاً عامتہ المسلمین کا حق ہے کہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کریں۔ یزید لاکھوں مسلمانوں کا حقِ غضب کو ناجائز ہے اس لئے ہم کسی غاصب کی اطاعت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یزید فاسق و فاجر، غاصب و تارکِ نماز ہے۔ اسی صورتوں میں ہمارے لئے قطع طور پر ناممکن الامر بات ہے کہ ہم کسی فاسق و

فاجر، غاصب اور ڈکٹیٹر کی اطاعت کریں۔

ولید نے آپ کا آخری فیصلہ سنا تو خاموش ہو گیا۔ آپ اٹھ کر جانے لگے تو مروان نے ولید کو مشورہ دیا کہ اب تو یہ تمہارے قابو میں ہے تشدد کرو اور اپنا مطلب پورا کرو۔ امام عالی مقام ابھی دروازہ پر ہی پہنچے تھے۔ مروان کی گفتگو سنی تو واپس پلٹ آئے۔ اور پھر تلوار میان سے باہر کھینچ لی۔ گورنر ولید ال بیت کا محبت تھا۔ اس نے مروان کو برا بھلا کہا اور امام عالی مقام کو جانے کی اجازت دیکر کہا کہ آپ بھی اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ کیونکہ میں حکومت کا حکم ماننے پر مجبور ہوں۔ امام عالی مقام گھر واپس تشریف لائے اور اہلبیت کو فرمایا کہ حالات بے حد خراب ہو چکے ہیں۔ معاویہ کا بیٹا جبر و تشدد پر تل چکا ہے وہ ہر قیمت پر اپنی غیر اسلامی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتا ہے خواہ اسے خون کی ندیاں بہانا پڑیں۔ میرے لئے یہ انتہائی مشکل ہے کہ میرے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کی گلیوں میں خون کی نہریں روان ہوں۔ مجھے نانا کے مدفن کی جہاں کی کابھی انتہائی غم ہے اور مدینہ منورہ کی بے حرمتی کا کابھی شدید خطرہ ہے اور میرے لئے یہ امر بھی محال ہے کہ کسی غاصب و ڈکٹیٹر اور فاسق و فاجر کی اطاعت کر کے نانا کے دین کے حلق پر پھری پیر دوں۔

ان حالات میں میرے سامنے اب صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مدینہ منورہ کی جہاں برعادت کوٹوں اور اس مقدس شہر کو بے حرمتی ہونے سے بچاؤں۔ آپ سب لوگ تیار ہو جائیں۔ آج ہی رات کو یہاں سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی ہو جائے گی۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا و ماں موجود تھیں۔ آپ نے اپنے شوہر جناب عبداللہ بن جعفر طیار سے بھائی کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔

اہل مدینہ کی معروضات

اہل بیت مصطفیٰ کی اس تیاری کا علم تمام ہمسایوں اور قرب و جوار کے لوگوں کو چند ہی لمحوں بعد ہو گیا۔ مہاجرین و انصار کی عورتیں جمع ہونا شروع ہو گئیں اور پھر یہ سلسلہ تا دیوبند جاری رہا گھر کے اندر عورتوں کا جم غفیر جمع ہے اور مسجد نبوی شریف میں عاشقانِ محمد و اہل بیت محمد نے امام عالی مقام کے گرد گھیر ڈالا ہوا ہے۔ ہر شخص اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق امام عالی مقام کی بارگاہِ اقدس میں اپنی اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فریاد کر رہا ہے کہ اے نواسٹر رسول اے جگر گوشہ بتول خدا کے لئے آپ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر نہ جائیں سائے جو انسانِ جنت کے سردار آپ کے بغیر ہماری زندگیاں تلخ ہو جائیں گی۔

یا امام آپ یا وکاکر مصطفیٰ ہیں۔ آپ کو دیکھ لیتے ہیں تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے۔ اے شہزادہ رسول آپ کلشنِ رسول کی بہار میں ہمیں اپنے سائے عاطفت سے محروم نہ کریں۔ امام عالی مقام نے ان محتجانِ خالص کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا مہربان دوستو! ہم آپ کے بچہ مشکوئیں۔ آپ نہیں جانتے کہ وہ کونسی مجبوریاں ہیں جو ہمیں دیکھتی ہیں۔ آپ کو کیا بتایا جائے کہ مدینہ منورہ کی مہاروں کے چھوٹ جانے کے خیال سے ہمارے دل کی کیا حالت ہے۔ جنت کو چھوڑ کر جانا آسان تو نہیں ہوتا۔ اور پھر ہمارا تو سب کچھ ہی مدینہ میں ہے۔ اسی مدینہ منورہ میں جسے تاریخ کرنے کے لئے دشمنانِ دین پر توں رہے ہیں۔ احباب کو روتے تڑپتے چھوڑ کر آپ گھر کے اندر تشریف لائے تو محلہ کی عورتوں کو روتے اور فریاد کرتے پایا۔ آپ نے نہایت مشفقانہ اور کرمیانہ انداز سے سب کا شکریہ ادا کیا اور اطمینان دلایا۔ مگر وہ بے چاریاں مطمئن کیا ہوتیں بس اشکبار آنکھوں سے اوداع کہہ کر آہیں بھرتی ہوئی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔ پھر آپ اہل بیت کرام کو جلد از جلد تیاری مکمل کر لینے کا حکم فرما کر گھر سے باہر تشریف لے گئے۔

حُسیں ماں کے مزار پر

اَہل بیتِ اطہار کو تیاری کا حکم فرما کر ”کربلا کا مسافر“ ماں کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوتا ہے۔

رات بھگتی جا رہی ہے، مدینہ منورہ کے لوگ چین اور آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ جنت البقیع شریف کے قبرستان میں دل ہلا دینے والا پہر ہول سناٹا چھایا ہوا ہے ہر طرف ہوکا عالم ہے۔

حُسیں آتے ہیں اور ماں کی قبر پر دیوانہ وار گر جاتے ہیں اور انتہائی کرب کے عالم میں مزارِ اقدس پر باہیں پھیلا دیتے ہیں۔

سِسکی بندھی ہوئی ہے اور ماں کے حضور میں فریاد کرتے ہیں۔
اے غریبوں، مسکینوں کے سوال پورے فرمانے والی بنتِ رسول! اے خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھانا کھلانے والی مقدس ماں!
تیرا حُسیں تیرے دربار میں تیرا سوالی بن کر آیا ہے۔
اے میری تقدس مآب امی! تیرے ناز و دل کے پائے حُسیں پر امت کے شریروں نے مدینہ کی زمین تنگ کر دی ہے۔

میری پیاری ماں! اپنے حُسیں کا آخری سلام قبول کر لو۔ امی جان مجھے ایک بار الوداع تو کہہ دو۔

مقدس ماں! حُسیں بزدل نہیں، حُسیں نے تیرا دودھ پیا ہے۔
حُسیں کی رگوں میں حُسیں کا خون ہے۔

حُسیں امام الانبیاء کی زبان مبارک کو چومتا رہا ہے۔

میری پیاری امی! مجھے جان جانے کا غم نہیں۔ تیرا حُسیں موت تلے کبھی نہیں ڈر سکتا
امی جان! میں اس لئے روتا ہوں کہ تانا کا مدینہ چھوٹ رہا ہے، ماں کی قبر کی زیارت سے محروم ہو رہا ہوں، بھائی حسنؑ کے قدموں سے دور جا رہا ہوں۔

بن کر آیا ہوں۔ میری فریاد سنو! میرا آخری سلام قبول کرو۔ مجھے الوداع کہو، مجھے تسلی دو،
میرے لئے دعا فرماؤ کہ میں امتحان میں کامیاب ہو جاؤں!
میری تنہائی ہوتی یا ہوں میں جب تیرا معصوم علیٰ اصغر دم توڑ رہا ہو تو مجھے استقامت
نعیب ہو۔

تیرے جوان ابر کا لاشہ دیکھ کر گھبرانہ جاؤں۔ ماں! میرے لئے صبر و استقامت
کی دعا کرو۔

پیارے امی! آپ نے کبھی کسی سائل کا سوال نہ نہیں کیا۔ آج تیرا حسین زیارت کا
سوال کرتا ہے، آخری بار تیرے قدموں کو بوسہ دینا چاہتا ہے، اُسے شہزادی مصطفیٰ
مجھے محروم نہ رکھنا، پیاری ماں! تیرے دربار سے تیرا حسین مایوس نہ لوٹے۔
یہ الفاظ کہتے کہتے امام عالی مقام کا گلزار زندہ جاتا ہے، شدت جذبات سے مغلوب
ہو کر آپ سسکیاں بھرنے لگتے ہیں۔

ادھر امام عالی مقام کی یہ حالت ہے اُدھر شہزادی کو نین خاتونِ جنت کی قبر انور
کو لوزہ آجاتا ہے، زمین کلپنے لگتی ہے، آسمانوں پر ریشہ طاری ہو جاتا ہے، ستارے
ترپنے لگتے ہیں، چاند کا دل دُوب جاتا ہے، جنت البقیع شریف کے تمام مزار کانپ
جاتے ہیں، حوروں کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔

شہزادی مصطفیٰ کے مزار اقدس سے درمیں ڈوبی ہوئی آواز آتی ہے۔
فضا کا سینہ چر جاتا ہے۔

ماں کا پیار کائناتِ عالم کو سوز و اَلَم کی تصویر بنا دیتا ہے، قبر انور سے آواز
آتی ہے، میرے لال چپ ہو جاؤ، اب کچھ نہ کہنا میرے حسین! اب کچھ نہ کہنا، ماں کا کلیجہ
پھٹ جلتے گا، نظمِ عالم تہہ و بالا ہو جائے گا۔

میرے بیٹے! تیری فریاد نے ماں کے سینے پر پھرِ باں چلا دی ہیں۔

میرے لال! دل یہی چاہتا ہے کہ قبر سے باہر آکر تجھے شہادت کا دُلوہا
بناؤں!

تیری پیشانی اور گردن کو چوموں، تجھے سینے سے لگاؤں اور خود اپنے ہاتھوں
سے تجھے شہادت کا حُکم اُمرِ ازل سے

لیکن مجبوری ہے، میرے چاند! میں اس لئے مجبور ہوں کہ میرے اس طرح باہر
آجانے سے ابھی قیامت آجاتے گی۔ زمین و ہنس جاتے گی، آسمان ٹوٹ پڑے گا،
میرے نازوں کے پائے حسین تیری درد انگیز گفتگو نے ماں کا دل ہلا دیا ہے۔ میری
آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے لال! تو ابھی بچہ ہی تھا کہ تیری جان کا سودا ہو گیا تھا۔ میرے
بیٹے تجھے دنیا کے تمام شہیدوں کا قافلہ سالار بننا ہے۔

تمہیں ماں کے دودھ کی لاج رکھنا ہے!
تمہیں ذوالفقار حیدری کی عصمت کا تحفظ کرنا ہے۔
تمہیں نانا کی اُمت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینا ہے۔ تمہیں اپنا سب کچھ قربان
کر کے نانا کے دم توڑتے ہوئے دین کو زندگی دینا ہے۔
تمہارے لہو کے ہر قطرے میں فاطمہ کا دودھ رچا ہوا ہے۔ اس کی سُرخی ہمیشہ
قائم رہے گی۔

میرے چاند اٹھو! اور باطل کی ہر قوت سے ٹکرا جاؤ۔ میرے لال! جب
تمہارا خون پیتے ہوئے صبح کے سینے پر گرے گا تو مجھے تمہارے نانا کے حضور میں
سُرخوئی حاصل ہو جائے گی۔
میں آؤں گی، میرے بیٹے میں آؤں گی! تیرا مقتل دیکھنے آؤں گی، تیری
شہادت گاہ کا نظارہ کروں گی۔

دشتِ کربلا کی آگ اُگلتی ہوئی ریت کو اپنے آنسوؤں سے ٹھنڈا کرونگی۔
تیری گھوڑوں کے سُمّوں سے کچلی ہوئی سر بریدہ لاش کے ٹکڑے اکٹھے
کروں گی۔

میرے لال! میں تیری لاش کے ٹکڑوں پر اپنی چادرِ تطہیر کا سایہ کروں گی!
کربلا کی ریت پر بکھرے ہوئے کانٹوں کو سمیٹوں گی۔
اے شیرِ خدا کے شیر! تیری بہادری کے جوہر دیکھوں گی۔
شہرِ بانو کا صبر دیکھوں گی! زینب کا پہرہ دیکھوں گی، سکینہ کے خشک
ہونٹوں کو چوموں گی۔

دل کی !

میرے لال ! تمہارے نانا بھی ساتھ ہوں گے ، تیرے ابا بھی ساتھ آئیں گے ، تمہارا بھائی حسن بھی آئے گا ، ہم سب تمہارا امتحان دیکھیں گے ، لوگ مرنے والے کے کفن پر مشک کا فور ملتے ہیں لیکن جب تم شہادت کا جام نوش کرو گے تو تمہارا نانا کی عنبر فشاں زلفیں بکھر جائیں گی ۔ کہ بلا کا ذرہ ذرہ مہک اٹھے گا ۔

جاؤ میرے چاند ! میں تمہیں پورے اعتماد اور مکمل یقین کے ساتھ بھیج رہی ہوں تم یقیناً کامیاب رہو گے ۔

اس کٹھن امتحان میں تمہارے سوا کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ تم فاطمہؓ کے دودھ کی ضرورت لاج رکھو گے ۔

جاؤ خدا تمہاری حمایت و نصرت فرمائے ! میری بیٹی زینب کا خیال رکھنا ، اس کے مشوروں کو قبول کرنا ، اس کا دل نہ توڑنا ۔

اُس نے بھی فاطمہؓ کا دودھ پیلے ۔ وہ بھی اس دردناک امتحان میں کامیاب و کامران رہے گی ۔ وہ بھی تمہاری طرح صبر و استقامت کا پیکر بنی رہے گی ۔

جاؤ میرے لال ! ماں تجھے الوداع کہتی ہے ۔ تمہارا سلام قبول کرتی ہے ۔

میرے بیٹے ! تیرا سلام قبول نہیں کروں گی تو اور کس کا کروں گی ۔

میرے چاند ! یہ جداگی عارضی ہے ۔ ہم بہت جلد ملنے والے ہیں ۔

میرے حسین ! بہت جلد ملاقات ہوگی ۔

تیری گردن پر پھرنے والی ظلم و استبداد اور بخور و خیر کی تلوار اس عارضی جدائی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گی !

جاؤ اور جان دے کہ نانا کے دین کو زندگی بخشو ۔ میرے لال تم ہمیشہ زندہ رہو گے ۔ ہمیشہ زندہ ، ابدی حیات کے مالک ۔

بھائی حسن سے ملاقات کر کے نانا کے حضور میں جاؤ اور الوداعی سلام کہہ کر اجازت حاصل کرو ۔

خدا حافظ ، میرے چاند خدا حافظ !

فضا پھر اسی طرح خاموش ہو جاتی ہے ۔ وہی پُریوں سناٹا سچا جانا ہے ۔

ہمزہ ساری فضا تھی۔ فلک تھراتا رہا
 غم کے آنسو صورتِ شبنم میں برسنا رہا!
 پوچھے حنا توں جنت کے دل دلیگر کو!
 اوداع کیسے کہا تھا آپ نے شبیر کو (تمام چٹھہ)
 حسین اٹھے! ماں کی قبر انور کو قدموں کی جانب بوسہ دیا اور عالم ہے خودی
 میں اٹھے یاؤں یہ الفاظ کہتے ہوئے واپس لوٹے۔

اوداع اے امی حبان اوداع
 اوداع اے بنت رسول اوداع
 اے مالکِ رداے تطہیر اوداع
 اوداع حنا توں قیامت اوداع
 اے غریبوں مسکینوں کی فریادرس اوداع

اوداع اے مرکزِ مہر و محبت اوداع
 اوداع بنتِ نبی، خاتونِ جنت اوداع
 میری امی جان، میرے دل کی راحت اوداع
 یاد رکھنا اب میرا وقتِ شہادت! اوداع
 بھول نہ جانا کہیں۔ امی میری فریاد کو
 کربلا میں پہنچنا، بہرِ خدا امداد کو (تمام چٹھہ)

اسی عالم میں اوداع کہتے ہوئے آفتاتِ المومنین کے مزارات پر آئے۔ ان
 تمام مقدس مزارات کو بوسے دیئے۔ جنت البقیع کے دیگر مکینوں کو سلام کہا اور پھر
 ابراہیم ابن رسول اللہ کی ننھی سی قبر پر حاضر ہوئے اور قبر انور کو محجوم کر فرمایا!
 محترم نئے ماموں جان! آج حسین آپ کا بدلہ اتارنے کے لئے جا رہا ہے۔
 ایک وقت تھا کہ میں اور آپ امام الانبیاء کی گود میں کھیل رہے تھے۔ نانا کو
 دھری خوشیاں حاصل تھیں۔

رکھ لیا اور آپ کو موت کے حوالے کر دیا۔
 میں آپ کا فدیہ ہو سکا لیکن آپ میرا فدیہ ہو گئے، ماموں جان مجھے معاف کر دینا
 میں آج آپ کا قرض اُتارنے کے لئے جا رہا ہوں۔ میرے لئے دعا کرنا۔ آپ ابن
 رسول ہیں، شہزادہ مصطفیٰ ہیں۔
 میرے ننھے ماموں جان! حسین کا سلام قبول ہو، الوداع! اور پھر آپ نانا
 کے حضور میں آگئے۔

حسین نانا کے مزار پر

امام الانبیاء کا دربارِ اقدس ہے۔ رات تیسرے پہر میں داخل ہو رہی ہے۔ ملائکہ
 کرام آسمان سے صف بہ صف سلامی و زیارت کیلئے نازل ہو رہے ہیں۔
 ایک نور ہے جو زمین و آسمان کے درمیان خلاؤں اور فضاؤں کو منور رکھتے
 ہوئے ہے۔
 یہ فیصلہ کرنا انتہائی مشکل ہے کہ یہ نور آسمان کی جانب پرواز کر رہا ہے یا آسمان
 سے زمین کی طرف نزول کر رہا ہے۔
 اہل عرفان ہی اس حقیقت سے پردہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ مرکز نور
 کی بات ہے۔

انہی انوار و تجلیات کی برسات میں حسین حاضر ہو کر مقدس نانا کے حضور میں
 صلوٰۃ و سلام کا ہر یہ پیش کرتے ہیں اور پھر عرض کرتے ہیں۔

نانا ترے کرم کے خزانے کی خیر ہو
 دے بھیک مجھ کو۔ تیرے دینے کی خیر ہو
 (سلام پیش)

میں جا رہا ہوں چھوڑ کر آنکھوں کے حین کو
 اٹھ کر گلے لگائیے اپنے حسین کو (صائم چشتی)
 کون اندازہ کر سکتا ہے غم و آلام کے اس طوفان کا جو امام عالی مقام امام حسین
 کے سینے میں موجزن تھا۔ آپ تصویرِ درو بنے ہوئے فریاد پر فریاد کرتے ہیں۔
 اے میرے غمگسار و مہربان نانا! تیرا حسین حاضر ہے۔ اور
 شرفِ باریابی چاہتا ہے۔

نانا جان! آپ بولتے کیوں نہیں۔ میں آپ کا وہی حسین ہوں جس کی آمد پر آپ
 خطبہ چھوڑ کر منبر سے اتر آتے تھے۔
 ہاں میرے محترم نانا! وہی حسین جو حالتِ نماز میں آپ کی پشت پر سوار ہو جاتا تھا
 تو آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے تھے جب تک میں خود نہ اتر آتا۔
 نانا جان! آپ کا نازوں کا پالا ہوا حسین۔ آج تیرے قدموں سے دور جا رہا ہے
 اس کو سہارا دیجئے۔

حضور! میں آپ کا جمالِ جہاں آرا دیکھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔
 بے وَاللَّیْل زلفوں کے جھرمٹ میں وَالصُّحُیٰ چہرے کی زیارت کو آیا ہوں
 مجھے شرفِ زیارت بخشئے۔

نانا جان! میری حالت زار پر رحم فرمائیے! مجھے میرے فرائض سے آگاہی
 بخشتے، میری راہنمائی کیجئے، میری مشکل کشائی فرمائیے۔

مجھ کو نانا دیکھتے ہیں آپ کی تصویر ہوں
 جس کو کندھوں پر بٹھاتے تھے وہی شبیر ہوں (صائم چشتی)

نانا جان! جب میں آپ کے کندھوں پر سوار تھا تو میں نے ایک آواز سنی کہ
 حسین کو کتنی اچھی سواری بیٹھ رہے۔ تو آپ نے فرمایا تھا سواری بھی تو بہت اچھا ہے۔
 مقدس نانا! میں آپ کی عنبریں زلفوں کو تنہا لیتا تھا کہ کہیں گونہ جاؤں۔ آپ نے
 مجھے شہسوار بنایا ہے۔ نانا میں حق شہسواری ادا کروں گا۔

پیارے نانا جان! میں اس وقت تک اپنے سینے پر نیزوں، بھالوں،
 تیروں اور تلواروں کے زخم کھاتا رہوں گا جب تک میری سواری کی کوپنیں نہ کاٹ دی

جہائیں رہے۔
 فانا جان! آپ کا سوار اُس وقت زمین پر گرے گا، جب سواری
 گر جائے گی۔

مگر میرے حضور! آپ مجھے شہادت کی جن بندیوں پر دیکھنا چاہتے ہیں
 وہ آپ کی دستگیری کے بغیر محال ہیں۔
 اس مقام پر آپ ہی مجھے گرنے سے بچا سکتے ہیں۔ خدارا اپنے حسین کو اُس
 وقت تھام لینا، میرے نانا اُس وقت مجھے ضرور سہارا دینا۔
 نانا! میں آپ کی حرمت کیلئے جا رہا ہوں میرا خیال رکھنا۔
 پیارے نانا جان! آپ جواب کیوں نہیں دیتے۔ آپ تو حسین کے لئے
 بیقرار ہو جاتے تھے۔

میرے بچپن میں جب آپ کو میری شہادت کی خبر دی گئی تو آپ زار و قطار
 روتے رہے تھے۔

اے میرے آقا و مولا! اے فریاد کرنے والوں کے فریاد رس
 اے غریبوں اور بیکیوں کے ملجا و ماما، اے ناداروں اور مسکینوں کو پناہ
 دینے والے مقدس رسول، اے امام الانبیاء، اے رحمتہ للعالمین اپنے حسین
 کو ایک بار آغوش میں لے لو۔ میں آپ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ آپ مجھے اور بھائی حسین کو
 آسمانوں کے گوشوارے فرماتے تھے۔

میرے پیارے نانا! مجھے زیارت کی بھیک عطا کرو۔ مجھے سینے سے
 لگا کر ایک بار پیار تو کر لو۔ مجھے سہارا دو۔ مجھے استقامت عطا فرماؤ۔ مجھے کربلا کا نظارہ
 کراؤ۔ مجھے میری قتل گاہ دکھا دو۔

میرے مولا! تیرا حسین کب تک فریاد کرتا رہے گا۔
 اسی طرح آہ و زاری کرتے ہوئے حسین نانا کے مزار سے چٹ جاتے ہیں۔
 با درحمت چلتی ہے، نیم خوابی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔

حسین دیکھتے ہیں کہ انبیاء و ملائکہ کے جھرمٹ میں شبِ اسری کے دولہا
 امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درو و الم اور محزن و ملال کی تصویر بنے ہوئے

سامنے تشریف فرما ہیں۔
 فَاذَا كَ حَسْرَتٍ وِیَاسِیْنِ دُوبے ہوئے رُخِ وَالصُّحُی کی زیارت کر کے
 حسیئن تھرا جاتے ہیں۔
 نانا بڑھتے ہیں۔ نواسے کاسر اپنی گود میں لیتے ہیں اور اپنی نورانی انگلیوں سے
 حسیئن کی زلفوں میں گنگھی کرتے ہیں۔
 حسیئن نانا کی آغوش میں مٹ جاتے ہیں اور سسکیاں بھرتے ہوئے فریاد
 کرتے ہیں۔

فَاذَا جَان! دُنیا بدل چکی ہے۔ حسیئن کا اب اس بے وفا دُنیا میں رہنا مشکل
 ہو گیا ہے۔

میرے پیارے نانا جان! مجھے اب اپنے پاس رکھ لو۔ اپنے مقدس مزار میں
 تھوڑی سی جگہ دے دو۔

فَاذَا! مجھے اپنی اسی آغوشِ رحمت میں میٹھی نیند کے مزے لینے دو۔ مجھے
 اب زندگی کی خواہش نہیں ہے۔

نانا میں آپ کے حجرہ میں رہنا چاہتا ہوں۔

نانا میں ماں کے حجرہ میں رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے ماں کے حجرہ میں رہنے کی
 اجازت دی جائے۔

امام الانبیاء بیقرار ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں حسیئن! ایسی گفتگو
 نہ کرو۔ نانا کا دل نہ توڑو۔ میرے لال تمہیں تو میرے دین کو زندگی دینا ہے۔ تمہیں تو
 بہت بڑا امتحان دینا ہے۔

شیر خدا کے شیر! اپنے امتحان کی تیاری کرو۔

اے نوجوانانِ جنت کے سردار اور میرے گلشن کی بہار حسیئن ادھر دیکھو!
 وہ سامنے تمہاری قتل گاہ ہے۔

یہ تمہاری شہادت کی جگہ بھی ہے اور تمہاری امتحان گاہ بھی! یہاں تیرا امتحان
 ہوگا۔ عظیم امتحان۔

تو اسی مقام پر رہنا اور اسی عظیم امتحان سے گزرنا۔

بے آب و گیاہ اور پتے ہوئے صحرا اور کرب و بلا کی زمین کو تیرے خون سے آبیاری دے بعد
کربلا معلیٰ کا نا آدیا جلتے گا۔

حُسیئن! یہ فرات ہے۔ لیکن تجھے اس کا پانی نہیں ملے گا! تیرے ننھے
علی اصغر کا حلق سوکھ کر کاٹا ہو جلتے گا۔

تیری معصوم سکینہ کو پیاس کی شدت بتیاب کر دے گی۔
میری تمام اہلبیت اطہار شدتِ پیاس سے تڑپ رہی ہو گی۔ لیکن اے میرے
حُسیئن! تجھے اس نہر سے پانی نہیں ملے گا۔

تیرے دشمنوں کے جانور تک پانی پیتے ہوں گے۔ مگر میرے لال تجھے
اس کے استعمال سے محروم کر دیا جلتے گا اس لئے کہ تیرا امتحان ہے تجھے پیسے ہی
کو امتحان دینا ہے۔

میرے لال حُسیئن! تیرا ان صدمات کو قبول کرنا اختیاری ہو گا۔ تو اگر چاہے
تو اس پتے ہوئے صحرا اور حلیل میدان کو سمند بن جانے کا حکم دیکر تمام ریگزاروں کو
پانی میں تبدیل کر سکتا ہے۔

لیکن میرے حُسیئن! تجھے پیسے رہ کر امتحان دینا ہے۔
تجھے سید زادیوں کے خشک ہونٹوں اور سوکھے ہوئے حلقوم دیکھ کر صبر کرنا
ہے۔ یہی تو تیرا امتحان ہے کہ دنیا بھر کی تمام مصیبتیں جمع کر کے تم پر ڈال دی جائیں اور
پھر بھی تو صبر و استقامت کی تصویر بن کر شکرِ خداوندی کو تار ہے۔ اور یوں سکرِ سلیم و رضا
بن کر اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل کرے۔

حُسیئن! تیرا نانا قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور میں تیری
قرابیاں پیش کر کے امت کی بخشش طلب کرے گا۔

میرے حُسیئن! تیری شہادت میری نبوت کا کمال ہے۔ اسے تمام شہادتوں سے عظیم
اور ارفع ہونا چاہیئے۔

حُسیئن! تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ تیری شہادت میری
شہادت ہے، تیری مصیبت میری مصیبت ہے، تیرا امتحان میرا امتحان ہے۔ کربلا کی
پہنتی ہوئی زمین پر تیری گردن سے میرا خون بہے گا۔

حُسیں! تیرا خون میرا خون ہے۔ تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ تیرا نور
میرا نور ہے۔ حسین تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

حُسیں! تیرا نانا تجھ سے دور نہیں ہوگا۔ وہ ہر مقام پر تیرے ساتھ ہوگا۔
تیری راہنمائی کرے گا۔ تیرے امتحان کا مشاہدہ کرے گا اور تیری شہادت کو اس ارفع مقام
تک پہنچا دے گا جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔

میرے لال حسین! تیرے نانا کا ہر منصب تمام کائنات سے بلند و بالا ہے۔
اور یہ منصب شہادت جو ہمیں تیری طرف سے ہو کر ملے گا یہ بھی تمام کائنات سے عظیم ہوگا۔
میرے پیارے حسین! ایک بار میدانِ کربلا کا پھر اچھی طرح نظارہ کر لو۔

ایتھے تیرے اکبرائے ورہن گیاں شمشیراں!
ایتھے تیرے قاسم تائیں کزیاں اسی قتل شریراں
ایتھے جسم تیرے وچ آکے کھٹھنالی زہری تیراں
ایتھے صائم وقت جمعے دے ہونیاں گلِ اخیراں

ایتھے ایتھے خیمے لا دیں اے پردہ سی میرے
گود تیری وچ تیرے کھانا ایتھے اصغر تیرے
ایں طرف تھیں خیمیاں تائیں ظالماں آنِ حبلا ناں
ایتھے اصغر دے جھوٹے دیاں ڈوریاں نے جل جاناں
(صائم چشتی)

حُسیں! خوب اچھی طرح دیکھ لو! یہاں تیرے علی اکبر کو ذبح کیا جائے گا
اس مقام پر حسین کی نشانی قاسم کی جوانی ٹوٹے گی۔

(وہاں یہ وہ دردناک مقام ہے جہاں تیرے معصوم علی اصغر کے نازک گلے میں زہریں
بجھا ہوا تیرا پیوست کر دیا جائے گا اور وہ تیری گود میں حسرت زدہ نگاہوں سے تیری طرف
دیکھ کر دم توڑ دے گا۔

یہاں وہ جگہ ہے جہاں بیری بیٹی کی بیٹی زینب شہیدانِ وفا کی لاشوں کے ٹکڑے
جمع کرے گی۔

ہوگا یہ وہ جگہ ہے جہاں شہر بانو سارا گھر اُجڑ جانے کے بعد تیری شہادت کا نظارہ کرے گی۔ اپنا لٹنا ہوا سہاگ دیکھے گی۔ اپنی اُمنگوں اور آرزوؤں کا جنازہ نکلتے دیکھے گی۔

امام عالی مقام ایک ایک کر کے کربلا کے تمام مناظر کا مشاہدہ فرماتے جا رہے ہیں۔ اور آغوشِ رسول میں خوابِ راحت کا مزہ لے رہے ہیں۔

لیکن یہ سکون و راحت بھی عارضی ثابت ہوئے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رُخِ انور کو بوسہ دے کر فرمایا:

میرے مظلوم حسین اب جاؤ۔ اہل بیت تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میرے پروردگار اور غریب الوطن ہونے والے حسین! اٹھو اور اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جاؤ اور جان کی بازی لگا کر سر اٹھاتی ہوئی ابلیس کی طاغوتی طاقتوں کو فنا کر دو۔

میرے لال اٹھو! اور باطل کی سر اُٹھارتی ہوئی قوتوں کو کچل کر رکھ دو۔ کذب و افترا کی بنیادوں پر قائم کی ہوئی سلطنت سے ٹکرا جاؤ۔ خود فنا ہو کر بقا حاصل کرو۔ لیکن باطل کے خوئی عفریت کو اُس کے بچے گاڑنے سے پہلے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا کر دو۔

میرے حسین! میری اُمت کی کشتی اُمارت کے چٹھے ہوئے طوفانوں کے تھپیڑے کھا رہی ہے۔ اٹھو اور اپنی جان دیکر اُسے کنارے پر لگا دو۔ میرے مقدس دین کو ظلم و جبر کی طاقتیں ختم کر دینا چاہتی ہیں۔ اٹھو اور میرے دین کو ہمیشگی کی زندگی دیدو۔ میرے حسین تم بہت بُرے امتحان کیلئے جا رہے ہو۔ اللہ تمہیں کامیاب کرے۔ جاؤ میرے شہزادے اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

نانا کے دل کے ٹکڑے تم جہاں کہیں بھی ہو گئے ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ خدا حافظ، میرے حسین خدا حافظ!

حسین! اس نیم بیداری میں آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ خواب میں دیکھا ہوا کربلا کا تمام منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

آپ اٹھتے ہیں، نانا کی قبر کو والہانہ طور پر بار بار چومتے ہیں اور سلام عرض کر کے حجرہ رسول سے چھو جاتے ہیں۔

البت کی تیاری

قیامت صغریٰ

گھر میں آتے ہیں تو دس سال کی معصوم بچی شہزادی حسین سیدہ فاطمہ صغرا کی فریاد و
 فغاں اور آہ و زاری نے قیامت صغرا کا نقشہ کھینچ رکھا ہے۔
 بیمار بچی بخار کی شدت سے بیتاب ہے۔ جسم جل رہا ہے۔ اٹھتی ہے تو گر پڑتی ہے
 گری ہوئی کو جو اٹھانے لگتا ہے تو اسی کے سامنے فریاد شروع کر دیتی ہے۔ پھوپھی
 زینب آگے بڑھ کر سہارا دیتی ہیں اور تسلی کے الفاظ کہتی ہیں۔
 معصوم بچی کی آہ نکل جاتی ہے۔ بیقرار ہو کر پھوپھی کا دامن پکڑ لیتی ہے۔ ہاتھ
 کانپ رہے ہیں، زبان میں لرزہ ہے، جسم پر ریشہ طاری ہے، بات کرتے ہوئے زبان
 میں بل پڑتے ہیں، اس حالت میں عرض کرتی ہیں۔
 میری پیاری پھوپھی کیا بات ہے۔ آج آپ سب کیوں بدے ہوئے ہیں!
 آپ سب میری طرف کھوئی کھوئی نظروں سے کیوں دیکھتے ہیں۔
 پیاری پھوپھی جان! یہ کیسی تیاریاں ہیں۔ آپ سب کدھر جا رہے ہیں۔ مجھے آپ
 کیوں تیار نہیں کرتے۔
 پھوپھی جان! میرے حال زار پر رحم کیجئے۔ مجھ سے یہ سب کچھ نہیں دیکھا جاتا
 پھوپھی جان صغرا اس صدمہ سے مر جائے گی۔
 بھیا علی اکبر بھی تیار معلوم ہوئے ہیں۔ علی اصغر کا جھولا بھی صحن میں منگوا رکھا
 ہے۔ امی جان بھی برقعہ اوڑھنے کی تیاری کر رہی ہیں۔
 لیکن! مجھ قسمت کی ماری کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ آج سے پہلے تو آپ نے

کبھی ایسا نہیں کیا۔ پھوپی جان بتا تو دیجئے کہ بات کیا ہے۔

اصاًم عالی مقام آنجی کی یہ حالت دیکھ رہے ہیں۔ دل میں سفر کا خیال آتا ہے بیمار کو اس حالت میں چھوڑ جانے کا تصور کرتے ہیں تو رو آں رو آں کانپ اٹھتا ہے۔ دل میں خیال آتا ہے حسین تیرا امتحان ابھی سے شروع ہو چکا ہے۔ یہ تیرے امتحان کی پہلی کڑی ہے۔ آپ دل کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر بارگاہِ ایزدی میں عرض کرتے ہیں یا اللہ میرے حال پر رحم فرما۔ مجھے میرے امتحان میں کامیابی نصیب فرما۔ پھر حضرت شہر بانو کو اشارہ کرتے ہیں کہ علی اکبر کو بلاؤ۔ علی اصغر کو لاؤ۔ تاکہ بیمار بہن سے آخری بار گلے ملیں۔

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبر کو بلاؤ، علی اصغر کو بھی بلاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ
روٹھی ہے بہن تم سے اگلے اس کو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے فدا پیار تو کرو
لینے انہیں کب آؤ گے، اترار تو کرو

(ایلیس)

شہزادہ حسین علی اکبر آگے بڑھتے ہیں۔ بہن کی یہ نازک حالت دیکھ کر پیچھے ہی بیقرار تھے اور بیقرار ہو گئے۔ آنسوؤں کو روکنے کی بڑی کوشش کرتے رہے لیکن یہ طوفان کب رکتا ہے۔

صدام کمال ضبط کی کوشش تو کی مگر
پلوں کا حلقہ توڑ کے آنسو نکل گئے (صدام چپٹی)
بات کرنے لگتے ہیں مگر بات نہیں ہوتی۔ ہمشیر کے چہرہ کی طرف دیکھنا چاہتے
ہیں مگر آنسوؤں کی دیوار حائل ہو جاتی ہے۔ بڑی مشکل سے اتنی بات کر سکے۔
میری بہن کیا تو مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ اچھی بہن خفا نہ ہو۔ میرا تو کوئی قصور
نہیں۔ اور پھر اضطراب میں کفِ افسوس ملنے لگے۔

بہن بھری زمرہ کے سنے ہوئے کہہ کر کہے کہ ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

بھی لرزہ آگیا۔

فریاد کیا تھی برقِ غم تھی۔ جس نے سب اہل بیت کے دلوں کو ترپا دیا۔ آپ
عالمِ بے خودی میں بھائی سے باتیں کرتی رہیں۔ اُس کی شادی کی باتیں، بھابی کو لانے کی باتیں
گھوڑی پر چڑھنے کی باتیں۔ دولہا بنانے کی باتیں۔ ہاگ پکڑائی کی باتیں۔

چلانے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر
محبوبِ برادر تیرے قربان یہ ہمیشہ
صدقے تیرے سر پہ سے اٹکے مجھے کوئی
بل کھاتی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبز سے نکلنے کے میں صدقے
تلوار لئے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس انا ہاتھوں کے نکلنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے دھلنے کے میں صدقے
جلد آ کے بہن کی خبر لیجئے بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجئے بھائی

(انیس)

میرے اچھے بھائی جان! اگر میرا حال پوچھا ہے تو امی جان سے میری سفارش
بھی کر دو۔ آپ جہاں بھی جانا چاہتے ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔
آپ لوگوں کی جدائی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اب اگر آؤ گے تو میری قبر سے
ملاقات کر دو گے۔

بھئی مجھے اپنے ساتھ لیتے چلو۔ میری امی سے سفارش کر دو۔ نہیں تو میں
مر جاؤں گی بھئی۔

بی بی شہر بانو نے بیمار بچی کے یہ الفاظ سنے تو کلیجہ منہ کو آگیا، رو کر فرمانے
لگیں۔

حانِ ادم! میرا دل کھٹک رہا ہے، میری حالت برا ہے، میری بھئی!

اور نہ تڑپاؤ۔ تمہاری گفتگو سے میری جان نکل جائے گی۔

پیارے صغرا میری سفارش کی بات کرتی ہو۔ ماں کب چاہتی ہے کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اس حالت میں چھوڑ کر چلی جائے۔

بیٹی! تمہیں سخت بخار ہے۔ تم سفر کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری تکلیف اور بڑھ جائے گی۔

میری دعا ہے کہ تُو جلد صحتیاب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تیری نگہبانی فرمائے صغرا صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تُو تندرست ہو جائے گی تو علی اکبر تمہیں آکر لے جائیں گے۔ اب نہ رونا میری بیٹی اب نہ رونا۔ ننھا علی اصغر تمہاری دردناک آواز سن کر رونے لگتا ہے۔

میں مدد قے گئی بس! نہ کرو گویہ زاری اصغر میرا روتا ہے صد اسن کے تمہاری وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری آ میرے ننھے سے مسافر تیرے واری

چھٹی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم؟

اصغر میری آواز کو پہچان گئے تم؟
ننھے سے علی اصغر نے جب بہن کی پھیلی ہوئی باہوں کو دیکھا تو پاس جانے کے لئے مچلنے لگا۔

ماں نے جب ننھے سے بھائی کو بہن کی گود میں دینا چاہا تو صغرا نے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

اس غم کو کن الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ اس الم کا کیسے اظہار کیا جاسکتا ہے۔

اس غم کے بیاں کرنے کو الفاظ نہیں ملتے
ایک طرف تو ہمیشہ تڑپ رہی ہے کہ ننھے کو گود میں لیکر پیار کر دوں، سینے سے لگا دوں، اس کا منہ چوموں، اسے لوریاں دوں۔

اور دوسری طرف اس جذبہ کے ساتھ ہاتھ پیچھ لئے کہ مجھے تیز بخار چڑھا ہوا ہے۔

آپ کہتی ہیں۔ امی! علی اصغر کو اپنے پاس ہی رکھو۔ میرے بخار کی گرمی

سے میرا تھا سا پھول مڑھا جاتے گا۔
 بس میرے قریب بیٹھ جاؤ کہ میں اسے دیکھتی رہوں۔
 بی بی شہر بانو قریب بیٹھ جاتی ہیں اور مدِ مصوم بہن یوں محصوم بھائی سے
 مخاطب ہوتی ہے۔

تم جاتے ہو ساتھ اور بہن جا نہیں سکتی
 تپ ہے! تمہیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں دے سکتی
 بیکس ہوں میرا کوئی مددگار نہیں ہے
 تم ہو سو تمہیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

(ایس)

محصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار
 لیکے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
 صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا یک بار
 جھک جھک دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
 دنیا سے کوئی دن میں گذر جائے گی صغرا
 تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مڑ جائے گی صغرا
 میرے ماں جائے اصغرا! میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں سینے سے لگا کر
 تمہاری بلائیں لوں، لیکن بہن مجبور ہے۔
 تو بہن کے چلتے ہوئے جسم اور پتے ہوئے سینے کی گرمی برداشت نہیں کر سکیگا
 میرے ننھے چاند تم میری طرف دیکھتے رہو اور میں تمہاری طرف دیکھتی رہوں۔
 اس قسم کی درد انگیز گفتگو کرتے کرتے بخار اور تیز ہو جاتا ہے۔ بیمار کو
 پھر غش آگیا۔

امام عالی مقام بچی کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے۔ بیٹی کے سر ہانے بیٹھ کر
 نبض پر ہاتھ رکھا تو بخار اس قدر تیز تھا جیسے بھٹی جل رہی ہو۔ ہاتھ کو چھوا
 تو ہاتھ جلنے لگا۔

بیکو صبر و رضا حسین کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں۔
 بیبیوں سے نظر بچا کر دستار مبارک کے پلڑے میں گرم گرم آنسوؤں کو جذب
 کر لیتے ہیں۔

پھر بھی جگر کو چیرتی رہی یا خنجر آہ! نکل ہی گئی۔ سورہ فاتحہ پڑھ کر بچی کو دم کیا۔
شہزادہ مصطفیٰ کی قوت مسیحائی نے پورا پورا اثر کیا۔ بچی نے آنکھیں

کھول دیں۔

بیمار نے بائی جو گل زہرا کی خوشبو
آنکھوں کو تو کھولا، پر مکنے لگے آنسو (انیس)
امام کے حضور مجسم فریاد بن کر بی صغرا نے عرض کیا، بابا! آپ آگے بابا! میرے
مسیحا آپ اب تک کہل تھے، یہاں کیا ہو رہا ہے بابا!
میرے پیارے ابو جان یہ کہاں کی تیاری ہو رہی ہے۔ آپ اپنی صغرا کو کس
کے ہمارے پھوڑ کر چارے ہیں
مجھے سب کچھ بتا دو میرے آبا میں بہت پریشان ہوں۔
امام عالی مقام نے فرمایا۔ بیٹی صبر کرو۔ ہم دیر سے آگے ہوئے تمہاری یہ
حالت دیکھ رہے ہیں۔

بیٹی تمہاری یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔
بیٹی میں اس لئے سامنے نہیں آتا تھا کہ تمہارے سوالوں کا کیا جواب دوں گا۔
اب سن میری بیٹی میں تم کو سب کچھ بتا دیتا ہوں۔

تم رہتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا (انیس)
بیٹی! میرا امتحان شروع ہو چکا ہے، مجھے بہت لمبے اور دل ہلا دینے
والے سفر پر جانا ہے۔ میں تمہیں ضرور ساتھ لے جاتا مگر میری بچی تم بیمار ہو۔ تمہیں شدید
بخار ہے، زبردست لقاہت ہے۔ تمہیں لمحہ بلمحہ غش آرہا ہے۔ تم سواری پر کبھی نہیں بیٹھ
سکو گی۔ تمہیں بڑے آرام کی ضرورت ہے۔ راستہ پر ہول بھی ہے اور طویل بھی۔

میری پیاری بیٹی! تجھے اس حال میں یہاں پھوڑنے ہوئے جو میرا حال ہو رہا ہے وہ
تجھ پر کیسے ظاہر کروں، تجھے یہاں پھوڑ کر جانا بھی میرے لئے بہت بڑی مصیبت ہے۔

ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہوں صغرا (انیس)

صحت دے تمہیں یہی بابا کی دعا ہے اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزہ ہے
 اب بادیہ پیمانی ہے، ایذا ہے، بلا ہے کیا جانئے شبیر کی تقدیر میں کیا ہے
 دل جلتا ہے جب تپ میں تمہیں پاتا ہوں صغرا
 اس رنج میں میں اور گھلا جاتا ہوں صغرا (انیس)

تم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
 شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
 بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا
 مجبور ہوں بے سحر نہیں اب کوئی چارا
 فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
 اُتروں گا جو منزل پہ تمہیں یاد کروں گا (انیس)

بابا کی درد بھری اور واضح گفتگو سن کر معصوم بیمار کے دل کی دھڑکن اور بھی تیز
 ہو گئی۔ پھر غش کی حالت ہونے لگی۔ شدت کو بے سے آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں
 لیکن نہ جانے صغرا نے کس قوت کے سہارے بیہوشی کے جال کو توڑ دیا۔ بیمار
 کی یہ آخری کوشش تھی جس نے لرزتے ہوئے جسم کو سنبھالا دے دیا۔ پانی کا پیالہ
 قریب تھا، بخار سے کانپتے ہوئے ہاتھوں کو سنبھال کر پیالے کو اٹھایا، چند گھونٹ
 پانی پی کر بچے ہوئے پانی کے آگھوں پر چھٹیے مارے۔ لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ
 پیدا کر کے امام سے مخاطب ہوتی ہے۔

بابا میری نمض دیکھو اب میں تندرست ہوں۔ اب تو سارا بخار اتر گیا ہے میرے بابا۔
 میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ معمولی سی نقاہت ہے سو وہ بھی آپ کی زیارت سے دور
 ہو ہی جائے گی۔

اگر آپ چاہیں تو میں چل پھر کر بھی دکھا سکتی ہوں۔ پیارے ابو جان اب مجھے
 ضرور ساتھ لے چلیں۔

میں آپ کے بہت کام لیا کروں گی بابا۔ میں علی اصغر کا جھولا جھلایا کروں گی۔
 وہ میرے ساتھ بہت مانوس ہے۔ میری گود میں آکر کبھی نہیں روتا۔ بابا میں اسے کبھی نہیں

رونے دوں گی۔ اگر میں ساتھ نہ گئی تو وہ بہت روئے گا۔ اُمّی جان کو اور آپ کو بہت پریشان کرے گا۔

میں آپ کے کپڑے بھی دھویا کروں گی بابا۔ اُمّی کے بھی کام آؤں گی، اُمّا کو نہ صولگی روٹیاں پکاؤں گی۔ اُمّا جان میں آپ کے خیموں میں جھاڑو بھی دیا کروں گی۔ آپ کے جاتے نماز کو ہر وقت صاف رکھا کروں گی۔

سواری کم ہے تو جب بھی کوئی بات نہیں۔ میں آپ کی سواریوں کے پیچھے پیچھے دوڑتی ہوئی چلتی رہوں گی بابا۔ جب میں آپ کی سواری کے پیچھے دوڑوں گی تو پسینہ آجائے سے باقی ماندہ بخار بالکل اُتر جائے گا۔

کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار گرمی میں بھی راحت سے گند جائیگی بابا
آئے گا پسینہ تپ اُتر جائیگی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں اُفتک کروں بھر کے اگر آگ جگر میں
بھوئے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں قربان گئی چھوٹے کے نہ جاؤں مجھے گھر میں

ہو جانا خفا، راہ میں گر روئے گی صغرا

یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغرا

ہر صبح میں پی لوں گی دعا آپ بنا کر دن بھر میری گود میں رہیں گے علی اصغر

میں یہ نہیں کہتی کہ عساری میں بٹھا دو

بابا مجھے فتنہ کی سواری میں بٹھا دو (دُشمن)

بیمار بچی کے معصوم جذبے کی کیفیت کو الفاظ میں کس طرح بُھالا جاسکتا ہے۔ بیمار

معصوم نے خود کو تندرست ثابت کرنے کے لئے آخری کوشش بھی کر کے دیکھ لی۔

صغرا نے کہا بابا! میں آپ کو چل بھر کر دکھا سکتی ہوں۔ آپ دیکھ لیں میں اب بالکل

نہیں گردوں گی۔ یہ جملہ کہتے ہی اپنی تمام طاقت کو جمع کر کے معصوم بچی پورے اعتماد کے ساتھ

خوٹ بٹھالتے ہوئے اُٹھی۔ ابھی پہلا قدم ہی اٹھایا تھا کہ چکر آگیا اور تیور اکر گر پڑی۔

۱۔ فضیہ امام عالی مقام کی ایک کنیز کا نام تھا۔ جس کو سیدہ فاطمہ زہرا کی کنیز ہونیکا بھی شرف

بچوں سے لیکر بڑوں تک کی چینیں نکل گئیں۔ گھر میں گہرا مہلچ گیا۔ امام عالی مقام کے دل سے ہوک اٹھتی ہے۔

آپ بے ہوش بچی کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں۔ میری پیاری بیٹی....! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

جانِ پدسا! باپ تیری اس معصوم کوشش کے قربان۔ تیری خواہش تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے تو ہمارے ساتھ چلی جائے۔ تو نے بیماری کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھ لیا۔ بیماری جیت گئی اور تو ہار گئی

پیاری صغرا! باپ تیرے اس مقدس جذبے کی قدر کرتا ہے۔ حسین تیرے دل کی کیفیت کو ہر طرح جانتا ہے۔

میرے سینے میں بھی دل ہے بیٹی۔ میں سب کچھ محسوس کر رہا ہوں۔ میری بیٹی! میں اولاد کے غم کو جانتا ہوں۔ تو میری اولاد ہے۔ اگر تجھے بھڑنے کا غم ہے تو تیرے بابا حسین کو دہرا غم ہے۔ ایک اپنا غم ہے اور ایک تیرے غم کا غم۔ بیٹی یہ تقدیر الہی ہے اسے قبول کرو۔ میں بھی خدا کی رضا کو قبول کرتا ہوں اور تو بھی کرو۔

جانِ پدسا! اگر بابا کی رضا کی بات ہوتی تو میں تجھے ابھی تندرستی عطا کر دیتا۔ لیکن تیرے غم کو سینے میں لیکر اس دردناک سفر کا آغاز کرنا ہے۔ مجھے نانا کے مدینہ کو اسی حالت میں چھوڑنا ہے کہ تیرا بخار میں جلتا ہوا جسم اودھتا ہوا زرد چہرہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہے، مجھے تیرا غم تو پاتا رہے اور میں اس کرب اور بے قراری کو سینے میں دبانا ہوتا اپنا سفر جاری رکھوں۔

میرے دل کے ٹکڑے صغرا! اللہ تعالیٰ تجھے شفاء کامل نصیب فرمائے، تو جلد صحتیاب ہو جائے۔ بابا کی دعا ہے کہ تیرا بخار مجھے آجائے۔ تیری بیماری مجھے مل جائے اور تو تندرست ہو جائے۔

امام عالی مقام کی گفتگو نے گھر بھر کو ماتم کردہ بنا کر رکھ دیا۔ سینے سے اٹھنے والے غم کے طوفان آنکھوں کے راستے آنسوؤں کی نہریں بن کر رواں تھے۔

معصوم بچی سکینہ روتی ہوئی۔ باپ کے سینے سے لپٹ جاتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بیٹی ایک بار اپنی بہن صغرا کو ہوش میں لاؤ۔ باپ اُسے آخری بار الوداع کہنا چاہتا ہے۔

شہزادی حسین جناب سکینہ آگے بڑھتی ہے۔ بیمار کے منہ پر چھینٹے مار رہی ہے۔

ہوش میں لانے کی کوشش کرتی ہے۔
کہتی تھی سکینہ کہ بہن آنکھیں تو کھولو
ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلیگر تو ہو لو
کچھ بات کر دو ہم سے ذرا منہ سے تو پھر
چھاتی سے لگو باپ کی دلا کھول کے رو لو

تم جن کی ہوشیدہ وہ برادر نہ ملے گا

پھر گھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا

اصغر کو کر د پیار کلجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اٹھ کے کھڑی رہتی ہے مادر
ہمشیار ہو! کیا دیر سے بے ہوش ہو خواہر
ہم روتے ہیں! دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر

افسوس اسی طور سے غفلت میں رہو گی؟

(انیس)

کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی؟

منہ پر پانی کے چھینٹے دینے سے بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ نقاہت پہلے سے
گنتی گنا بڑھ گئی ہے۔ ساتھ چلنے کی آس بھی ٹوٹ چکی ہے۔ اب تو اٹھ کر بیٹھ جانے کی
بھی ہمت نہیں۔ تصویر یاس و ناامیدی بنے ہوئے ہر ایک کا چہرہ دیکھے جا رہی ہے، سینے
کے اندر اٹھنے والے طوفانوں کا اظہار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

آنکھیں ہیں جیسے تھرا کئی ہوں، چہرہ زرد ہے، بات کرنے کو جی چاہتا ہے،
لیکن ہونٹ تھرا کر رہ جاتے ہیں۔

تمام اہل بیت چپکے چپکے رو رہے ہیں اور بیمار کو دیکھتے جا رہے ہیں۔ کسی میں بھی بات
کرنے کا حوصلہ نہیں۔ بات کی بھی جائے تو کوئی بالکل یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سب کسی تلاش
کے پاس کھڑے ہوں اور حسرت و یاس کے ساتھ دیکھتے جا رہے ہوں۔ اس سکرانہ موت جیسے
عالم میں امام عالی مقام کی دردمیں ڈوبی ہوئی آواز ابھرتی ہے۔

میری بچی! ہمیں ان حسرت زدہ نگاہوں سے نہ دیکھو۔ ہمارے سینے پھلنی
ہو جائیں گے۔ پیاری صغرا صبر کرو! صبر میری بیٹی، صبر ہی سے ان غموں کا مدد اہو سکے گا
ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے۔ سفر طویل ہے۔ ہم صبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے سفر کا
آغاز کر دینا چاہتے ہیں۔ میری بچی اللہ تعالیٰ تجھے جلد صحتیاب فرمائے۔

حلیمہ

اپنی دُادی اُمّہ کائنات خاتون قیامت کے حضور میں روزِ حاضری دینا اور بابا کے لئے دُعا کرتی رہنا۔ خُدا حافظ میری صُغرا، خُدا حافظ! غمزدہ حسین کی غمزدہ بیٹی اوداع! بچہ کے سر پر آخری پیار دے کہ امام عالی مقام حجرہ سے باہر تشریف لے آتے ہیں۔ خاتہ جیدر کی عزت، ناموسِ مصطفیٰ، گلستانِ فاطمہ کی کلیوں کو سوار یوں پر بٹھایا، سامانِ سفر تیار ہو چکا تھا ایک بیمار مٹی جسے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کفالت میں دے کر ہاشمی خاندان کی عورتوں اور حضرت عبداللہ بن جعفر کو پورا پورا خیال رکھنے کا ارشاد فرمایا۔

عجیب بات ہے کہ مدینہ کو بسانے والے خود مدینہ سے دُور جا رہے ہیں۔ بیمار صُغرا کو بھی حضرت زینبؓ کے گھر میں رہنا تھا۔ گویا آج حجرہ فاطمہؓ خالی ہو گیا ہے۔ وہ مقدّس گھر جس میں اپنی حیاتِ ظاہری میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ تشریف لاتے تھے آج اُس کی تالہ بند ہو رہی ہے۔

رُبَاعِی

گل گلی مدینے وی چیخ اُٹھی جندوں کو بلا داشتہ سوار ٹُریا
ایہہ تے جگر حسین دا ای جانِ داے کیوں بچی ٹوں دے کے پیار ٹُریا
ٹُریا کوئی نہیں گھراں ٹوں چھڈا بیویں جیویں فاطمہؓ ۱۰ ماہ انوار ٹُریا
روزِ دہویا حسینؓ ذیشانِ صائم

جندے آتاں دے حجرے نوں مار ٹُریا - (صائم چشتی)

سواریاں ابھی دروازے کے پاس ہی موجود ہیں کہ حجرہ کے اندر سے درد میں دُوبی اور لڑتی ہوئی مدھم سی آواز آئی۔ اے میرے علی اصغر!

بی بی صغریٰ کی والدہ بے تاب ہو کر امام عالی مقام کی بارگاہ میں عرض کرتی ہیں اے ناموسِ محمدؐ کے محافظ! اے میرے سرتاج! ایک بار صُغرا کی چار پانی باہر منگو ادیں۔ صرف ایک لمحہ کے لئے میرے سرتاج، مجھ سے اس کی دزدناک چیخ برداشت نہیں ہو سکی۔ بیمار کو صرف دو باتیں کر لینے دیں۔

امام عالی مقام نے جلدی جلدی سہار کی چار پانی دروازے سے کھینچ لیا۔

کا حکم دیا۔

صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقتِ رفتار
شربان گئی آخری دیدار کرا دو
مضطرب ہوئی سُن کر یہ سچن بانو سے بے پر
بیٹی سے کہا، دستِ پسر ماتھے پہ رکھ کر
دروازے کے پاس آ کے یہ کہتی تھی وہ بیمار
اماں مجھے اصغر کو پھراک بار دکھا دو
پر دے سے جگر بند کا منہ کر دیا باہر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغر
منہ زد دے رخساروں پہ آنسو بھی بہے ہیں
یہ رنگسی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہے ہیں
تھراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر وہ پکاری
آخر کوئی دن میں ہے بس اب موت ہماری
بھیا نہیں جینے کی ہیں فرقت میں تمہاری
جب آکھیں اس جھوٹے کو آباد کرو گے
تم بھی مری گودی کو بہت یاد کرو گے (انیس)
بہن بھائی سے آخری گفتگو کر لیتی ہے تو پھر چار پائی اندر رکھوا دی جاتی ہے
سوار یوں کو چلنے کا حکم دیکر کہ بلا کا مسافر نانا جان کے روضہ اقدس کی جانب منہ کر کے
آخری کلام کرتا ہے۔

مدینہ چھوٹ جابائے

۴ شعبان المعظم ۶۰ھ ہجری کی صبح طلوع ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ مدینہ منورہ کی پرکھنے والی فضا فردوس بریں کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ نخلستانوں میں کھجوروں کے پتے وجد و کیف کے عالم میں ایک دوسرے کے گلے مل رہے ہیں۔

مَدِیْنَتُ الرَّسُوْلِ کے کہیں آغوشِ رحمت میں چین کی نیند سو رہے ہیں۔ مسجد نبوی شریف میں نزولِ انوارِ خداوندی ہو رہا ہے۔ ملائکہ کی صفیں نہایت ادب سے دربارِ رسالت میں ہدیہِ صلوٰۃ و سلام پیش کر رہی ہیں۔ ہر طرف آرام و راحت اور سکون ہی سکون نظر آتا ہے۔ مگر ایک ایسا بزرگ جاگ رہا ہے جس کے قد و قامت اور رفتار کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے خود شہنشاہِ دو عالم تشریف لائے ہوں یہ بزرگ حسین ابن علیؑ ہے، نواسہٴ رسولؐ ہے، سبطِ پیغمبر اور شبیبِ مصطفیٰ ہے۔ یہ زہرا بتول کا دلارا شبتیر ہے، یہ مدینۃ النبی کا شہزادہ ہے، یہ سلطنتِ اسلامیہ کا روحانی تاجدار ہے جو اس وقت اپنے نانا جان سے یوں ہٹلا رہا ہے۔

نانا جان! میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کے لئے جبار ہا ہوں۔ آپ نے مجھے جس امتحان کے لئے پالا تھا۔

اب بیت کو دکھوں، مصیبتوں کے اذیت ناک سفر پر روانہ کر دیا ہے۔

نانا جان! آپ کا غلام پورے طور پر حقِ غلامی ادا کریگا۔ میرے پیارے نانا تیرا حسین تیرے دین کی زندگی کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیگا۔

آپے اگر میری خواہش کو عزیز رکھتے تھے تو میں بھی آپ کی ہر خواہش کا پورا پورا احترام کروں گا۔

آپ نے بچپن میں میرے لئے جنت سے جوڑا منگوایا تھا۔ میں آپ کے دین کی سر بلندی کے لئے اپنی ٹکڑے ٹکڑے لاش کے لئے کفن بھی نہیں مانگوں گا۔

حضور! آپ نے میرے لئے منبر چھوڑ دیا تھا۔ آج آپ کا غلام آپ کے ناموں کیلئے مدینہ چھوڑ رہا ہے۔

نانا جان! حبیب کے جسم میں جب تک خون کا آخری قطرہ بھی موجود ہوگا آپ کی عظمت کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دے گا۔

پیارے نانا جان! آپ نے مجھے کربلا کی جو تصویر دکھائی ہے میں اُس کے ہر خاکے میں اپنے خون کی سُرخ مہر دوں گا۔

نانا جان! مجھے کربلا کا معشر خیز نظارہ دیکھ کر وہ تکلیف نہیں ہوئی جو آپ کا مدینہ چھوڑتے وقت محسوس کر رہا ہوں۔

وہ کوئی بد بخت ہی ہوگا جو آپ کے مدینہ میں رہ سکتا ہو اور پھر نہ رہے۔ نانا جان جنت کو چھوڑنے کیلئے اپنی خوشی سے کون تیار ہوتا ہے۔

محترم نانا! میں اپنی اس جنت کو صرف آپ کی رضا کیلئے چھوڑ رہا ہوں۔

نانا جان! اگر میری کوئی غلطی ہو تو معاف فرما دینا۔

محترم نانا! اپنے اس غریب وطن پر دسی مسافر پر نگاہِ شفقت رکھنا۔ اسے دکھوں اور مصیبتوں سے مقابلہ کرنے کی بہت عطا فرمانا۔

نانا جان! اپنے حسین و بھول نہ جانا۔ نانا! آپ کے کرم کے بغیر حسین ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ آپ ہی تو میری راہنمائی کریں گے۔ آپ ہی تو مجھے منزل سے آشنا کریں گے۔

میرے حضور! آپ ہی تو میری روح اور میری زندگی کی زندگی ہیں، آپ میرا خیال نہیں رکھیں گے تو او بلکان رکھے گا۔ حضور مجھے کسی ابتلا کے وقت بھی اکیلے نہ چھوڑنا۔

ابے میں اجازت چاہتا ہوں۔ میرے کریم! اب اپنے حسین کو اجازت مرحمت فرمائیے۔

میرے آقا! بیمار صُغرا کا خیال رکھنا۔ میں نے اُسے جس حال میں چھوڑا ہے وہ سب آپ پر ظاہر ہے۔

حضور! وہ آپ ہی کا خون ہے۔ میں اُس الم نسب کو آپ کا نام

دیتا ہوں۔ تاجدارِ عالم کی پناہ میں، شہنشاہِ کونین کی پناہ میں، پناہِ بکیساں کی پناہ میں۔
 اُس غمگسارِ غریباں کی پناہ میں۔ جس کی پناہ میں آنے کے بعد غمِ خوشی میں بدل جاتے ہیں۔
 بیماری تندرستی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دکھ، سکھ بن جاتے ہیں۔

حضور! حسینؑ کی بکیں بچی کا خیال رکھنا۔ خدا حافظ میرے غمگسارِ نانا خدا حافظ
 خدا تعالیٰ آپ کے مدینہ کو آباد رکھے۔ آپ کی خیر ہو، آپ کے ساتھیوں کی خیر ہو، مدینہ
 کی گلیوں کی خیر ہو۔ لہلہاتے نخلستانوں کی خیر ہو۔ غنبر یا رگلتانوں کی خیر ہو۔
 جنت البقیع کے مزاروں کی خیر ہو۔ مدینہ کی بہاروں کی خیر ہو۔ میری امی جان کے حجرہ کی
 خیر ہو، مسجد نبوی کے محراب و منبر کی خیر ہو۔

اوداع اے تاجدارِ دو عالم اوداع، خدا حافظ اے نانا جان حسینؑ کا
 آخری سلام قبول ہو، خدا حافظ!

پھر آپ روتے ہوئے لٹے پاؤں واپس ہوئے۔ اہل بیت کا قافلہ جا چکا تھا۔
 آپ اپنی سواری پر بیٹھے اور دُوبتے ہوئے دل کے ساتھ منزل کی جانب روانہ ہو گئے
 شہر کے باہر اہل بیت کا قافلہ رُکا ہوا ہے اور سب مدینہ کی طرف حسرت زدہ
 نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

آج سے ساٹھ سال پہلے عرب کا چاندِ ثناتِ اوداع کی گھاٹیوں سے
 طلوع ہوا تھا آج اُس چاند کا چاند انہیں گھاٹیوں میں غروب ہو رہا ہے۔

یہ وہ گھٹائی ہے جہاں تک مدینہ کے لوگ اپنے مہمانوں کی واپسی پر اوداع
 کہنے آتے ہیں۔

مگر آنحضرتؐ جا رہا ہے تو اُسے کوئی بھی اوداع کہنے والا نہیں۔ آپ نے
 حسرت سے اُٹل گھٹائی کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

میرے نانا کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری پر نبیِ سجاد کی لڑکیوں نے
 یہاں خوشی کے گیت گاتے تھے۔

ہائے افسوس کہ مقوری دیر تک یہ گھاٹی بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔
 مدینہ کو چھوڑ دینا آسان نہیں۔ مدینہ بھڑنے وقت جان نکل جاتی ہے۔ عام لوگوں
 کی یہ حالت ہے کہ مدینہ چھوڑنے کا وقت بھیجنا، بار بار کوئے ہوش بوجھتے ہیں۔ آنکھیں

خون کے آنسو برساتی ہیں۔ دل ڈوب جاتے ہیں۔

مدینہ سے نکلنے وقت جو حالت ہوتی ہے۔ یہ وہی لوگ جان سکتے ہیں جو مدینہ سے ہو کر آتے ہیں۔

اورد یہ تو حسین مدینہ چھوڑ رہے ہیں جن کا گھر مدینہ میں ہے، جن کی امی جان کا حجرہ مدینہ میں ہے، جن کے بھائی حسن مدینہ میں ہیں، جن کی ماں مدینہ میں ہے، جن کا سب کچھ مدینہ میں ہے، جن کے نانا مدینہ میں ہیں، جن کی بیمار صغرا مدینہ میں ہے، مدینہ چھوڑتے وقت ان کی کیا حالت ہوگی یہ تصور کر لینا بھی مشکل ہے کہ مدینہ چھوڑتے وقت حسین کے سینے میں کس کس طرح کے طوفان اٹھ رہے تھے۔

بلیدہ زینب کے دل کی کیا حالت تھی۔ علی اکبر کو بہن کی جدائی نے کس طرح بے قرار کیا ہوگا۔ جناب قاسم کو باپ کی قبر اورد کے بچھڑنے کا کیا صدمہ ہوگا، کون جان سکتا ہے۔ اس غریب الوطن ہونے والے قافلہ والوں کے دلوں کی حالت نہ قلم بیان کر سکتی ہے نہ زبان ادا کر سکتی ہے۔ ان کے دلوں پر جدائی کی چلنے والی پھریوں کے زخموں کی گہرائی کو کون ناپ سکتا ہے۔

ان کی مصیبت کو یا خدا جانتا تھا یا مصطفیٰ جانتے تھے یا وہ جانتے تھے۔ نبضیں تھرا رہی تھیں، کیلجے دھڑک رہے تھے، سینے پھڑک رہے تھے، دل ڈوب رہے تھے آنکھیں خون کے آنسو برساتی تھیں اور زبان پر صدائے الفراق الفراق تھی۔

اسی عالم اندوہ و غم میں حسین کی حسرت و یاس میں ڈوبی ہوئی نگاہیں اٹھتی ہیں، مسافروں کی طرف دیکھتے ہیں اور ٹوٹے ہوئے دل سے روانگی کا حکم دیتے ہیں۔

قافلہ روانہ ہوتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سواروں کے جذبے و سواریاں بھی جانتی ہیں۔ قدم اٹھتا ہے مگر نہیں اٹھتا۔ بوں لگتا تھا جیسے ہزنا قہ کے، اول باندھ دیئے گئے ہیں۔

قافلہ آہستہ آہستہ طوعاً و کرہاً چلا جا رہا ہے۔ سبھی لوگوں کی گم بٹری ہوئی ہیں، اور نظریں مدینہ منورہ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ آخر چلتے چلتے یہ آرزو گڈاں اودارہ کا شہر نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

حسین مکرّم عظیم

عجیب اتفاق ہے کہ نانائے رات کے وقت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اور اب نولسے کورات ہی کے وقت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف آنا پڑا۔ اُس وقت خاندانی عداوت کفر اور اسلام کے نام پر ظاہر ہو رہی تھی اور اب وہی خاندانی عداوت اسلام کے نام پر اسلام سے ٹکرا نا چاہتی ہے۔

بہر حال امام حسینؑ سفر کی صوبتیں برداشت کرتے ہوئے منزل بہ منزل مکہ معظمہ میں تشریف لے آتے ہیں۔

عبداللہ ابن زبیر آپ سے پہلے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ میں آچکے تھے۔ عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر پہلے ہی وہاں موجود تھے ان سب نے مل کر امام عالی مقام کا شاندار استقبال کیا اور قافلہ اہل بیت نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے نانا و دادا کے مکانوں میں فروکش ہو گیا۔ نانا کا نولہ مبارک سب کے لئے باعث تسکین بن گیا۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے مکانوں کی رہائش نے مدینہ منورہ کی جدائی کے زخموں پر مرہم کا کام کیا۔ ان گلیوں میں بھی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنبر فشاں زلفوں کی مہک رچی بسی ہوئی تھی۔ یہ لمبی گھر تھا جہاں شہزادی کوثر، مخدومہ کائنات، سیدۃ النساء العالمین، خاتون قیامت سیدہ فاطمہ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

ماں کے مزار اقدس کی جگہ نانی سلام اللہ علیہا کا مزار و جہر سکون و قرار بنا ہوا تھا۔ مدینہ بھولنے کی چیز نہیں لیکن یہاں تاجدار مدینہ کے آثار تھے، نشانیاں تھیں جن کی زیارت سے تصورات کی دنیا بہت کچھ حاصل کر لیتی ہے۔

امام عالی مقام کا زیادہ وقت حرم ہی میں گزرتا ہے۔ وعظ وارشاد، پند و نصائح کا بازار ہر وقت گرم رہتا ہے۔ مکہ معظمہ کے لوگ شہزادہ رسول کے ارشادات سُننے کے لئے انبوه دانا بونہ آپ کے گرد جمع رہتے۔

اُن دنوں عامل مکہ سعید بن عمر بن العاص تھا اگرچہ گورنر ماکہ طاف سے مقرر تھا۔

لیکن امام عالی مقام کے گرد لوگوں کے ہجوم سے کچھ تعرض نہ کرتا۔
اندرون خانہ مکہ معظمہ کے بیشتر لوگ یزید کی حکومت سے بیزاری کا بھی اظہار کرتے
اور اس سے نفرت بھی کرتے۔
لیکن فضا پر سکون تھی۔ نہ تو حکومت کی طرف سے کسی قسم کا کوئی تشدد کیا جاتا اور
نہ ہی لوگ کھل کر حکومت کی مخالفت کرتے۔ امام عالی مقام نہایت خاموشی سے اپنا وقت گزار
رہے تھے اور اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب کہ بلا کا خونیں معرکہ قائم ہونا تھا۔
ان لمحات کا انتظار تھا جن میں تکمیل ذبح عظیم ہونا تھی۔ ان گھڑیوں کے منتظر تھے
جن میں خدا تعالیٰ کے حضور میں امتحان کے پرچے پیش کرنا تھے۔

کوفہ والوں کے خطوط

بالآخر یہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کے قریب آگئیں اور وہ اسباب پیدا ہونے کا وقت آگیا جو آپ کو آپ کی شہادت گاہ تک لے جاتے۔

عراق کے دار الخلافت کوفہ سے امام عالی مقام کے نام خط آنا شروع ہو گئے۔ کوفہ کے رئیسوں کے خطوط، شہریوں کے خطوط، امیروں کے خطوط، علماء کے خطوط عوام کے خطوط۔

ایک ایک خط پر کئی کئی مہریں ہوتیں، ایک خط پر کوفہ کے ستر سرسید اور وہ لوگوں کی مہریں تھیں۔

دو، چار، پانچ، دس نہیں بیسیوں خطوط، پورے ایک سو بیس خطوط امام عالی مقام کو موصول ہوتے۔

جو نامہ بر بھی آتا تحریر کیا ہوا خط شہزادہ گلگوں قبا کے حضور میں پیش کر کے فریاد شروع کر دیتا۔ ہر نامہ بر کی گفتگو اور ہر خط کا مضمون ایک ہی جیسا ہوتا۔ امام عالی مقام خط پڑھتے، خط لانے والوں کے چہروں کو پڑھتے، ان کے دلوں کا مطالعہ کرتے، اور پھر نانا جان سے کیا ہوا وعدہ یاد کر کے زیر لب مسکرا دیتے۔ متعدد خطوط آنے تک آپ نے ”ہاں! نہ“ کچھ بھی نہ کہا۔

بالآخر آپ نے ایک وفد سے وعدہ فرمایا کہ ہم آجائیں گے۔ لیکن ہم سے پہلے ہمارے مہبائی جناب مسلم ابن عقیل تمہارے پاس آئیں گے۔

وہ حالات کا جائزہ لیکر ہمیں خط لکھیں گے تو ہم ضرور آجائیں گے۔ وفد واپس چلا گیا۔ ادھر کوفہ میں شخص کو اطلاع ہو گئی کہ امام عالی مقام ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لے لیا وعدہ فرمایا ہے اور مسلم بن عقیل آپ کے نائب بن کر بہت جلد پہنچ رہے ہیں۔

ادھر امام عالی مقام نے حضرت مسلم کو ارشاد فرمایا۔

برادر محترم! کوفہ والوں کی طرف سے مسلسل خطوط کی آمد آپ پر طائر ہے۔ وہ لکھتے

لے بعض روایتوں میں ہے کہ ان کی تعداد ایک سو پچاس سے بھی زیادہ ہے۔

ہیں کہ ہمیں یزید کی بیعت قبول نہیں

وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر بیعت کریں۔ اُن کا ایک جملہ یہ بھی ہے کہ اگر ہمیں ایک فاسق و فاجور کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے تو اس کی ذمہ داری ابنِ رسولؐ پر ہوگی۔ اور وہ قیامت کے دن بری الذمہ ہوں گے۔

بِکْرَادِ عِزِّیْنَ! ہم کوفہ والوں کو جانتے ہیں۔ اس لئے آپ کو پہلے بھیجا چلتے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے جائیں۔ وہاں کا جائزہ لے کر ہمیں خط لکھیں۔ تو ہم بھی آجائیں گے۔

پیارے بھائی شریعت کا فتویٰ ظاہر یہ ہوتا ہے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہمیں اتمامِ حجت کرنا ہی پڑے گا۔

ہم نہیں چاہتے کہ وہ لوگ قیامت کے دن رسول اللہؐ کے سامنے یہ شکایت کریں کہ حسینؑ نے ہمارے دین کو نہیں کی۔ اور وہ ایک فاسق و فاجور کی بیعت قائم رکھنے پر مجبور تھے۔

آپ کو صبح آغازِ سفر کو دینا ہے۔ خدا آپ کا حافظ و ناصر ہے۔

امامِ مسلم کی کوفہ روانگی

حضرتِ مسلمؑ نے امامِ عالی مقام کا ارشادِ عالیہ سن کر گردن جھکا دی اور عرض کیا۔ کہ یا ابنِ رسول اللہؐ! غلامِ حاضر ہے۔ میں انشاء اللہ العزیز صبح کی نماز کے بعد کوفہ کو روانہ ہو جاؤں گا۔

میرے سردار! میں بھی کوفہ والوں کی بے وفائی کو جانتا ہوں۔ اس لئے آپ پوری احتیاط فرمائیے۔ جب تک غلام کا عریضہ نہ آجائے آپ کوفہ کی جانب ہرگز تشریف نہ لائیں۔ میرے آقا وہ لوگ پرے درجے کے دغا باز ہیں۔

اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد نائبِ ابنِ رسولؐ، قاصدِ حسینؑ حضرتِ مسلمؑ کو مختصر زادِ راہ لیکر سواری پر بیٹھنے لگتے ہیں تو دو ننھے شہزادے آپ کی سواری کے آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلم سواری سے اُترتے ہیں، بچوں کو پیار کرتے ہیں، دونوں کے

رخساروں کو چھتھپا کر فرماتے ہیں۔

میرے لال جاؤ، بابا حسین کے پاس جاؤ! میں بہت جلد واپس آ جاؤں۔
یا تم سب بابا کے ساتھ میرے پاس آ جاؤ گے۔

دونوں شہزادے محل جاتے ہیں۔ آبا جان! ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔
ہمیں آپ کے سفر کارات ہی کو پتہ چل گیا تھا۔ اور ہم اُس وقت سے تیار ہو کر بیٹھے ہیں
اچھے آبا جان ہمیں ضرور ساتھ لے چلیں۔ ہم کبھی صند نہیں کریں گے۔ ہم آپ سے کوئی چیز
نہیں مانگیں گے اور نہ ہی آپ کو پریشان کریں گے۔ دونوں ننھے صاحبزادے ایک
دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھے باپ کو روکے ہوئے ہیں۔

شہزادہ گلگوں تبا، ابن بتول امام حسین بھی ادھر تشریف لے آتے ہیں۔ بچوں
کی صند کا ماجر اسٹن کو ارشاد فرمایا۔ مسلم! ان کی بات مان جائیے! ورنہ یہ آپ کی یاد
میں پریشان ہو جائیں گے۔ مجھ سے ان کا مچلنا دیکھا نہیں جاتا۔ میں بیمار صغریٰ کو چھوڑ تو
آیا ہوں مگر آج تک پریشان ہوں۔ اُس کی یاد اس شدت کے ساتھ آتی ہے کہ میرا دل
تڑپ جاتا ہے۔

آپ اپنے شہزادوں کو ساتھ لے جائیں۔ یہ بھی خوش ہو جائیں گے اور آپ کا
دل بھی بہلا رہے گا۔

مان کے کپڑوں کے ایک دو جوڑے اور ساتھ لے لو۔ اور دھوپ کی تمازت
سے پہلے کچھ نہ کچھ سفر طے کرو۔

حضرت مسلم مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ اُس کا فرمان تھا جس کا کوئی حکم ٹالا
ہی نہیں جاسکتا۔

آپ شہزادہ رسول کو جھک کر سلام کہتے ہیں اور بچوں کو آگے بٹھاتے ہیں
اور سواری کو اپنے راستے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

مکہ معظمہ سے کوفہ تک کا سفر ان دنوں خاص طور پر دشوار تھا۔ دور دور تک
کسی بستی کا نشان نہیں تھا۔ لوق و ذوق صحرا، چٹیل میدان، کہیں کہیں پہاڑیاں اور پھر بیت
کے اونچے اونچے ٹیلے۔ کوئی باقاعدہ نخلستان شاید ہی کہیں ہو ورنہ کہیں کہیں اکیلا دو کیلا
کھجور کا درخت نظر آجاتا تو کوئی صاف اُس کے زرخیز رنگ سے دل بہا لیتا۔

سستالیتا۔ البتہ بعض مقامات پر خاردار جھاڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے ہوئے نظر آتے۔ پانی کا وفد دور تک نشان نہیں۔

اس جانکاہ سفر میں امام عالی مقام کے نائب حضرت مسلم اپنے بھولے شہزادوں کو ساتھ لئے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

نہ دھوپ کی پرواہ ہے نہ پیاس کا ڈر۔ بچوں کو کئی بار پیاس کی شدت بمقارہ کو دیتی ہے لیکن انہیں اپنا وعدہ ہر وقت یاد رہتا ہے کہ ابا جان ہم ضد نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ کو پریشان کریں گے۔ کہیں کوئی قافلہ نظر آجائے تو آپ اس کے ساتھ پڑاؤ ڈال کر رات بسر کر لیتے ہیں اور صبح قافلے والوں کے اٹھنے سے پہلے ہی اپنا سفر شروع کر دیتے ہیں۔

گرم گرم ریت کے گولے جب سواری کو اپنی پیٹ میں لیتے ہیں تو ٹھنکے پتے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں لیکن کب تک! ریت کے زرات آنکھوں میں پڑ جاتے ہیں۔ بچوں کی آنکھیں بار بار ملنے سے سرخ ہو جاتی ہیں۔

راستے کی پریشانیوں کو کہاں تک قلمبند کیا جاسکتا ہے۔ ان حالات کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو کبھی ایسے سفر سے واسطہ پڑا ہو۔ جوں توں کر کے سفر ختم ہو جاتا ہے۔ کوفہ شہر سے نظر آ جاتا ہے۔ آپ سواری کو تیز کر دیتے ہیں۔ بالآخر محرکہ کربلا کا پہلا شہید شہر میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت مسلم کو فرمیں

آپ کی آمد کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل جاتی ہے۔ کوفہ کے لوگ جو حق و ربح آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ کوئی پاؤں کو بوسہ دے رہا ہے اور کوئی ہاتھ جوچ رہا ہے۔

خوش آمدید اور بلیک کے لغروں سے کوفہ کا ہر بازار گونج رہا ہے۔ آپ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے ہیں۔

وہیں پر کوفے کے دوسرے زعماء و زعماء جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں بیشتر تعداد اُن لوگوں کی تھی جن کی طرف سے امام عالی مقام کے نام خطوط لکھے گئے تھے چند مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں:-

سیلمان بن مردخزاعی ، مسیب فرازی ، رفاعہ بن شداد ، عارب ،
رقار ، اشعب ، عبدالرحمن بن مخنف ، عبداللہ عقیف ، طارق اعمش ، مختار ثقفی
ابی عبیدہ ، قاضی شریح وغیرہ۔

حضرت مسلمؓ کا خط امام عالی مقام کی نام

امام مسلمؓ نے جب اُن لوگوں کے جذبات و احساسات کا اندازہ لگایا تو آپ کو ایک گونہ تسلی ہو گئی کہ یہ لوگ اہل بیت اطہار کی محبت سے سرشار ہیں۔ رسولؐ کے کوفہ کی استدعا پر امام عالی مقام کے نام پر بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ معتبر روایت کے مطابق اُسی ایک روز میں بارہ ہزار کوفیوں نے امام مسلمؓ کے دستِ حق پرست پر سیدنا امام حسین علیہ السلام کے نام کی بیعت کی۔ وہ لوگ کھلے بندوں یزید لعین کو برا بھلا کہتے۔ اُس کی حکومت و امارت کو غیر اسلامی قرار دیتے اور اپنے خطوط کے مطابق یزید سے پوری پوری بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے اور امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کی مدد و ستائش بیان کرتے۔

حضرت مسلمؓ نے کچھ دن وہاں رہ کر سامنے آنے والے حالات کا بخوبی اندازہ لگا لیا اور اچھی طرح جائزہ لے لیا تو شہزادہ مصطفیٰ کے نام خط لکھ کر روانہ کر دیا خط میں لکھا تھا کہ یہاں کے حالات درست ہیں آپ تشریف لے آئیں۔ تمام کوفہ کے لوگ سوائے چند ایک کے آپ کے نام کی بیعت کو چکے ہیں اور اب وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں کہ آپ تشریف لائیں اور مسلمانوں کو یزید کی ہلاکت خیزوں سے نجات دلائیں۔
ادھر حضرت مسلمؓ کا مقصد روانہ ہو جانا ہے اور دوسری جانب کوفہ میں رہنے والے یزید پلیدی کے چند شریک چلیے اور جا سوں شام کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

مینرید کے جاسوس

انہوں نے جا کر مینرید کو کوفہ کے حالات سے مطلع کیا کہ وہاں مسلم کے سے ہاتھ پر پورا کوفہ حسین کے نام کی بیعت کر چکا ہے۔

لوگ تمہیں کھلے بندوں گالیاں دیتے ہیں لیکن وہاں کا گورنر کسی قسم کا تعرض نہیں کرتا اگر تم نے جلد حالات پر قابو نہ پایا تو پھر کوفہ سے اٹھنے والا طوفان تمہاری حکومت اور امارت کو غرق کر دے گا۔

جاسوسوں کی اطلاع سن کر مینرید کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ اُس نے اُسی وقت اپنے ہی جیسے ایک شیطان وزیر کو بلا لیا جو یہودی النسل بھی تھا اور اسلام کا دشمن بھی۔ اور اُسے لیکر خاص کمرے میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگا۔

مینرید :- بہت بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے، مجھے مشورہ دو کہ اب میں کیا کروں۔

یہودی وزیر سر جوں :- آخر کو نسی مصیبت آرہی ہے کچھ تباؤ تو سہی۔ جو بھی بلا آئے گی اُس کا حل نکال لیا جائے گا۔

مینرید :- کوفہ سے ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ وہاں مسلم ابن عقیل کو حسین ابن علیؑ نے اپنے لئے بیعت لینے کی غرض سے بھیج رکھا ہے۔

سر جوں :- تو پھر کیا ہوا امیر! گھبرانے کی کیا بات ہے۔

مینرید :- تم عجیب آدمی ہو۔ پورا کوفہ حسین کے نام کی بیعت کر چکا ہے اور تم کہتے ہو کہ پھر کیا ہوا۔

سر جوں :- کیا کوفہ کے گورنر نے لوگوں کو بیعت حسین سے منع نہیں کیا۔

مینرید :- یہی تو مصیبت ہے کہ وہ بھی انہی لوگوں سے بلا ہوا ہے۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق کوفہ کے لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ اور سر بازار برا بھلا کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو نہیں روکتا۔

سر جوں :- کوئی بات نہیں ٹھیک ہو جائے گا۔ کوفہ کے لوگوں کو میں خوب جانتا ہوں۔

سب باتیں ناسے۔ کوفہ کے لوگ موم کارناک میں امر اُٹھ رہے ہیں۔

موڑ سکتا ہے۔ مقوڑی سیاست اور ہمت کی ضرورت ہے۔
 میرید:۔ تو پھر کب سیاست کھیلی جائے گی، کب ہمت سے کام لیا جائے گا۔ پانی تو سر
 سے اودنچا ہو رہا ہے سر جون۔ یہ سیلاب اگر بڑھتا گیا تو شام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔
 سر جون:۔ مت پرواہ کرو امیر! ابھی بندوبست کئے دیتا ہوں۔ بصرہ کے
 گورنر ابن زیاد کی طرف ابھی ایک خط لکھواؤ اور شاہی مہر لگو کر فوراً قاصد کو روانہ کر دو۔
 اسی لفافہ میں کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کی معزولی کا بھی حکم نامہ بھیج دو۔ ابن زیاد کو لکھو
 کہ حکم نامہ ملتے ہی بصرہ کے کسی معتمد کو عامل بنا کر کوفہ چلا جائے۔ وہاں جاتے ہی وہاں کے
 گورنر کو معزول کر کے خود چارج سنبھال لے اور کوفہ والوں کو ہر طرح قابو میں کر لے۔
 میرید:۔ میں تمہاری تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ ابن زیاد اس کام کو ٹھیک طور پر انجام دے
 سکے گا۔ اب مضمون مرتب کرو اور فوراً قاصد کو بھیجنے کا بندوبست کرو۔ اُسے خط میں لکھ دو کہ
 تمہیں ہر قیمت پر کوفہ کی فضا پر قابو حاصل کرنا ہے۔
 لالچی آدمیوں پر خزانوں کے منہ کھول دو۔ اہل بیت سے زیادہ محبت دکھانے والوں
 پر تشدد کرو۔ تم جس کی چاہو گردن زنی کر سکتے ہو۔
 تمہیں قتل و غارت گری کا عام اختیار ہوگا۔ اُسے لکھ دو کہ تمہیں کوفہ میں داخل ہونے
 کا طریقہ اپنی عقل کے مطابق اپنانا ہوگا۔ حالات پر قابو پالتے ہی مسلم بن عقیل کو قتل کر دینا۔
 اُسے یہ بھی لکھ دو کہ امیر نے تمہیں پوری اسلامی قلمرو سے بہتر سمجھتے ہوئے منتخب کیا
 ہے۔ اہم امیر کے اعتماد کو بد قرار رکھو گے۔

میرید کا خط ابن زیاد کے نام

خط لکھ دیا گیا اور قاصد میری کے ساتھ سفر ختم کرتا ہوا ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا
 ابن زیاد عین نے خط کھولا تو اُس کی خوشی سے باجھیں کھل گئیں۔ وہ طبعاً متشدد تھا۔ اس لئے ہی تو
 اُس کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اور پھر جب اُس نے اپنے لئے تعریفی جملے پڑھے تو اُس کی شیطانی
 آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ ایسے انداز میں اٹھا جیسے کسی دزدے کو انسانی خون کی بو آگئی ہو۔ وحشت
 اور درندگی نے یا گل بنا دیا ہو

خط کو دو تین بار پڑھا، اٹھا اور اپنے بھائی کو اپنی جگہ حاکم مقرر کیا اور نعمان بن بشیر کی معزولی کا حکمنا مہر حیب میں ڈال کر سفر کی تیاری کرنے لگا۔

کوثر میں داخل ہونے کا طریقہ اُس نے سوجھ لیا تھا جس قسم کی دستار امام عالی مقام سیدنا امام حسینؑ باندھا کرتے تھے، باندھ لی اور سیاہ رنگ کی نقاب منگوائی اور تیز چلنے والی سواری پر بیٹھ کر کوثر کو روانہ ہو گیا۔

اب دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

کوثر کے لوگ انتظار میں تھے کہ امام عالی مقامؑ کو حضرت مسلمؓ کا خط پہنچ چکا ہے اور وہ تشریف لانے ولے ہیں۔ اس تصور سے حمایتِ امام میں اُن کے جوش و خروش میں ہر روز اضافہ ہوتا جاتا۔

بڑے بڑے اجتماع ہوتے نیرید کے خلاف اور امام عالی مقام کے حق میں نعرہ بازی ہوتی۔ کوثر کا گورنر واقعی نرم دل اور اہل بیتِ مصطفیٰ کا غلام ہے۔ لیکن کوثریوں کے اس رویہ پر اُسے تشویش ضرور تھی۔ اُس نے چند زعماء کو بلا کر سمجھانے کی بھی کوشش کی کہ میں تمہیں امام عالی مقام کی بیعت سے منع نہیں کرتا لیکن اپنی اُن کارروائیوں کو روک دیں جن میں تشدد کا رنگ پایا جاتا ہے۔ مگر کوثریوں نے اُس کی کسی بات کی پرواہ نہ کی اور اپنی بات پر اڑے رہے۔ ایک روز جامع مسجد میں نعمان نے تشدد روکنے کیلئے دھکی آمیز خطبہ بھی دیا لیکن کچھ ٹوٹا پاتا نہ مانی حضرت امام مسلمؓ کے گرد ہر وقت ہزاروں لوگوں کا اجتماع رہتا۔ آپ کے پیچھے ہی نمازیں ادا کرتے۔ جگہ جگہ پر مجالس و محافل و خط و ارشاد کا اہتمام ہوتا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ لوگوں کی اکثریت اپنے کام کاج بھول کر شمعِ حسینیت کا پروانہ وار طواف کرنے میں مصروف رہتی۔ جدھر سے ابنِ عقیل کا گزرتا ہوتا ہے لوگ آپ کی راہ میں آنکھیں پھلتے ہیں۔ آپ کے شہزادوں کی زیارت کے لئے عورتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں۔ کوئی اُن کا منہ چوم رہا ہے، کوئی کپڑے تبدیل کر رہی ہے، کوئی پھل کھلانے کے لئے بیتاب ہے، کوئی قدموں کو بوسے دے رہی ہے، کوئی اُن کے جسم پر ہاتھ مل کر برکت کے لئے اپنے جسم پر پھیر رہی ہے۔ عجیب میلہ لگا ہوا ہے۔ کوئی آ رہی ہے

کوئی جا رہی ہے، کوئی پنکھا بھل رہی ہے اور کوئی قریب جانے کے لئے بے قرار کھڑا ہے۔

نقاب پوش شیطان

اس طرف تو یہ پیار و محبت کے میلے لگے ہوئے ہیں اور ادھر ابن زیاد اپنا سفر قطع کرتا ہوا کوفہ میں اس طریقہ سے داخل ہوتا ہے کہ سر پر سیاہ رنگ کی دستار ہے اور چہرے پر نقاب پہنی ہوئی ہے اور بجائے بصرہ کی طرف سے آنے کے راستہ تبدیل کر کے مکہ معظمہ کے راستے سے آتا ہے۔ اُس کے ساتھ فوج کے چند دستے بھی تھے جنہیں کہا گیا کہ تم کوفہ میں صبح داخل ہونا کسی شخص نے دُور سے ایک نقاب پوش سوار کو دیکھا تو اُس نے پورے شہر میں دہائی مچادی کہ لوگو تمہیں مبارک ہو کہ امام عالی مقام تشریف لے آئے۔ لوگ شہر سے باہر نکل آتے ہیں۔ لیکن وہ تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا شہر میں داخل ہو جاتا ہے اور دارالامات کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

لوگ حیران سے واپس آتے ہیں کہ امام کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ ابن زیاد عمارت کے اندر ایسی جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے جہاں وہ ان لوگوں کے ساتھ باسانی بات چیت کر سکتا۔ کوئی دارالامات کے قریب آتے ہیں۔ ابن زیاد زبان میں زبردستی مٹھاس پیدا کر کے ان سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے کہ سب لوگ خاموشی سے واپس آ جلتے ہیں۔ کوفہ کے لوگ زیر نقاب نور دیکھنا چاہتے تھے لیکن نقاب اٹھتے ہی احساں ہو گیا کہ یہ تو آگ اور ظلمات ہے۔ وہ مشتاق تھے کہ فاطمہؑ کے چاند کی زیارت ہوگی لیکن وہ سیمہ کا ولد الحرم نکلا۔ وہ ابن رسولؐ کی راہ دیکھتے تھے۔ انہیں ابن مجہول سے واسطہ پڑ گیا۔ وہ مدینہ کے فرشتہ سیرت انسان کے منتظر تھے لیکن اُن کے سامنے بصرہ کا شیطان تھا۔ کوفہ والوں کی اُس جذباتیت کا کیا جلتے جو اُن کی عقلوں کو سلب کر لیتی تھی۔

انہیں معلوم تھا کہ امام عالی مقام یہاں بمعاہل و عیال تشریف لا رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ امام عالی مقام کے یہاں پہنچنے میں ابھی کچھ دن اور لگیں گے۔ مگر آج ہی

کی طرح وہ بھی جذباتی نعروں کے دام میں جکڑے جایا کرتے تھے۔ کسی ایک نے آواز دے دی کہ امام آگئے ہیں تو سبھی لوگ پکار اٹھے امام آگئے، امام آگئے۔ اُن کی عقلوں نے سوچا ہی نہیں کہ امام عالی مقام اکیلے نہیں آ رہے اور ابھی اُن کے آنے میں کچھ وقت باقی ہے۔

نعمان کی معزولی

ابن زیاد کو فروالوں کو یہ بتا دینے کے بعد کہ میں آگیا ہوں آگے بڑھتا ہے۔ نعمان پہلے ہی اُس کے قریب کھڑے تھے اور انہیں یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوتی کہ اس کا اس طریقہ سے آنا خالی از شرارت نہیں۔

وہ اُسے ساتھ لیتے ہیں اور ایک خالی کمرے میں آکر یوں گفتگو شروع کرتے ہیں نعمان :- بصرہ کے عامل کی اس پُسا سرار اور غیر متوقع آمد پر میں حیران ہوں۔ ابن زیاد :- حیرانی کی کوئی بات نہیں مجھے آنا ہی تھا۔

نعمان :- اپنی آمد کا مطلب بیان کرو؟

ابن زیاد :- مطلب بھی بتا دیتا ہوں پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے کوفیوں کو اتنی کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے کہ وہ براہ راست امیر شام کو گالیاں دے سکیں۔

نعمان :- میں نے انہیں روکنے کی کوشش کی ہے۔ کل بھی میں نے اُن کے زعماء کو بلا کر اس جوش و خروش سے منع کیا تھا۔

ابن زیاد :- تمہارے ہوتے ہوئے مسلمان نے حسینؑ کے نام کی بیعت کیوں لی۔ کیا تم یزید کے نمک خوار ملازم نہیں ہو؟

نعمان :- میں یزید کا ملازم ضرور ہوں لیکن میں عقیدت کے اس سیلاب کو کس طرح روک سکتا تھا۔ جبکہ عوام کے ساتھ فوج کا کچھ حصہ بھی امام عالی مقام کے مذاہن میں ہے۔

ابن زیاد :- نہیں طاقت استعمال کرنا تھی۔ مسلم ابن عقیلؓ کے آنے ہی اُس کا سر قلم کر دیتے تو کوفیوں کا سارا جوش و خروش اُسی وقت ٹھنڈا ہو جاتا۔

نعمان :- ابن زیاد ہوش کی دوا لو۔ میں خاندانِ مصطفیٰ کے چشم و چراغ کا سر کس طرح قلم

کروا سکتا تھا۔ کیا تم اُس نبی کے امتی نہیں ہو جس کے یہ عز و نرہ ہیں۔
 ابن زریادہ :- تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی اس حق میں ہو کہ حسینؑ کو من مانی کرنے
 دی جائے اور نیزہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔
 نعمان :- میرا یہ مطلب تو نہیں۔ لیکن میں اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے اہل بیت
 مصطفیٰ سے محبت ضرور ہے

ابن زریادہ :- اہل بیت سے محبت کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم امیر شام کے دشمن ہو۔
 اس لئے یہ ہوا امیر شام کا حکم نامہ جس میں تمہیں حکومت کا بدخواہ ہونے کی
 وجہ سے معزول کر دیا گیا ہے۔

نعمان پہلے ہی جان گئے تھے کہ یہ شیطان خیر کے ساتھ تو ہرگز نہیں آیا۔ اب
 شک نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ آپ نے دل ہی دل میں ٹھنڈی آہ بھر کر الحمد للہ
 کہا اور دارالامارت سے باہر آ گئے۔

الحمد للہ تو اس لئے کہا کہ میں اُس امتحان سے بچ گیا جو انا اعلیٰ مقام کے
 آنے کے بعد شروع ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ حکومتی نظم و نسق برقرار رکھنے کے لئے
 اہل بیت کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جاتی۔

اور ٹھنڈی آہ اس لئے بھری تھی کہ لبصرے کا یہ ظالم گورنر انسان کے روپ
 میں شیطان ہے۔ اور یہ اہل بیت کے ساتھ کسی قسم کے ظلم و زیادتی سے باز نہیں رہے گا
 رات ہی رات یہ خبر کو فہم گردش کرتی ہوئی ہر شخص تک پہنچ گئی کہ نعمان گورنری سے
 معزول ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ اب ابن زیاد عامل کو فہم بن گیا ہے۔ اس خبر نے کو فہموں
 کی نیند حرام کر دی اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بتیاب نظر آنے لگا۔

کوفیوں کا کردار

صبح طلوع ہوتی ہے۔ آج بجائے نعمان کے ابن زیاد کا دبدب لگتا ہے اور وہ اپنی عیار نگاہیں اپنے درباریوں کے چہروں پر گاڑ دیتا ہے اور پھر اپنی مرضی کے چند لوگ منتخب کر لیتا ہے۔

بند کرے میں منتخب لوگوں سے مشورہ کیا۔ مکمل طور پر حالات سے آگاہی حال کی کچھ لوگوں کو خرید کر انہیں دوسروں کو خریدنے کے لئے بازار میں بھیج دیا۔ پہلا پتا پھینکتے ہی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ کئی کام کے آدمی خرید لئے گئے۔ پھر دوسرا پتا پھینک دیا گیا۔ ایک کھلا اجلاس طلب کیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ادھر ادھر مسلح فوجی دستے بھی پھیلا دیئے گئے۔ اس کی اپنی فوج بھی شہر میں داخل ہو چکی تھی۔

گفتگو میں زبردستی کی نرمی پیدا کر کے لوگوں کو فضا ساز کار رکھنے اور پُر امن رہنے کی تلقین کی گئی اور ساتھ ہی ساتھ بد امنی کے نتائج سے دبے الفاظ سے آگاہ کر دیا۔ دونوں حربے نہایت کارگر ثابت ہوئے۔ کوفیوں کا جھٹل و خروش کافی حد تک ختم چکا تھا۔

اب لوگ امام عالی مقام کی حمایت کا ذکر تو کرتے تھے لیکن یزید کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتے تھے۔

پھر ایک اور اجلاس ہوا۔ لوگوں کو سیاست چھوڑ کر کاروبار میں دلچسپی لینے پر زور دیا گیا۔ سیاست کے نقصانات اور کاروباری فوائد گنوائے گئے۔

جنگ و جدل کا ہولناکیوں سے ڈرایا گیا اور امن و آشتی کی خوبیوں سے آگاہ کیا گیا۔

اب تقریر کرنے والا ابن زیاد نہیں تھا بلکہ یہ مقرر ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے امام عالی مقام کو خطوط لکھے تھے۔ جنہوں نے امام مسلم کا استقبال کیا تھا اور جو یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کا خواب دکھایا کرتے تھے۔

ان لوگوں کا عوام کے سامنے اس روپ میں آنا۔ جو اثرات مرتب کر سکتا

تھا وہ پورے طور پر نمایاں ہو گئے۔

امام مسلمؒ کا حلقہ اب کوفہ کی جامع مسجد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں نماز کے وقت مسجد میں آتے اور حضرت مسلمؒ کی اقتدا میں نماز پڑھتے۔

لیکن اب نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوتا۔ لوگ ہر نماز کے فوراً بعد اپنے اپنے دنیاوی مشاغل میں مصروف ہو جاتے۔

امام مسلمؒ کوفہ والوں کی یہ تبدیلی دیکھ کر انتہائی پریشان تھے۔ انہیں اپنی فکر تو کم تھی لیکن انہیں اُس خط کا غم تھا جو امام عالی مقام شہزادہ گلگوں قبا کے نام لکھ چکے تھے۔

امام مسلمؒ کی پریشانی

وہ سوچتے رہے کہ جب امام آئیں گے تو یہ لوگ اور بھی بدل چکے ہوں گے۔

ہم نے خط لکھ کر اچھا نہیں کیا۔ نہ اخیر ہے۔

چند لوگ باقی ایسے تھے جن کے سامنے اپنے ان خدشات کا اظہار کیا۔
آپ شب باشی فرماتے تھے۔ اُن کے حالات خراب ہو چکے ہیں۔ کسی طرح امام عالی مقام کو اطلاع دے دی جائے کہ وہ کو سے واپس چلے جائیں۔

وہ لوگ تسلی دیتے اور وہ کہتے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ چند دنوں تک اس نئے حاکم کو ہم اپنے قابو میں کر دیں گے اور پھر فضا ساز کار ہو جائے گی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔

لیکن جب صبح ہوئی تو ان کے پاس ابن زیاد کا آدمی بلائے کیلئے آگیا کہ وہ حضرت مسلمؒ کو لیکر میرے پاس آئیں۔ وہ بے خوف ہو کر چلے گئے۔

ابن زیاد نے حضرت مسلمؒ پر سوال کیا کہ آپ لوگوں میں تفریق پیدا کرنے کیلئے یہاں آئے ہیں۔

حضرت مسلمؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں!

ہم تو ان کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ان کو انصاف کا حکم دیں اور انہیں

کتاب اللہ کے احکام کی طرف بلائیں۔

ابن زیاد :- آپ جو بھی کرنا چاہتے ہیں یا کر رہے ہیں اسکو حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔
اس لئے اس سلسلے کو بند کر دو۔

امام مسلم :- ابن زیاد ہم یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئے بلکہ ہمیں ان لوگوں نے سینکڑوں خطوط لکھ کر منگوا یا ہے۔

ابن زیاد :- میں جانتا ہوں۔ لیکن اب یہ لوگ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ مہلا خیال دل سے نکال دو۔

حضرت مسلم نجف کو طول نہیں دینا چاہتے تھے اس لئے خاموشی سے واپس تشریف لے آئے۔

مغرب کی نماز کا وقت ہے۔ کوفہ کے لوگ حسب معمول مسجد میں آ رہے ہیں۔ وضو کر چکے ہیں۔ جماعت شروع ہونے والی ہے کہ مسجد کے باہر کسی نے اعلان کر دیا۔ جو شخص امام مسلم کو اپنے پاس رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

جناب مسلم نے اللہ اکبر کہا اور نماز کی نیت بانٹ دی۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرضوں کی نماز پوری ہوئی، نائب حسین نے سلام پھیرا۔ دعا مانگی اور سنتوں کی نیت باندھ لی۔ سنتوں کے بعد نوافل پڑھ کر فارغ ہوئے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو مسجد خالی تھی۔

صرف ایک نحیف و ضعیف بزرگ ہاتھ میں تسبیح لئے بیٹھا ہے۔ آپ حیران ہو کر بوڑھے سے سوال کرتے ہیں :- بابا کیا ہوا..... سب لوگ کدھر چلے گئے، کیا انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نے اٹھا لیا۔

بابا آتا ہے، آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ حضور یہاں حالات بالکل خراب ہو چکے ہیں۔ نماز کے وقت مسجد کے باہر اس قسم کا اعلان ہوا تھا جسے سن کر سب لوگ بھاگ گئے۔

میرا نام مانی ہے۔ میں نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے اور مجھے آپ کا صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

آئیے آپ میرے گھر میں تشریف لے آئیں۔ میں جیسا بھی ہوں سرورِ دو عالم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کا خادم ہوں۔ میرے گھر کے دروازے آپ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھلے رہیں گے۔

اور میں اسی ارادہ سے یہاں بیچ رہ گیا تھا کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ لوگوں نے ڈر کی وجہ سے اپنے دروازے بند کر رکھے تھے کہ کہیں امام مسلم ہمارے گھر نہ آجائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مختار ثقفی کا گھر چھوڑ کر آپ پہلے ہی حضرت ہانی کے ہاں رہائش پذیر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کو فہم میں جائے پناہ تلاش کر رہے تھے تو حضرت ہانی نے پہلے انکار کیا اور پھر پناہ دے دی۔

آپ کے بچے کسی دوسرے کے گھر تھے۔ آپ نے حضرت ہانی کو بلا کر فرمایا بابا! میرے ساتھ دو بچے بھی آتے تھے۔ صبح اُن کا بھی پتہ کرنا ہے۔ مجھے اُن کی بہت فکر ہے۔ یہ ارشاد فرما کر پھر امام عالی مقام کی تشریف آوری پر غور و فکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد اُترادو وظائف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

بعد ازاں آرام کی غرض سے لیٹتے ہیں لیکن آرام کہاں تمام رات کرو میں بدلتے بدلتے اور سوچتے سوچتے گزر جاتی ہے۔

آپ جاگ ہی رہے ہوتے ہیں کہ فجر کی اذان کی آواز آجاتی ہے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ مسجد میں تشریف لے جائیں۔ پھر کچھ سوچ کر وہیں پہنچا نماز فجر ادا کی۔ صبح ہوئی تو ہر گھر میں آپ کی تلاش جاری تھی۔ آخر کسی نہ کسی طرح شیطان کے حاسوسوں نے معلوم کر لیا کہ آپ حضرت ہانی کے گھر تشریف فرما ہیں۔

حضرت ہانی کو بلاوا

ابن زیاد نے سپاہیوں کو بھیج کر حضرت ہانی کو دارالامارت میں بلوالیا اور سوال کیا کہ بابا! مسلم ابن عقیل تمہارے گھر میں ہیں۔

حضرت ہانی :- ہاں میرے غریب خانہ پریم ہیں لیکن تم انہیں تلاش نہیں کر سکتے۔ ابن زیاد :- کیا آپ نے اعلان نہیں سنا تھا کہ مسلم کو پناہ دینے والے کو قتل کر دیا

حضرت ہانی :- میں نے یہ اعلان سنا تھا۔ لیکن میں صحابی رسول ہوں اور حضرت مسلم اہل بیت رسول ہیں۔

ابن زیاد :- بابا مجھے تمہارے بڑے چلے پتوں آگیا ہے ورنہ میں تجھے مار کر قتل کر دیتا۔
حضرت ہانی :- کیا رسول اللہ کی اہل بیت کو پناہ دینے والے کو قتل کی مخرارینا اسلام میں جائز ہے۔

ابن زیاد :- (گرم ہو کر) بوڑھے مسئلے مت کرو۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اس لئے جاؤ اور ابھی مسلم کو ساتھ لیکر حاضر ہو جاؤ۔

حضرت ہانی :- ابن زیاد! بیشک تم کوفہ کے گورنر ہو۔ لیکن میں یہ تمہاری بات نہیں مان سکتا۔

ابن زیاد :- کیوں؟

حضرت ہانی :- اس لئے کہ میں نے حضرت مسلم کو پناہ دے رکھی ہے۔ میں انہیں کسی قیمت پر تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔

ابن زیاد :- اچھا صرف یہ بتا دو کہ مسلم کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے۔

حضرت ہانی :- میں یہ بھی نہیں بتاؤں گا۔ میں نے انہیں ایسی جگہ چھپا رکھا ہے جہاں تمہارے خوفی ہاتھ نہیں پہنچ سکتے۔

ابن زیاد :- غصے سے پاگل ہو جاتا ہے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

بوڑھے صحابی کے چہرے پر نہایت سے چٹری کی ضربیں لگاتا ہے۔ بابا ہانی کی

چینج نکل جاتی ہے۔ لیکن چابک کھانے کے باوجود بھی آپ نے حضرت مسلم کو

پیش کرنے کا اقرار نہ کیا۔ ابن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بوڑھے

کو گرفتار کرو۔ میں مسلم کو خود تلاش کروں گا۔

عارضی جوش

جناب ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے معززین میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے

ملائے جانے کا تو پہلے ہی تلک حکام متدار۔ لیکن اب رافضیہ مشہور ہو گیا۔ ہمدانہ گزشتہ

کیا گیا تھا لیکن اب انہیں قتل بھی کر دیا گیا ہے۔
 اس افواہ نے کوفیوں میں پھر ایک جوش سا پیدا کر دیا۔ حضرت مسلم نے خبر سنی تو آپ باہر
 تشریف لے آئے اور فرمایا کہ ہم اپنے محسن کا ضرور انتقام لیں گے خواہ تم ہمارا ساتھ دو یا نہ دو۔
 خدا جانے وہ لوگ اتنی تیزی سے کٹھے کس طرح ہو جایا کرتے تھے۔ دارالامارت کے
 سامنے ہزاروں کا مجمع تھا اور نعرے پر نعرہ لگ رہا تھا کہ ابن زیاد! تم نے رسول اللہ کے
 صحابی کو شہید کیا ہے۔ ہم تمہارے گورنر ہاؤس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ہم تیری
 فوج کو بھی دیکھ لیں گے۔ آج ہم خون کی ندیاں بہا دینے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ لیکن ان
 سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرا یا گیا۔

ابن زیاد نے صورت حال کو بھانپ لیا۔ اس نے خود سامنے ہونے کے بجائے ان
 جیسے ہی چند آدمیوں کو ان کے لباس بھیج دیا۔

وہ کوفے کے چند سرداروں کو مل کر کہنے لگے کہ آپ عجیب لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ
 ذرا اسی بات پر مشغول ہو جاتے ہو۔ حضرت ہانی کو ہرگز قتل نہیں کیا گیا۔ وہ بڑے آرام
 سے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے عقدہ دلانے سے ابن زیاد
 ایک دو چھڑیاں لگا دی ہیں جن کا ہمیں بھی بے حد افسوس ہے اور خود ابن زیاد کو بھی افسوس
 ہے۔ وہ اس شرمندگی کی وجہ سے آپ لوگوں کے سامنے نہیں آیا۔ قدر نہ وہ ڈرنے والا
 تو ہے نہیں۔ ہمیں حکومتوں کے حکم سے کیا لینا ہے۔ ہم خواہ مخواہ کیوں اپنی عورتوں کو بیوہ
 کریں اور اپنے بچوں کو یتیم بنائیں۔

آپ ایسا کریں چند معتبہ لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو حضرت ہانی کو دیکھ لیں
 اور حقیقت حال سے لوگوں کو آگاہ کر دیں۔

چنانچہ چند آدمی گئے اور انہوں نے آکر لوگوں کو بتا دیا کہ ہانی زندہ ہیں گھبرانے
 کی کوئی بات نہیں، یہ صرف افواہ تھی جس نے ہم سب کو پریشان کر دیا تھا۔ گورنر انہیں چھڑی
 مار دینے کی وجہ سے سخت شرمندہ ہے اور وہ ہانی سے معافی مانگ رہا ہے۔ اور یہ بات
 بالکل ہی گول کر گئے کہ ہانی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ چند ہی لمحوں میں مجمع منتشر ہو کر کافی
 کی طرح پھٹ گیا۔ اور جناب مسلم پھر بے یار و مددگار اکیلے کے اکیلے رہ گئے۔

مسلم ہانی کا گھر چھوڑ دیتے ہیں

حضرت مسلمؓ نے جب کوفیوں کی یہ حالت دیکھی تو آپ سخت مضطرب ہوئے۔ آپ نے رات کے وقت ہانی کا گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے کوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہو۔ انہیں یقین تھا کہ ہم یہاں نہیں ہوں گے تو ہانی رہا کر دیئے جائیں گے۔ آپ کی عجیب حالت ہے۔ کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس سے بچوں کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ کوفہ کو چھوڑنا بھی دشوار ہو چکا ہے اور رہنا بھی مشکل ہے۔ آخر اپنے فیصلہ کیا کہ آج کی رات گزارنے کے بعد کوفہ کو ہر حالت میں چھوڑ دیا جلتے گا۔ شاید کسی طریقہ سے بچوں کا سراغ مل سکے۔

رات کے وقت آپ اسی خیال سے اپنا ٹھکانہ چھوڑ دیتے ہیں اور عجیب کسمپرسی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں۔ تمام کوفہ والے ان دنوں سرشام ہی اپنے دروازے بند کر لیتے تھے۔ کہیں کہیں ابن زیاد کے سپاہی کتوں کی طرح بوسوں گھومتے پھرتے ہیں کہ کہیں حضرت مسلمؓ ہاتھ آجائیں تو وہ ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد سے شاباش حاصل کریں۔

آپ ان کی نظروں سے بچتے بچاتے گلیوں کے موڑ کاٹ رہے ہیں کہ ایک دروازہ کھلا ہوا نظر آ جاتا ہے کچھ امید کا سوت نظر آتی ہے۔ آپ آگے بڑھتے ہیں، چراغ کی جگہ میں ایک ضعیفہ کا چہرہ نظر آیا جو دروازہ کی دھیز کے ساتھ اس طرح لگی بیٹھی ہے جیسے کسی کی خطرہ ہو۔ آپ نے ضعیفہ کو سلام کیا۔ اُس نے جواب دیکر پوچھا بیٹا! آپ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "اتان میں مسافر ہوں۔" کبھی مدینۃ الرسول میں رہا کرتا تھا۔ ضعیفہ کسی خیال کے تحت ایک دم خوش ہو کر پوچھتی ہے۔ "بیٹا! آپ مسلم بن عقیل تو نہیں؟" ہاں اتان میں وہی بد نصیب ہوں جس کا آپ نے نام لیا ہے۔

بڑھیا خوشی سے بے قابو ہو کر آپ کی بلائیں لینے لگتی ہے اور آپ کو اندر آ جانے کی دعوت دیتی ہے۔ آپ اندر تشریف لے جاتے ہیں تو بڑھیا نے نہایت ادب سے کھانے کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ماں! میں نے بہت کچھ کھا پی لیا ہے۔ میرا

دروازہ کیوں کھولا ہوا ہے اور کس کا انتظار کر رہی ہیں۔ جبکہ تمام کوفہ والے میری وجہ سے سرشام ہی دروازے بند کر لیتے ہیں۔

حضور! میرا ایک بیٹا ہے جو سرکاری نوکری کرتا ہے اور اسے رات ہی کو چھٹی ملتی ہے بس اس کا ہی انتظار تھا کہ میرے گھر میں خدائی رحمت آگئی۔ اب آپ مجھے حکم فرمائیں کہ آپ کو مجھ سے کیا کام لینا ہے۔ اگرچہ میرے جسم میں طاقت نہیں ہے پھر بھی مجھ سے جہاں تک ہو سکا ہے، اہل بیت رسولؑ کے ضرور کام آؤں گی۔

آپ نے فرمایا! میرے ساتھ دو بچے آئے تھے جن کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔

بس اُن کا پتہ لگانا ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ وہ مجھے مل جائیں تو میں کوفہ چھوڑ دوں اور جلد از جلد امام عالی مقام کو راستہ ہی میں یہاں کے حالات سے آگاہ کر کے واپس بے جاؤں۔ ضعیف نے خوش ہوتے ہوئے کہا کہ یا حضرت یہ تو بہت معمولی کام ہے۔ میرا بیٹا سرکاری ملازم ہے۔

اُسے اس بات کا پتہ ہوگا کہ آپ کے بچے اس وقت کہاں ہیں۔ کیونکہ حکومت آج کل آپ کے متعلق بہت چھان بین کر رہی ہے۔ وہ گھر میں آئے تو میں اُسے ابھی بھیجوں گی کہ جس طرح بھی ہو اسکے بچوں کو ساتھ لے کر آئے۔

امام مسلم کو ضعیف کی باتوں میں صداقت ہی صداقت نظر آئی اور کوفہ کے اندھیرے میں کچھ نہ کچھ امید کی کرن ظاہر ہوئی۔

مقررہ عرصہ گزرنے کے بعد بڑھیا کا بیٹا بھی آگیا اور حضرت مسلم کو اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر کچھ ہڑاسا گیا۔ اور پھر آپ کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔ بڑھیا اس کے لئے کھانا لائی۔ وہ کھانا کھانا رہا اور اُس کی ماں بڑے پیار سے بچوں کو تلاش کر کے لانے پر آمادہ کرتی رہی۔

بڑھیا جب گفتگو ختم کر چکی تو اُس نے کچھ سوچ کر وعدہ کر لیا کہ ماں! میں آپ کا حکم کیسے ٹال سکتا ہوں۔ اور یہ تو میری بہت بڑی سعادت ہے کہ میں اہل بیت منصفین کے کسی کام آسکوں۔

مجھے امام کے صاحبزادوں کے متعلق سب کچھ ترے۔ وہ قاضی شہ زح کے

گھڑیا موجود ہیں۔

میں تھوڑی دیر آرام کر لوں۔ پھر ادھی رات کے بعد جب پہرے کے سپاہیوں کو نیندا جائے گی تو جاؤں گا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے شہزادوں کو ساتھ لاکر آپ کے حوالے کر دوں گا۔ اور پھر وہ جناب مسلم کو بڑے ادب سے سلام کر کے سو گیا، دروازہ بند کر دیا گیا۔

حضرت مسلم کی شہادت

ادھر حضرت امام مسلم چار پائی سیٹھ ہوئے کہ نہ ٹپک نہ ٹپک بدل رہے ہیں۔ نیند کا کس قدر دور تک پتہ نہیں۔ کبھی شہزادوں کی فرشتوں جیسی معصوم صورتیں سامنے آ جاتی ہیں کبھی اپنی تمپرسی کا خیال آ جاتا ہے کبھی کوفیوں کی بے وفائی سے الجھن ہونے لگتی ہے اور کبھی امام عالی مقام کی کوفہ میں آمد کا خیال داکھڑپا کو رکھ دیتا ہے۔

کبھی آپ سوچتے ہیں کہ بچے اگر صبح سے پہلے پہلے آ بھی جائیں تو سواری کا انتظام ابھی باقی ہے۔ پھر خیال آ جاتا ہے کہ بڑھیا کے بیٹے نے کہیں جھوٹ مہی نہ بولا ہو۔ پھر سوچتے ہیں کہ بڑھیا کی باتوں میں تو سچائی ہی سچائی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ زندوں سے مردے بھی پیدا کر دیتا ہے۔ پھول اور کلنٹے کا بھی پرانا رشتہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ بڑھیا کی عقیدت کے پھول کے ساتھ اس کا بیٹا کانٹا ثابت ہو اور یہ بجائے بچوں کے لائے ہمیں دھوکہ دے جائے۔

بس اسی قسم کے سینکڑوں خیالات کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ادھر بڑھیا کا بیٹا چار پائی پر لیٹا ہوا اس قسم کے تلنے بلنے بن رہا ہے۔ میں ادھی رات کے بعد اٹھوں گا۔ اور پہرے داروں سے مل کر کسی نہ کسی طرح کوفہ کے گورنر تک رسائی حاصل کر دوں گا۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ انتہائی ضروری اطلاع ہے جو میں براہ راست گورنر کو دوں گا۔ لیکن تمہارے ساتھ ایک وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ انعام و اکرام میں تم میرے ساتھ برابر کے حصہ دار ہو گے۔ تمہارے گھر میں چند سپاہی آئیں گے اور نہایت آسانی سے ابن عقیل کو قید کر کے لے جائیں گے۔

یہ میری انتہائی خوش بختی ہے کہ شکارِ خود چل کر میرے گھر میں آ گیا ہے۔ میں بھی اب
امیرانہ ٹھاٹھ بامٹھ سے زندگی بسر کروں گا۔
رات کا تیسرا پہر ہے۔ مائی طوعہ جس کے گھر میں حضرت امام مسلمؒ ٹھہرے ہوئے تھے
اپنے بیٹے کو آواز دیتی ہے بیٹا بلال اٹھو! اور جا کر جلدی سے جلدی بچوں کو لانے کی
کوشش کرو۔

طوعہ کا بیٹا بلال اٹھتا ہے گھر کا دروازہ کھولتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے۔
بیٹے کو بھیج کر بڑھیا خدا کے دربار میں ہاتھ اٹھا دیتی ہے۔ یا اللہ! میرا بچہ جلد ہی
امام مسلمؒ کے شہزادوں کو لیکر آجائے تاکہ میں قیامت کے دن سیدہ فاطمہ الزہراءؑ کے سامنے
سُرخ روئی حاصل کر سکوں۔ خداوند! میرے اٹھے ہوئے بوڑھے ہاتھوں کی لاج رکھ لینا۔
ادھر حضرت مسلمان نے بھی طوعہ کے بیٹے کو جاتے ہوئے دیکھا۔ اُس کے گھر سے نکلنے
کا انداز درست نہیں تھا۔ آپ نے اندازہ لگالیا کہ اس کی نیت خراب ہے۔ لیکن آپ
خاموش رہے۔

نماز تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ نے وضو فرمایا اور مسردفِ نماز ہو گئے۔
تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد آپ دیگر اُردو وظائف میں مشغول ہو گئے اور پھر صبح
کی اذان ہو گئی۔ آپ نے نماز فجر بھی ادا کر لی۔ لیکن طوعہ کا بیٹا اب تک بھی نہیں آیا تھا۔
جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے آپ کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے۔
مختلف خیالات کا ہجوم دماغ پر چھوڑے برسا رہا ہے۔

آپ طلوعِ صبح سے پہلے پہلے کو قہ چھوڑ دینا چاہتے تھے لیکن بچوں کا ابھی تک کچھ
بھی پتہ نہیں لگ سکا تھا۔ ادھر ابن زیاد نے کوفہ کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی تھی کہ مسلمؒ باہر نکل سکیں
حضرت مسلمؒ کے دل کی حالت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ وطنِ دور، زمانہ دشمن
بچوں کی جدائی اور ان سب مصیبتوں سے بڑھ کر امامِ عالی مقام کو خط لکھنے کا غم سینے میں ایک
طوفانِ بیابانے ہوئے ہے۔ آپ سوچتے ہیں کہ اگر امامِ عالی مقام ان ظالموں کے شکنجے میں
آگے تو کیا ہوگا۔ ابنِ رسولؐ اور جگر گوشہ ثقیل نے اگر پوچھ لیا کہ مسلم یہ کیا ہے تو پھر
میں کیا جواب دوں گا۔

آپ انتہائی غمناک اور غمناک ہو کر بار بار غل کا آواز سناتے دیکھتے

آپ کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ آنے والے لمحات کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ مائی طوعہ کے بیٹے بلال نے دھوکہ دیا ہے اور وہ بجائے بچوں کو لانے کے ابن زیاد کے درندوں کو لے آیا ہے۔

باہر سے آواز آتی ہے، مسلمان باہر نکل آؤ اور خود کو حراست میں سمجھو! آپ کیلئے ایسا ہو جانا غیر متوقع نہیں تھا۔ آپ کا دل پہلے ہی اسکی گواہی دے رہا تھا۔

آپ نے دروازے کے باہر دیکھا۔ کوئی فوج کے سینکڑوں سپاہی صاف باہر سے کھڑے تھے۔ نبی طوعہ کے گھر کا مکمل طور پر گھیراؤ کیا جا چکا تھا۔ کو تو ال شہر محمد ابن اشعث آگے بڑھتا ہے اور چاہتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے لیکن آپ اس کا ہاتھ جھٹک کر فرماتے ہیں پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو۔

ابن اشعث :- آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

امام مسلم :- یہ بتاؤ کہ صرف ایک شخص کو گرفتار کرنے کے لئے اتنی بڑی فوج کی کیا ضرورت تھی۔

ابن اشعث :- اس بات کا ذکر تھا کہ کہیں پھر کوئی فوج آپ کی حمایت پر نہ نکل آئیں۔ اور مقابلہ کی صورت نہ بن جائے۔

امام مسلم :- محمد بن اشعث! مقابلہ تو اب بھی ہوگا۔

ابن اشعث :- اب اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیں اور مقابلے کو بھول جائیے۔

امام مسلم :- کیوں! مقابلہ کیوں نہیں ہوگا؟

ابن اشعث :- اس لئے کہ میں کو فرکارہ منے والا ہوں۔ میں یہاں کے باشندوں کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ یہ لوگ ایک ایک لمحہ میں کئی کئی رنگ بدلتے ہیں۔

امام مسلم :- تم ٹھیک کہتے ہو۔ امام حسین کے نام لکھے جانے والے خطوط میں تمہاری بھی مہر تھی لیکن اب تم میری گرفتاری کے لئے آچکے ہو۔

تمہاری طرح ثابت بن ربیع، حجار بن الحیر، یزید بن الحارثہ، یزید بن رابعہ، عروہ بن قیس اور عمر بن الحجاج زبیدی کے بھی نام تھے۔ لیکن وہ سب بھی حکومت بدل بیٹھے ہیں۔

ابن اشعث میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ میں واقعی امام عالی مقام کے حامیوں میں سے تھا اور میں نے کئی خطوط پر دستخط بھی کئے ہیں۔ یہاں کے سب لوگ میری ہی طرح حالات دیکھ کر بدل جاتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ خود کو ہمارے حوالے کر دیں۔ کیونکہ اب کوئی شخص بھی آپ کی حمایت کو نہیں آئے گا۔ ہانی بن عروہ کو قتل کیا جا چکا ہے لیکن اب اُس کے سارے ہمدردوں کی زبانیں گنگ ہیں۔ حالانکہ پورا شہر ایک دفعہ ہانی کا انتقام لینے کے لئے آپ کے ساتھ نکل آیا تھا۔

امام مسلم :- کیا یہ سچ ہے کہ ہانی شہید کر دیئے گئے؟

کو تو ال :- بالکل درست ہے! حاکم شہر نے بہت کوشش کی کہ وہ آپ کو پیش کر دیں لیکن وہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ آخر اُن کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔

امام مسلم کو حضرت ہانی کی شہادت کا انتہائی صدمہ ہوا۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کو تو ال کو غصے سے فرمایا: اب مقابلہ ہو کر ہی رہے گا۔ میں تمہارے ہاتھوں گرفتار ہو کر بے بسی کی موت پر بہادری کی موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ میں بندوں کی طرح ہاشمی خون کی غیرت کو نیدم نہیں کر سکتا۔ تم لوگوں نے میرے محسن ہانی کو شہید کیا ہے مجھے اُس کے خون کا بدلہ بھی تم سے لینا ہے۔

کو تو ال ایک لمحے کیلئے کچھ سوچتا ہے اور پھر اُس نے سپاہیوں کی طرف اشارہ کر دیا کہ اکیلے ہیں ان کا کوئی حمایتی آگے نہیں بڑھے گا۔ تم آگے بڑھ کر چاروں طرف سے گھیر لو۔ آج ان کی حمایت کے کوئی اپنی عورت کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنانا پسند نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی اسکا خواہشمند ہو تو اُس کی بھی خواہش پوری کر دو۔ سپاہیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہے۔ امام مسلم نے چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالی اور محسوس کر لیا کہ گوفیوں کے بے غیرت خون میں جوش ایمانی کی کوئی رقی باقی نہیں۔ تمام لوگ یا تو کچھ تماشا شانی بنے دور کھڑے ہیں یا گھروں میں دسکے پڑے ہیں۔ البتہ بی بی طوعہ دروازے میں کھڑی بیٹھ رہی ہے۔ نالہ و شیون اور فریاد و فغاں کر رہی ہے کہ ظالمو! اہل بیتؑ پر ظلم نہ کرو مگر اُس بیماری کی کون سُناتا ہے۔

اُن کے پاس نیزے ہیں، برچیاں ہیں، ڈھالیں ہیں، تلواریں ہیں، کمانیں ہیں، تیر ہیں لیکن اس کے باوجود وہ سامنے آنے سے ڈرتے ہیں۔

اب سامنے سے، عقب سے، دائیں سے، بائیں سے، چاروں طرف سے حملہ ہو جاتا ہے لیکن امام مسلم کی تلوار ہے کہ جیسے ناچ رہی ہو۔ چاروں جانب ہی اپنا لومنا رہی ہے۔ ہر طرف ایک ہی جیسی کٹ کر رہی ہے۔

تیر و کمانہ برس رہا ہے۔ کئی کئی تلواریں ایک ساتھ چل رہی ہیں۔ نیزوں کی بارہا آ رہی ہے لیکن محمد عربی کا سپاہی، حیدر کا شیر، بشیر کا نائب، ابو طالب کا پوتا، عقیل کا شہزادہ، جعفر طیار کا بھتیجا تنہا بہاوری۔ کہ وہ جو ہر دکھاتا ہے کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔

ابن ابی اسد کے چند سپاہی کوٹھے کا چھت پر چڑھ کر اُدھر سے تیروں کا سینہ برساتے ہیں، آگ کی بارش کرتے ہیں اور عورتوں کی طرح اینٹ پتھر جو بھی ہاتھ میں آتا ہے مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ امام مسلم کے جسم اقدس پر کئی زخم آچکے ہیں۔ پھر بھی آپ شیر کی طرح چھلانگ لگا کر ایک ہی جگہ پر کھڑے کی چھت پر پہنچ جاتے ہیں۔ تلوار چل رہی ہے، سپاہی کٹ رہے ہیں اور باقی ماندہ نیچے چھلانگیں لگا دیتے ہیں ابن اسعد نے ہاشمی شیر کی حرأت و جواں مردی کا مشاہدہ کیا تو گھبرا گیا اور گھبرا کر پکارا کہ آپ چھت چھوڑ کر نیچے آ جائیں آپ کو امان دی جاتی ہے۔

آپ نے تلوار میان میں کئی اور چھت سے اتر آئے۔ صبح سے تلوار چل رہی تھی، اکیلے کاسینکڑوں سے مقابلہ تھا، جسم زخمی ہو چکا تھا۔ شدت کی بیاس محسوس ہوئی۔ طوعہ سے پانی مانگا، اُس نے جلدی سے پانی کا پیالہ پیش کیا، آپ نے پہلا گھونٹ لیا، پانی سُرخ تھا، اُدھر کا ہونٹ کٹ چکا تھا جس سے بہنے والے خون نے پانی کو سُرخ کر دیا تھا۔

آپ نے پانی کا پیالہ واپس کر دیا۔ زخم ٹھنڈے پڑتے جا رہے تھے۔ جسم کے بال بال میں درد ہو رہا تھا۔ سارا جسم زخمی اور چوڑھوڑ تھا۔ زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ چکا تھا۔ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے شہزادہ عقیل کو چکر سے آنے لگے اور پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ آپ نے پوری طاقت جمع کر کے دیوار کے قریب ہو کر ٹیک لگائی اور بیہوش ہو گئے۔ اسی حالت میں کو تو اب شہر نے آپ کے میان سے تلوار نکال لی اور آپ کو خچر پر بٹھا کر دارالامارت میں لے گیا۔

افسوس! افسوس! اے کوفہ کے رہنے والو تمہاری بلتی ہوئی ذہنیت پر، چند دن پہلے جس مہمان کے رستے میں تم آنکھیں بھپاتے تھے آج وہ تمہاری گلیوں سے اس طرح گزر رہا ہے

کہ اُس کے کٹے ہوئے جسم پر پیلیوں کی بجائے رتیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اور تم ہو کہ ٹوٹریوں کی طرح گھروں میں چھپتے پھرتے ہو۔

بزدل دے وفا ہو تم !
ظالم دے جفا ہو تم
ظلم کی انتہا ہو تم
جانو انتہا نہیں کہ کیا ہو تم
(مقام چشتی)

قصر امت میں کافی دیر کے بعد امام مسلم کو ہوش آتا ہے۔ ہوش آتے ہی آپ کی نظر میان کی طرف گئی جو تلوار سے خالی ہو چکی تھی۔ ابن اشعث بھی سناٹے تھا۔ آپ نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا۔ تو نے ہمارے ساتھ بے عہدی کی ہے، تو نے مجھے امان دیکر میری تلوار پر قبضہ کر کے مجھے بے دست و پا کر دیا ہے یہ کہتے ہوئے آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ عمرو واپسی نے رقت کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ مجھے امام حسینؑ اور ان کے اہل و عیال پر رونا آتا ہے جو میل خط پڑھ کر مکہ مشرف سے کوٹہ لکھ کر روانہ ہو چکے ہوں گے۔ پھر ابن اشعث سے فرمایا۔

”تم اس سے پہلے تو اپنے وعدوں پر پورے نہیں اترے مگر اب ایک آخری وعدہ کرو کہ راستہ میں امام حسینؑ کو یہاں کے حالات سے آگاہ کر دو گے۔ اور یہ وعدہ تمہاری طاقت پر مشروط ہے۔ اگر تم میں یہ قوت ہو تو وعدہ کرنا۔“

ابن اشعث نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ امام علیؑ مقام کو آپ کا پیغام پہنچاؤں گا کہ آپ واپس تشریف لے جائیں۔ (اور یہ وعدہ اُس نے پورا بھی کر دیا۔)

پھر آپ نے وہیں پہنچ کر قاضی شریح کو بلوایا اور وصیت فرمائی کہ میرے بچوں کو یا تو مدینہ منورہ بھیج دینا یا جس جگہ امام حسینؑ کا قافلہ آچکا ہو وہاں پہنچا دینا۔

ابن زیاد کے سامنے

تھوڑی دیر کے بعد آپ کو اسی طرح زخمی حالت میں ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ آپ نے ابن زیاد کو سلام نہیں کیا۔ حوسنی انہی نام کے ایک درباری سگ نے اعتراض کیا کہ امیر کو سلام

اے بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے یہ وعدہ اپنے قاتل ابن بکر سے لیا تھا۔ (واللہ اعلم)

کیوں نہیں کیا۔

امام مسلم نے فرمایا: "تم کون ہو یہ مشورہ دینے والے۔ جو شخص مجھے قتل کرنے کے منصوبے بنا رہا ہو اسے سلام کیسا۔"

ابن زیاد نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔

امام مسلم نے فرمایا: مجھے اس کا یقین ہے لیکن میں موت سے نہیں ڈرتا۔

ابن زیاد: مگر میں چاہوں تو تم ایک شرط پر زندہ رہ سکتے ہو!

امام مسلم: تم غلط کہتے ہو، مگر وہ شرط کیسا ہے؟

ابن زیاد: امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دو اور امیر یزید کی بیعت کر لو۔

امام مسلم: مرجانہ کے بیٹے! ہوش کی دوا! عقل کا علاج کرواؤ۔ حسینؑ کا غلام یزید جیسے دشمن اسلام کی بیعت نہیں کر سکتا۔

ابن زیاد: تو پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ میں تمہیں ایسی بے دردی سے قتل کراؤں گا کہ کوفے کی گلیاں چیخ اٹھیں گی۔

امام مسلم: تم حقوڑی دیوبہلے ہاشمی خون کی غیرت کا مشاہدہ کر چکے ہو۔ مجھے موت کی دھمکی مت دو۔

میری رگوں میں شیخ بطحا ابوطالب کا خون ہے۔ میری تربیت اللہ کے شیر کے شیر

حسین ابن علیؑ کے ہاتھوں میں ہوئی ہے۔ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

مسکرا سکتا ہوں۔

ابن زیاد: خاموش! حکومتِ وقت کے باغی حسینؑ کا نام بار بار مت لو۔

امام مسلم کا زخمی چہرہ غصہ سے سرخ ہو جاتا ہے۔ آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔

اور مرجانہ کے ناہنجار بیٹے زبان سنبھال! تجھے حسینؑ کو باغی کہتے ہوئے شرم آنا

چاہیے۔ باغی حسینؑ نہیں تم ہو۔ تمہارا امیر شریعہ باغی ہے، تم نے بغاوت کی ہے، ظالمو!

تم باغی ہو۔

تم نے قرآن سے بغاوت کی ہے، اسلام سے بغاوت کی ہے، اللہ کے رسولؐ سے

بغاوت کی ہے، خداوندی سے بغاوت کی ہے، آئینِ مصطفائی سے بغاوت کی ہے۔

تم نے شریعت کے قوانین کو توڑا ہے۔ تم نے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑا ہے۔ تم

نے اسلام کا مذاق اڑایا ہے۔ تمہارا نر نام اسلامی ہیں لیکن تم اسلام کے دشمن ہو، خدا کے

دشمن ہو، مصطفیٰ کے دشمن ہو۔ اور حسین سے دشمنی کا مطلب بھی یہی ہے کہ تم خدا کے دشمن ہو۔
 تم حسین کے نانا کے دین کو تبدیل کر دینا چاہتے ہو۔ لیکن حسین ابھی زندہ ہے۔ میرا آقا حسین
 تمہیں کبھی ایسا نہیں کرنے دے گا۔ وہ تمہیں کبھی من مانی نہیں کرنے دے گا۔ وہ اپنے نانا
 کے دین کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ شیر خدا کا شیر زندہ ہے، فاطمہ کا لال زندہ ہے، محمد کا
 نواسہ زندہ ہے وہ تمہارے ارادوں کو ٹکڑیا میٹ کر دے گا۔ وہ اب اٹھا ہے تو تم اسے
 نہیں روک سکو گے۔ وہ باطل کی قوتوں کو فرو کر دے گا۔ نامراد! تو اسے باغی کہتا ہے
 جس کے نانا سے تم نے بغاوت کی ہے۔

امام مسلم کی یہ شعلہ بار تقریریں کہ کوثر کی گود میں جھک گئیں۔ ابن زیاد کا چہرہ شعلہ جوالہ
 بن گیا۔ غصے میں پکارا، بے جا اس باغی کو ازراہ قتل کر دو۔

ابن زیاد کے سپاہیوں نے امام مسلم کا ہاتھ کڑا اور قصر امارت کی چھت پر لے آئے۔
 آپ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مصروف ہو گئے۔ پھر مدینہ کی طرف منہ کر کے امام الانبیاء کے حضور میں
 ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کیا۔ مکہ معظمہ کی طرف جانے والے راستے کی طرف دیکھا کہ شاید امام عاف مقام
 کے قافلہ کی گرو غبار کی زیارت ہو جائے۔ پھر دل ہی دل میں امام حسین کو مخاطب کر کے عرض کیا
 یا ابن رسول اللہ! غلام آپ کے نام پر جان دے رہا ہے میرا یہ حقیر نذرانہ قبول فرمالینا۔

آپ اپنی تصورات میں تھے، قصر امارت کے اوپر یہ مقام حدائن کے سامنے ابن بکر
 یا بکر بن حمدان نے تلوار کا وار کیا اور مرتن سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ
 آپ کے سر اور لاش کو ابن زیاد کے حکم سے بے گور و کفن پہلے چھت سے شرک پر پھینک دیا
 گیا اور پھر وہاں سے اٹھوا کر جنگل میں پھینک دیا گیا۔ اور یوں کہ طے کے خونیں معرکہ کا پہلا شہید
 شمع حق و انصاف کی حفاظت کرتا ہوا منصب شہادت پر سرفراز ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
 زندہ ہو گیا عر خدا رحمت کنند این عاشقانِ پاک طنیت را

بعض روایات میں ہے کہ یزید پلید کے حکم پر آپ کا سر مبارک یزید پلید کو بھیجا گیا تھا۔

دونٹھے مسافر

ابن زیاد نے کوفہ میں ہونے والی تمام کاروائی نینیدیلید تک پہنچا دی۔ جس میں امام مسلم کے بچوں کا بھی ذکر تھا۔ یزید کی طرف سے حکم ملا کہ ان بچوں کو میرے پاس پہنچا دو۔ مظلوم بچے ابھی تک قاضی شریح کے گھر میں تھے۔ ابن زیاد نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس مسلم کے بچے ہوں وہ دارالامارت میں پہنچا دے۔ قاضی شریح کو حضرت مسلم سے کیا ہوا وعدہ یاد آگیا اور بے قرار ہو گیا۔ بچوں کو مدینہ منورہ بھیجنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ پتہ چلا کہ رات کو ایک قافلہ مدینہ کی طرف جائیو والا ہے رات کے وقت اپنے لڑکے کو ہلکا کر سمجھایا کہ تم مسلم کے بچوں کو لیکر احتیاط سے چھپتے چھپاتے شہر سے باہر چلے جانا۔ وہاں تمہیں مدینہ منورہ کو جانے والا قافلہ تیار ملے گا۔ میں نے ان سے بات کر رکھی ہے۔ بچوں کو ان کے سپرد کر دینا کہ ان کا خیال رکھیں اور مدینہ پہنچا دیں۔ میں اس لئے نہیں جاتا کہ کہیں پہچان نہ لیا جاؤں۔ تم اگر سپاہیوں کی نظر میں آ بھی گئے تو میں تمہیں بچاؤں گا۔ اپنے بیٹے کو اچھی طرح سب کچھ سمجھا لینے کے بعد شریح نے سوئے ہوئے بچوں کو جگایا، ہاتھ منہ دھلایا تاکہ غند کا غلبہ کم ہو جائے۔

پھر دونوں شہزادوں کو گلے لگا کر پیار کیا۔ پیار کرتے کرتے حضرت مسلم کی شہادت کی طرف خیال چلا گیا۔ قاضی شریح کی خنج نکل گئی اور زار و قطار رونے لگا۔ نٹھے شہزادے پر لیشان ہو گئے۔ شہزادوں نے بے قرار ہو کر پوچھا۔ بابا! آپ روتے کیوں ہیں۔ ہمارے آبا کہاں ہیں۔ آپ کہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے شہر میں گئے ہوئے ہیں۔ کیا ابھی تک وہ واپس نہیں آئے؟ بابا! ہم نے آبا سے وعدہ کیا تھا کہ ہم کبھی ضد نہیں کریں گے اور نہ ہی کوئی چیز مانگیں گے۔ اسی وجہ سے ہم ضد نہیں کرتے بابا۔ مگر اب تو آبا جان کو ملے ہوئے کئی روز ہو گئے ہیں۔ اب تو ہم سارا سارا دن پر لیشان رہتے ہیں۔ بابا ہم کسی کے سامنے اپنے غم کا اظہار تو نہیں کرتے۔ لیکن علیحدہ کمرے میں جا کر آگہ جان کی یادیں ہم پر روتے رہتے ہیں بابا گھر والے سمجھتے ہیں کہ ہم سوئے ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں نیند کب آتی ہے بابا! ہم راتیں آبا کی یادیں رو رو کر گزارتے ہیں۔

آبا جان نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہاں جا کر ہم ایک جگہ نہیں رہیں گے ورنہ ہم کبھی نہ

آئے۔ ہم نے سفر کی مصیبت اسی لئے تو برداشت کی تھی کہ ابو کے ساتھ رہیں گے۔ ہم نے سارے گھر والوں کو صرف اس لئے چھوڑا تھا کہ اب اسے جدائی نہ ہو مگر وہ تو کئی روز ہوئے ہمارا پتہ لینے بھی نہیں آئے۔

شہزادوں کی دردناک اور رقت انگیز گفتگو سن کر بابا شریع دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ بابا کو روتے دیکھ کر بچے بھی بیقرار ہو گئے۔ اُن کے ننھے ننھے دل سیلوں کے اندر دھڑکنے لگے۔ اب اُن کے سامنے کچھ اور ہی نقشہ تھا۔

بڑے صاحبزادے نے بیابان ہو کر بوجھا۔ بابا! ہمارے آبا کہاں ہیں؟ آپ روتے کیوں ہیں۔ ہمیں کچھ تو بتاؤ بابا۔ ہمیں جلدی سے بتا دو کہ کیا بات ہے۔ ہمارے سینوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھو بابا، ہمارے سینے پھٹ رہے ہیں۔ بچوں کی فریاد اور آہ وزاری اور قاضی شریع کا دھاڑیں مار مار کر رونا فضائے عالم کو غمزہ کر دیتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ قاضی شریع کا گھراؤم کردہ بن گیا ہے۔

چند لمحوں کے بعد چھوٹا شہزادہ سوال کر دیتا ہے کہ بابا بتاتے کیوں نہیں ہمارے ابو جان کہاں ہیں؟ وہ ہمارا پتہ لینے کیوں نہیں آتے؟

قاضی شریع نے دل پر جبر کرتے ہوئے رندھی ہوئی آوازیں بتایا عرب کے شہزادو! تمہارا باپ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تمہارے باپ کو ظالموں نے شہید کر دیا ہے۔ تم قیم ہو چکے ہو، تمہارے بابا حسین بھی ابھی تک یہاں نہیں آئے۔ ابھی تھوڑی دیر تک ایک قافلہ مدینے کو جا رہا ہے تمہیں اُن کے ساتھ مدینہ بھیج رہا ہوں۔

میں نے اس لئے ہی تمہیں اس وقت جگایا ہے۔ اب جلدی کرو اور میرے لڑکے کے ساتھ چھپتے چھپاتے چلے جاؤ۔ یہاں کا حاکم تمہیں بھی ڈھونڈ رہا ہے تاکہ وہ تمہیں بھی شہید کر دے۔ اب دیر نہ کرو۔ کہیں قافلہ چلا نہ جائے۔

اب کس طرح بتایا جائے کہ امام مسلم کے غیور پر یہ خبر سن کر کیا ہمتی تھی یہ اندازہ تو صاحب اولاد ہی لگا سکتے ہیں۔ بچوں کے تو دل پھٹ گئے۔ کلیجے چر گئے۔ حسرتوں کے طوفان آنکھوں سے آنسو بن بن کر ٹپکنے لگے۔ ایک ہی لمحے میں گلاب کے غنچے سرسول کے میو بن گئے، سینے سے لٹسنے والے طوفان حلقوں میں گویے بن کر پھنس گئے۔ پٹی پٹی سی آنکھوں سے قاضی شریع کی طرف دیکھا اور نگاہوں میں ہزاروں سوال لئے اُس کے لڑکے

کے پیچھے پیچھے ہوئے۔

جلتے ہیں چاک دامن راحت رکئے ہوئے
نٹھ سے پھول داغ قیمی رکئے ہوئے (صائم پستی)

ٹھوکر تو لگ ہی چکی تھی، اب گرنے میں کیا دیر ہے، گرتے ہیں، اٹھتے ہیں، اٹھتے ہیں اور گرتے ہیں۔ رات کا اندھیرا، کوفیوں کے نامہوار دلوں کی طرح راس، اگیوں کے موڑ، کبھی کسی دیوار کی ٹکڑ لگ، جاتی ہے کبھی پاؤں مڑ جاتا ہے۔ شریک کے لڑے کی رفتار تیز ہے۔ دوڑ دوڑ کر اُس تک پہنچتے ہیں۔ کبھی چھوٹا گرتا ہے تو بڑا تھا اُلتا ہے بڑا گرنے لگتا ہے تو چھوٹا سہارا دے دیتا ہے۔

اب آٹو تھکے ہوئے ہیں۔ آنسو کہاں سے آتے آنکھوں کو تو غم نے پتھر بنا دیا تھا اسی طرح شہر سے باہر آ جاتے ہیں۔ لیکن اس غم کو الفاظ میں کیسے سمجھوں کہ چاند کی چاندنی میں بہت دُور جاتے ہوئے قافلے کا اڑتا ہوا غبار نظر آتا ہے۔ قافلہ جا چکا ہے۔ مدینہ منورہ کو جانے والا قافلہ، ارمافوں کی بستی کو جانے والا قافلہ، آرزوؤں کے شہر کو جانے والا قافلہ! غم دے خنک شہرے کہ آنجا دبر است

اَب کدھر جائیں

قاضی شریح کے لڑکے نے کہا، قافلے والے آہستہ چلتے ہیں تم تیز تیز دوڑو رات چاندنی ہے تم جلد ہی قافلہ تک پہنچ جاؤ گے۔ اور پھر وہ تمہیں سواری پر بٹھالیں گے دیر نہ کرو جلدی دوڑو، زور زور سے بھاگتے رہو، قافلہ زیادہ دُور نہیں! شریح کا لڑکا تو دلی کا راستہ بتا کر گھرا گیا اور معصوموں نے دُور نا شروع کر دیا اب دلوں پر ہاتھ لکھ کر تصویر کریں کہ اونٹوں اور گھوڑوں کی سواریوں تک معصوم بچے کس طرح پہنچ سکتے تھے۔

بس! تقدیر جدھر دُور رہی تھی دُور رہے تھے۔ قافلہ تک کیا پہنچنا تھا قافلہ کا

سانس پھول گئے اور بے بس ہو کر گر گئے۔

رات کا وقت ہے، ریت کے ٹیلے ہیں، خوفناک جنگل، ننھے سے پھول، قیمتی کا داغ، غم کی تصویریں، سینے و گار، پھٹے ہوئے دل، سہمی ہوئی نگاہیں، نہ کوئی منزل نہ کوئی رہبر، بے یار و مددگار ریت پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کی طرف حسرت زد نگاہوں سے دیکھتے جا رہے ہیں۔

اُنھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا۔ بیٹھے رہتے ہیں تو جنگل کی وحشت خوف زدہ کرتی ہے۔ کہیں ہلکی سی ترسراہٹ ہوتی تو اس خیال سے دل ڈر بنے لگتے کہ کوئی ہمیں پکڑنے کے لئے آ رہا ہے۔

لوگوں کے بچے اس وقت بستروں پر خواب راحت کے مزے لے رہے ہیں لیکن نائب حسین کے یتیم شہزادے تھکاوٹ سے چکنا چور ہو کر ریت پر گرے پڑے ہیں اس طرح کچھ وقت گزر جاتا ہے تو چھوٹے شہزادے نے کہا بھتیہ اُٹھیے ورنہ ہمیں سپاہی پکڑ کر لے جائیں گے۔

بڑے نے فرمایا، بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن تم بہت زیادہ تھک چکے ہو عین تو کسی نہ کسی طرح دھڑی لوں گا لیکن تم سے تو چلا بھی نہیں جاتا۔
نہیں بھائی جان آپ میرا فکر نہ کریں۔ اب میری ٹانگوں کو کچھ سکون ہے۔ میں آپ کیساتھ ساتھ چلتا رہوں گا۔

آپس میں مشورہ کر کے شہزادے اُٹھتے ہیں اور آہستہ آہستہ دوڑنا شروع کر دیتے ہیں راستے کا تو کچھ پتہ ہی نہ تھا۔

مدینہ پہنچ جانے کے تصور ہی میں دوڑتے رہے۔ زیادہ تھک جاتے تو تھوڑی دیر آرام کر لیتے اور پھر چلنا شروع کر دیتے۔

اس طرح چلتے چلتے صبح کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ سامنے دیکھتے ہیں تو ایک شہر ہے۔ دل کو ایک دھارس بندھی کہ وہاں چل کر سواری کا کوئی بندوبست ہو ہی جائے گا۔ لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

چند قدم پہنچ کر شہر سے آنے والا ایک آدمی نظر آیا۔ وہ شخص صبح ہی صبح دو بچوں کو

پوچھا بابا اس شہر کا نام کیا ہے؟
اُس نے بتایا کہ کوفہ!

کوفے کا نام سن کر بچوں کی جو حالت ہوئی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ اُس شخص نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ بچوں کی اولاد تھے سچی بات ہی کہنا تھی۔ فرمایا کہ مسلم کے یتیم۔ لالچیوں کا شہر تھا، وہ اُن دونوں کو لے کر ابن زیاد کے پاس آگیا۔ اُس نے کہا کہ جا کر داروغہ جیل کے سپرد کر دو۔

حق بیان کرنے والوں کے لئے جیل پرانی بات ہے۔ ننھے یتیموں نے سچی بات کہی تھی اس لئے اُنہیں جیل بھیج دیا۔

ورنہ اُن کی عمر ہی کیا تھی۔ نہ اُنہوں نے ڈاکہ ڈالنا چوری کی اور نہ ہی کوئی دہرا جرم کیا۔ جرائم پیشہ کب جیل جلتے ہیں وہ تو حکومتوں کی پناہ میں ہوتے ہیں۔ ڈاکوؤں اور چوروں کو جیل سے کیا سروکار۔

داروغہ سن تو حق کہنے والوں کیلئے ہی مخصوص ہے۔

جیل کے داروغہ کا نام مشکور تھا۔ تھا تو حکومت کا ملازم مگر اہل بیت سے بے پناہ محبت رکھتا تھا۔ اُس نے شہزادوں کے ساتھ بڑا پیار کیا۔ سارا دن اُن کو تسلیاں دیتا رہا۔ اس عالم میں کسی کا پیار سے پوچھ لینا ہی بُری بات ہوتی ہے۔ داروغہ جیل کی شفقت سے شہزادوں کو کچھ تسلی ہوئی۔ داروغہ نے کھانے پینے کی چیزیں بھی پیش کیں جن سے بادلِ ناخواستہ تھوڑا بہت کھالیا۔ لیکن کھانا کیا تھا باپ کی یاد تو سینے پر چھڑیاں چلا رہی تھی۔

اسی طرح دن گزر گیا شام ہو گئی، رات کا اندھیرا بڑھنے لگا۔ مشکور نے بچوں کو ساتھ لیا اور شہر کے باہر آگیا۔ بچوں کے سر پر دستِ شفقت پھرا۔ بڑے شہزادے کو ایک انگوٹھی دے کر کہنے لگا کہ یہ راستہ شہر قادیسیہ کا ہے۔ دل تو نہیں مانتا کہ رات کے وقت آپ کو سفر کی تکلیف دوں۔ لیکن مجبور ہی ہے۔ یہاں کا حاکم بڑا سخت اور بدبخت ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں وہ شہید نہ کر دے۔ یہ نہایت پُر امن راستہ ہے۔ آپ بالکل بغیر ڈر کے اپنا سفر جاری رکھیں۔ جب قادیسیہ میں جائیں تو میرے بھائی کا پتہ پوچھ لینا۔ اسے مل کر میری انگوٹھی دینا۔ وہ آپ کو سواری کے ذریعے مدینہ منورہ پہنچا دے گا۔

شہزادے مشکور کے حذرِ رحم سے رخصت ہوئے لکن نہ سمجھ رہے تھے وہی سفر کی

مصیبت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

تقدیر کب کسی کی پریشانیوں دیکھتی ہے۔ مشکور چند قدم ساتھ چلتا رہا اور پھر دونوں کو پیار کر کے واپس ہو گیا۔

سات آٹھ سال کے ننھے مسافرات کے اندھیرے میں چلے جا رہے ہیں۔ پھر چاند طلوع ہو جاتا ہے۔ شہزادے نفور اساتیز چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب بہت زیادہ تھک جاتے ہیں تو بیٹھ جاتے ہیں۔

مستطیل تیش گھنٹوں سے جاگ رہے ہیں۔ کسی جاگ آرام کرتے ہیں تو نیند کا غلبہ بھی محسوس ہوتا ہے۔ لیکن سونے کی خواہش خود بخود آتوڑ دیتی ہے۔ جلد از جلد مدینہ پہنچ جانے کا خیال نیند کو دور بھگا دیتا ہے۔ آنکھیں ملنے ہوتے اُٹھتے ہیں اور پھر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔

پوری رات یہ مصیبت کا سفر کرتے کرتے آثارِ صبح نمودار ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی سامنے ایک شہر بھی نظر آتا ہے۔ گویا تھکے ماندے ننھے مسافروں کو غم و آلام کے گہرے اندھیرے میں امید کی کرن نظر آگئی۔

چلتے چلتے پاؤں میں دُرم اُچکے تھے۔ ابرویوں پر ہاتھ نہیں رکھا جاتا تھا۔ پنڈلیوں کا گوشت پھوڑا بن گیا تھا۔ مگر مدینہ کے معصوم مسافروں میں شہر دیکھ کر ایک نیا دلولہ پیدا ہو گیا۔ اربانوں کی دنیا میں انقلاب آگیا۔ حالت یہ تھی کہ ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہے۔ سارا جسم تھکن سے چور چور ہے لیکن اب خود بخود قدم تیزی سے اُٹھ رہے ہیں۔ بڑے شہزادے نے کپڑے میں بندھی ہوئی انگوٹھی کو کھول کر دیکھا۔ مشکور کے بھائی کا نام یاد کیا اور چھوٹے شہزادے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مشکور بہت نیک آدمی تھے۔ دعا کرو کہ اُن کا بھائی بھی ویسا ہی ہو۔

تھکاوٹ تو بہت ہے لیکن اُسے یہی کہتے رہنا کہ بابا ہمیں آج ہی مدینہ پہنچا دو۔ چھوٹے نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ بھائی جان آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمیں آج ہی مدینہ کو روانہ ہو جانا چاہیئے۔ شہزادے اس قسم کی معصوم گفتگو کرتے کرتے شہر کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ مدینہ پہنچ جانے کی خوشی میں دل تیزی سے دھڑکنے لگے۔

جب ذرا شہر کے اور قریب ہوئے تو یوں ہوا کہ جیسے کسی نے بجلی کا شاک لگا دیا ہو۔ دونوں ہی تصویرِ حیرت بنے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے۔ دونوں نے پہچان لیا کہ یہ تو وہی شہر کوفہ ہے جہاں سے ہم نے آغاز سفر کیا تھا۔

نتھے مسافروں کے دل ٹوٹ گئے۔ پریشانی ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ نزدیک ہی چشمہ تھا
 اُس کی طرف چلے گئے۔ چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا، منہ ہاتھ دھویا۔
 دونوں کے جسم درد سے بھرے پڑے تھے کسی بھی صفے پر ہاتھ نہیں رکھا
 جاتا تھا۔

دل میں اگر ہو درد تو دوا کیجئے
 بن جائے دل ہی درد تو کیا کیجئے

شکوئی میرا

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

عن ابي القاسم بن عمار

مشکور کی شہادت

اُدھر صبح ہوتے ہی ابن زیاد کو خبر مل جاتی ہے کہ حضرت مسلم کے بچے جیل میں نہیں ہیں۔
ابن زیاد نے داروغہ جیل مشکور کو حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ مٹوڑ کا دیر کے بعد مشکور ابن زیاد
کے فرعونی دربار میں پہنچ جلتے ہیں۔

ابن زیاد:۔ مسلم کے بچوں کے متعلق مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ جیل میں نہیں ہیں۔ کیا یہ
دست ہے؟

مشکور:۔ ہاں، یہ اطلاع درست ہے۔

ابن زیاد:۔ کیا تم نے اُن کو کسی اور جگہ پھرایا ہوا ہے؟
مشکور:۔ نہیں؛ بلکہ میں نے انہیں خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے رات ہی کو آزاد کر دیا تھا۔

ابن زیاد:۔ کیا تمہیں میرا ڈر نہیں تھا؟

مشکور:۔ جسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو وہ کسی دوسرے سے نہیں ڈرتا۔ ابن زیاد تو بھی خدا
سے ڈر! تو نے معصوم بچوں کے باپ کو بیگناہ شہید کر دیا ہے۔ اب دو بیگناہ
یقیم معصوموں اور پردہ سی شہزادوں کو قید و زندان میں ڈال کر تم قہر الہی کو آؤنڈینا
چاہتے ہو۔ میں نے سید الکونین امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی
حاصل کرنے کیلئے اُن کو رہا کر دیا ہے۔

ابن زیاد:۔ مشکور جانتے ہو تم کس کے ساتھ گفتگو کر رہے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس انداز
سے گفتگو کرنیوالوں کی زبانیں کھینچ لیتا ہوں۔

مشکور:۔ میں جانتا ہوں، لیکن یاد رکھ! ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ تم موت کو
آواز دیتے پھر دو گے لیکن موت تم سے دُور بھاگے گی۔ تم جس قصرِ امارت میں اپنی
فرعونیت کا مظاہرہ کر رہے ہو یہیں تم اڑیاں رگڑ رگڑ کر فنا ہو جاؤ گے۔ میں
حیران ہوں کہ جس رسول کی قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے ہوئے ہو
اُس کے بے گناہ بچوں کو اس درد کے ساتھ شہید کر رہے ہو کہ خود

شہاد کی روحیں بھی کانپ جاتی ہیں۔

ابن زیاد :- اگ بگولا ہو کر۔ مشکور خاموش ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔
مشکور :- مجھے زبان کے کٹ جانے کا کچھ افسوس نہیں ہوگا۔ حق بیان کرتے ہوئے
اگر زبان کٹتی ہے تو کٹ جائے۔

مشکور کی حق گوئی نے ابن زیاد کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ جلاؤ کو بلا کر کہنے لگا
کہ اس کا سر قلم کر دو۔

جلاؤ تلوار اٹھا کر چلانے لگا تو ابن زیاد نے کہا ٹھہر جاؤ۔ پہلے اس کے جسم پر
پانچ سو درے لگاؤ اور پھر اس کا سر قلم کر دینا۔

روح انسانیت تڑپ اٹھی۔ وحشت و ہریریت کی انتہا ہو گئی۔ شیطان اپنے مکروہ
دانت نکال کر کھل کھلا اٹھا۔ زندگی کو سکون حاصل ہو گیا۔

جلاؤ نے پہلا چابک چلایا، مشکور نے کہا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :-
شائیں کی آواز سے دوسرا چابک پڑا۔ مشکور نے کہا، یا اللہ مجھے صبر عطا فرما۔
تیسرا وار ہو۔ مشکور نے کہا، یا اللہ میری دستگیری فرما۔

چوتھا چابک آیا۔ آواز آئی مجھے فرزندِ ان رسول کی محبت عطا کر۔

پانچواں چابک پڑتا ہے۔ مشکور نے کہا یا اللہ مجھے اہل بیتِ مصطفیٰ کے دامن میں جگہ دینا
پھر چابک پر چابک پڑتا ہے لیکن مشکور خاموش رہتے ہیں۔ اسی طرح پانچ سو قدہ پورا ہو
جاتا ہے۔ مشکور نے کراہتے ہوئے پانی طلب کیا۔ ابن زیاد نے کہا اسے پانی مت دینا۔

پانچ سو قدہ لگ جانے کے بعد زندگی اور موت میں کیا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے۔ لیکن
عمر بن الحارث نے سفارش کی کہ اب اسے قتل نہ کیا جائے اور مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے
اپنے گھرے جاؤں۔

ابن زیاد نے کسی مصلحت کی بنا پر اس کی بات مان لی ! ابن حارث مشکور کو اپنے
گھرے آیا۔ پانی پیش کیا۔ آپ نے کہا۔ یہ پانی میں نہیں پیوں گا۔ میرے لئے حبیب کے نانائے
کوثر کا جام لئے کھڑے ہیں۔ یہ کہتے ہی کلمہ شہادت کی گواہی دی اور راہی ملک بھا ہو گئے

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ

ہزار ہزار سلام ہوں اہل بیت کے اُس سچے خادم اور وفادار پر جس نے جان تو دیدی مگر ابن زیاد جیسے جابر و ظالم کے سامنے کلمہ حق کہنے سے باز نہ رہا۔
یہی حسینیت ہے اور یہی پیغام حسین ہے کہ دار و رسن کی پرواہ کئے بغیر کلمہ حق کہتے رہو :-

دل میں حق و حریت کا نور ہونا چاہیے
جذبہ مشکور کا مشکور ہونا چاہئے (صائم چشمی)
ادھر مشکور جن معصوم یتیموں کو بچانے کے لئے جام شہادت نوش فرماتے
ہیں وہ چشمے کے کنارے بیٹھے ہوئے پھینے کی جگہ تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اوپر دیکھتے ہیں
تو چشمے کے کنارے ولے درخت کے موٹے تنے میں کافی خلا ہے۔
یہ معصومانہ سوجھ بوجھ تھی جو بھی سمجھ میں آیا کر دیا۔ دونوں ہی درخت کی اُس کھوہ
میں دیک کر بیٹھ گئے۔

جلشیہ کنیز کا آنا

مقوڑا ہی عرصہ گزرا کہ ایک عورت ہاتھ میں برتن لئے چشمے پر آئی۔ جب اُس نے چشمہ
سے پانی لینا چاہا تو درخت کے عکس کے ساتھ اُسے شہزادوں کا عکس بھی نظر آگیا۔ یوں
معلوم ہوتا تھا جیسے دو چاند نیک وقت پانی کی تہ سے طلوع ہو رہے ہوں۔ خود لڑکی تصویریں
ہیں جن کے گلاب کے پھولوں جیسے چہرے خون کے آنسوؤں میں بھیگ کر گل لالہ بن چکے ہوں۔

دو گل از گلشن دولت دمیدہ
دو ماہ از بوج آبے رخ نمودہ
یکے تابندہ مہراز دلربائے
گل رخسار! شاں زیر کلا لہ
دوسرو از بلع غبے قد کشیدہ
نزدیدہ چشمہ باران کشودہ
یکے چوں! آب خضر از جان فرلے
شدہ از گریہ خونیں! چوں لالہ

لب آں گشتہ خشک از آتشِ عنم
رخِ ایں ماندہ تر از آتشِ ماتم (دکاشفی)

وہ عورت ایک حادث نامی شخص کی کنیز تھی۔ اُس نے اوپر نظر اٹھائی۔ مسلم کے دونوں
تیم سراپا درد کی تصویر بن کر اُس کی جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ کنیز نے شہزادوں کی حالت دیکھی

توڑ پگئی۔ وہ سوچنے لگی کہ اتنے خوبصورت بچے اس قدر آلام و غم کی تصویر کیوں بنے ہوئے ہیں۔ ان پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے جو اس طرح چہرے سُستے ہوئے ہیں۔ آنکھیں سُوجھی ہوئی ہیں، بال بکھرے ہوئے ہیں اور اتنی حسرت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔

دل کو سینہ میں کر عرض کرتی ہے۔ اچھے بچو تم کون ہو۔ تمہیں کس کا ڈر ہے جو اس طرح چھپے بیٹھے ہو۔ تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔
جواب آیا: بی بی! ہم سے یہ نہ پوچھو کہ ہم کس کے بیٹے ہیں۔ باپ کا نام بتاتے وقت ہمارے سینے پھٹ جاتے ہیں۔ بس یہ سمجھ لو دو یتیم ہیں۔

خدارا اے رفیق از منزل جاناں مددہ یا دم
کہ من در دایم بھراں ز حال خود بفرما دم
کنیز کے دل میں اچانک خیال آگیا کہ بچے کو فیوں کے معلوم نہیں ہوتے۔ یہ یقیناً حضرت مسلم کے صاحبزادے ہیں۔
پھر ٹھنڈی آہ بھر کر بچوں سے مخاطب ہوتی ہے۔ اگر میرا خیال غلط نہیں تو آپ حضرت مسلم کے دل بند ہیں۔ بڑے شہزادے تھے توڑ پگڑیاں۔
بی بی! تم ٹھیک کہتی ہو۔ مگر اب میں مسلم کے دل بند نہ کہوں۔ ہمیں مسلم کے یتیم کہو۔ غریب لوگوں پر ایسی کہہ کر پکارو۔

ہو طود جن کا چھپ گیا، ہم وہ کلیم ہیں
دل بند کس کے رہ گئے! اب تو یتیم ہیں
بی بی! ہمیں اب یاد کے تحفے نہ دیجئے
ہم بے وطن مسافروں پر رحم کیجئے
کنیز یہ درد بھری گفتگو سن کر تڑپ ہی تو گئی۔ پھر عرض کرتی ہے۔ اچھے شہزادو اللہ تمہیں صبر دے۔ مسلم کے یتیمو! اللہ تم پر رحم فرمائے۔ میں ایک بی بی کی کنیز ہوں۔ یہ بھی خاندانِ مصطفیٰ کی غلام ہوں اور میری مالکہ کو بھی اہل بیت رسول سے عشق ہے۔ میں ابھی جاگو اُسے تمہارے متعلق بتاتی ہوں۔ تم کسی قسم کا فکر نہ کرنا۔ میں ابھی آتی ہوں شہزادو!
کنیز حلیٰ خدیجہ۔ بڑے شہزادے کو رحم نہ ہو۔ شہزادے کو مخاطب کر کے فرماتا۔

بھائی ابراہیم :- کہیں ہم بھر کسی جال میں نہ پھنس جائیں۔
 ابراہیم :- بھائی جان اب تو جو بھی تقدیر دکھائے گی دیکھنا پڑے گا۔
 محمد :- مجھے تو اس حبشی کینز کی باتوں میں سچائی معلوم ہوتی ہے۔
 ابراہیم :- مال بھائی جان! سیاہ فام حبشیہ کے چہرے پر عقیدت اور سچائی کا نور صاف ظاہر تھا۔
 محمد :- خدا کرے کہ اُس کے دل میں بھی سچائی کا نور ہو۔

ادھر شہزادے اس طرح کی سوچ اور فکر میں محو ہیں ادھر اُس کینز نے جا کر اپنی مالکہ کو
 سب حالات سے آگاہ کر دیا۔ مالکہ نے جب حضرت مسلم کے یتیم شہزادوں کا حال سنا تو تڑپ کر
 رہ گئی اور پھر والہانہ انداز میں باہر کو دوڑی، کینز بھی ساتھ تھی۔ دروازے کے پاس پہنچ کر
 رُک گئی، کینز بھی رُک گئی۔ مالکہ نے اپنے سر کا دوپٹہ اتارا اور کینز کے سر پر دے کر
 کہنے لگی آج سے تم میری لونڈی نہیں بلکہ میری بہن ہو۔ تو نے مجھے بہت بُری خوشخبری سنائی ہے۔
 میں اس کے صلہ میں تمہیں اپنے مال کے حصہ سے آزاد کرتی ہوں۔

اور پھر ننگے سر ہی والہانہ دوڑتی ہوئی چٹھے پر آگئی۔ شہزادے اُسی طرح درخت کی
 کھوہ میں دُبکے پڑے تھے۔ یہ عالم دیکھ کر بی بی کی چیخ نکل گئی۔ قریب پہنچ کر نہایت
 شفقت سے بولی۔

گلستانِ محمد کے نو نہالو! نیچے تشریف لے آؤ۔ ڈرو نہیں پیارے شہزادو!
 میں آپ کی خادمہ ہوں، میں اہل بیتِ محمد کی غلام ہوں، میں خاندانِ نبوت کی لونڈی ہوں،
 میرے چاند! مجھے اپنی کینز سمجھو۔

دونوں بھائی دُورے دُورے سہمے سہمے نیچے اتر آئے۔ اترنا تو تھا ہی۔ خواہ۔
 کچھ بھی سلوک ہوتا۔

مگر وہ بی بی تو جو کچھ کہہ رہی تھی دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی تھی۔ شہزادوں کو گود
 میں لیکر بے اختیار رو رہی تھی۔ کبھی ایک کا منہ چومتی کبھی دوسرے کو گلے لگاتی۔ کبھی دونوں کو
 گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر روتی اور پھر ایک بھائی کو اپنی گود میں اٹھایا اور دوسرے کو آزاد شدہ
 کینز نے اٹھایا اور گھر کے اندر لے آئی۔

جلدی جلدی پانی گرم کیا۔ ایک نے بچوں کے کپڑے دھو کر سکھانے شروع کر دیئے
 دوسری نے نہلا یا دھلایا، کپڑے پہنائے، بستر بچھایا، اوپر بٹھایا اور کھانا آگے رکھ دیا

معصوموں کو کچھ تسلی ہوئی۔ تھوڑا بہت کھانا تناول فرمایا۔ پھر وہ دودھ لائی۔
 بچوں نے انکار کیا، زمین پر بیٹھ کر خوشامد کرنے لگی۔ پیارے شہزادہ تھوڑا سا پی لو۔
 آپ بہت تھکے ہوئے ہیں گرم گرم دودھ پینے سے راحت ملے گی۔
 شہزادوں نے اُس نیک بی بی کا پیار دیکھا تو ماں کی یاد آگئی۔ اُس کا دل رکھنے کیلئے
 دو دو گھونٹ دودھ تو پی لیا لیکن اب ماں کی یاد دل پر تھوڑے سے برسائے لگی۔ آنسو بھی عجیب
 چیز ہیں۔ انسان دکھی ہو تو جب بھی آجاتے ہیں۔ دکھ کے بعد راحت ملے تو دکھوں کو یاد کے
 محل جاتے ہیں۔ یہی حال شہزادوں کا تھا۔ ماں جیسا پیار نصیب ہوا تو ماں کی مانتا یاد آگئی۔
 لیکن دل پر چر کر کے آنسوؤں کو روکے رکھا کہ کہیں اس محسنہ کا دل نہ ٹوٹ جائے۔
 پھر بی بی نے پچھلے کمرے میں بستر لگا دیا اور ماتھ بانہ ہلکے عرض کیا، مدینہ کے شہزادو!
 تم بہت تھکے ہوئے ہو، دو راتوں سے جاگ رہے ہو تھوڑی دیر آرام کر لو۔ شہزادے
 اٹھتے ہیں۔ بی بی گود میں لینے کے لئے باہیں پھیلا دیتی ہے۔

بڑے نے کہا ہم خود چل کر جائیں گے بی بی! اب ہماری تھکن دور ہو گئی ہے۔
 لیکن بی بی آگے بڑھی اور ایک کو گودی میں اٹھالیا کینز نے دوسرے کو آغوش میں لیا
 اور بستر پر بٹھا دیا۔ شہزادے تھکے ہوئے تھے فوراً ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔
 شہزادے سو رہے ہیں اور بی بی سر ہانے بیٹھی ہوئی زیارت کے مزے لے رہی ہے
 کبھی پیار میں جوش آجاتا ہے تو آہستہ آہستہ انگلیوں سے کبھی ایک کی زلفوں کو سنوارتی ہے،
 اور کبھی دوسرے کے چہرے پر آئی ہوئی لٹ کو اوپر اٹھا دیتی ہے۔ کچھ یاد آتا ہے تو باہر
 جاتی ہے اور پھر فوراً ہی واپس آکر سوتے ہوئے شہزادوں کو دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔
 کتنا منور تھا اُس بی بی کا دل۔ کس قدر روشن تھا اُس کا سینہ۔ جس میں سچا خلوص اور سچا پیار تھا
 وفا کی دھمکی تھی، ہدایت کی چمک تھی، رحم کا جذبہ تھا، اسلام کی چاشنی تھی، اخلاص کا نور تھا
 انسانیت کی عظمت تھی، مودت کی سر بلندیاں تھیں، ایمان کی حرارت تھی، صداقت کی روشنی
 تھی، شرافت کی ضیاء تھی، اہل بیت رسول کی عقیدت تھی، خاندان نبوت کی محبت تھی،
 بہنوں کا پیار تھا اور ماں کی مانتا تھی۔

اُس کے سینے میں خلوص و پیار کی تنویر تھی
 اُس کے دل پر اُلفتِ آلِ نبیٰ تحریر تھی

پیکر مہر و وفا، آل محمد کی غلام
چلتی پھرتی ماتا کے پیار کی تصویر تھی
(صائم چشتی)

شہزادے سوتے رہے اودوہ والہانہ چکر چکر لگاتی رہی۔ اُن کے صدقے واری
جاتی رہی۔ اُن کی بلائیں لیتی رہی۔ آج وہ اتنی خوش تھی جیسے اُسے دونوں جہان کی دولت مل گئی ہو۔
کبھی سوچتی ہے کہ کافی سولیا ہے اب شہزادوں کو جگا کر اُن سے باتیں کروں۔ اُن کو کھانا کھلاؤں،
اور پھر اس خیال سے اس ارادہ کو توڑ دیتی ہے کہ ان کے لئے سونا ہی بہتر ہے۔ انہیں آرام کی سخت
ضرورت ہے۔ یہ پوری دو راتیں جاگتے رہے ہیں۔ ہاتھ یہ ننھے سے پھول کس مصیبت میں پڑ گئے
رات بھر دوڑتے دوڑتے ان کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ اود پھر سرد آہ کھینچتی اور بے ساختہ
رونے لگتی۔

رات ہو جاتی ہے۔ آزاد کی کینز کو بلایا۔ پیار سے سینے۔ لگا کر کہا اچھی بہن میں
تجھے مبارک باد کہنا بھول ہی گئی تھی۔ شہزادوں کی آمد کی خوشی میں مجھے ماوی نہ رہا کہ تمہیں آزادی
کی مبارک بھی دینا ہے۔ سب کینز نہیں یہ۔ آہن ہو امیری ماں جاتی بہن۔

تمہارے وسیلے اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی دولت عطا فرمائی ہے۔ مجھے
اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا موقع ملا ہے۔ مجھے رسول پاک کی خوشنودی
حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے میری اچھی بہن۔

کینز نے مالک کی یہ باتیں سُنیں تو دل بھر آیا۔ گلے لگ کر رونے لگی۔ پھر کہا یہ آپ کی
شفقت ہے بی بی جو مجھے یہ اعزاز بخشا۔ میں اب بھی آپ کی لکڑی بن کر ہی رہوں گی۔ اب تو آپ
میری بہن بھی ہیں۔ میں آزاد ہو کر بھی بہن کی غلامی میں رہنا کہیں اور جانے سے بہتر سمجھتی ہوں۔

بی بی دعا کرو اللہ تعالیٰ ایسا بند و بست فرما دے کہ شہزادے شہزادے شہزادے کے ساتھ
اپنے گھر والوں تک پہنچ جائیں۔

بی بی :- اسی لئے تمہیں بلایا ہے میری بہن۔ تمہیں بھی ایک کام کرنا ہے۔

کینز :- حکم فرمائیے میں آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کروں گی۔

بی بی :- کام یہ ہے کہ تم میرے شوہر حادث کی عادت کو جانتی ہو۔

کینز :- ہاں بی بی! میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ حکومت کے ملازم ہیں۔

بی بی :- صرف حکومت کا ملازم ہی نہیں بلکہ وہ لالچی بھی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ حکومت نے

شہزادوں کو پیش کرنے والے کے لئے کافی انعام مقرر کر رکھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا شوہر حارث العام کے لالچ میں مجھ سے یہ دولت نہ چھین لے۔

کنیز :- تو پھر کیا کریں بی بی ! یہ تو بڑی مصیبت بن جائے گی۔

بی بی :- اب یہی کرنا ہے کہ انتہائی راز داری سے کام لیا جائے۔ اس کو بالکل پتہ نہ لگ سکے کہ شہزادے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ سوائے تمہارے اور میرے کوئی اس راز سے واقف نہیں۔ جب حارث آئے تو اسے جلد ہی کھانا پیش کر دیا جائے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ جلد سو جائے گا عادی ہے۔

کنیز :- بہت بہتر بی بی۔ میں پوری راز داری سے کام لوں گی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اور آپ بھی یہ احتیاط کریں کہ جب مالک گھر آجائیں تو شہزادوں کے کمرے کی طرف جانا ترک کر دیں۔

بی بی :- ایسا ہی کروں گی۔ حارث کو اب مالک نہ کہا کرو۔ بلکہ اپنا بھائی سمجھو۔ کیونکہ تم میری کنیز تھیں میں نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔

کافی رات گزر جانے کے بعد حارث گھر آتا ہے اور کھانا کھا کر لیٹ جاتا ہے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہے۔ بی بی اس کی آواز پر کان لگا دیتی ہے۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔

ہماری ایسی قسمت کہاں ہے۔ صبح سے بچوں کو تلاش کرتے کرتے جسم چکنا چور ہو گیا ہے۔ اچھا صبح کو پھر قسمت آزمائی کروں گا۔

شوہر کی روزہ خیز گفت گو سن کر بی بی کا دل ہل جاتا ہے۔ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں فریاد کرتی ہے۔ اے میرے خدا مجھ پر رحم فرما۔ کہیں میری سب محنت اکارت ہی نہ ہو جائے۔ کہیں مجھے رسول اللہ کی خوشنودی حاصل کرتے کرتے ان کی طرف سے شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ میرے خدا تو میرے حالِ ناز کو جانتا ہے۔

یا اللہ ! حضرت مسلم کے شہزادوں کی حفاظت فرما۔ یا اللہ ! بچوں نے مجھ پر بھروسہ کیا ہوا ہے ان کے سامنے مجھے ذلیل نہ کرنا۔

میرے اللہ ! حارث کو ہدایت دیدے۔ یا اللہ ! یہ صبح ہی صبح کہیں چلا جائے تو میں بچوں کو بھیجنے کا بندوبست کروں گی۔

خداوند! ہر حادث بڑا خود غرض ہے۔ تو اس کے دل کو پھیر دے۔
یا اللہ! تو ہی غریبوں کا فریاد رس ہے۔

الہی لاج رکھ لینا میری ان انتخابوں کی
حفاظت آپ فرمانا، یتیموں بے نواؤں کی
(مسلم چشتی)

یتیم بچے فوج ہوتے ہیں

حادث کو بھی نیند نہیں آتی اور بی بی بھی جاگ رہی ہے۔ حادث سوچ رہا ہے صبح منہ
اندھیرے ہی گھر سے چلا جاؤں گا۔ قسمت آزمائی کرنے میں کیا خرچ ہے۔ ممکن ہے کل قیامت ساتھ
رہے ہی جلتے اور مسلم کے بچے کہیں چھپتے چھپاتے مل جائیں۔ اور پھر شاہی انعام میری جھولی میں
ہوگا۔ عیش ہی عیش ہو جائیں گے۔

نیک بی بی سوچ رہی ہے۔ "یا اللہ اہل بیت کے ساتھ میری محبت و اغوار نہ ہو جائے۔"
بچے سمجھیں گے میں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیلئے۔ معصوم شہزادوں کے دل ٹوٹ جائیں گے یتیموں
کی آہ نکل جائے گی۔

یا اللہ! مظلوموں کی آہ سے تو تیرا عرش بھی کانپ اٹھتا ہے۔ مجھے اس امتحان میں نہ ڈالنا
شہزادوں کی حفاظت فرمانا۔ اپنی اپنی سوچ ہے اور اپنا اپنا راستہ۔ یہ فطرت کی نیکیاں ہیں۔
ایک ہی گھر میں نور بھی ہے اور نار بھی، پھول بھی ہے اور خار بھی، پیار بھی ہے اور ظلم بھی،
شرافت بھی ہے اور شرارت بھی، ہدایت بھی ہے اور گمراہی بھی، روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی
محبت بھی ہے اور عداوت بھی۔ بیوی بچا نا چاہتی ہے شوہر مارنا ہے۔ بیوی اہل بیت کی
خادمہ ہے شوہر اہل بیت کا دشمن۔ بیوی جن کے ملنے کی خوشی میں کینز کو آزاد کر دیتی ہے شوہر ان کو
ضائع کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک طرف تریاق ہے اور دوسری طرف زہر۔ ایک طرف
حیات ہے اور دوسری طرف موت۔ ایک طرف پیکرِ انسانیت ہے اور دوسری طرف تصویرِ
عجیبیت۔ ایک ہی گھر میں ایک ہی کمرہ میں عقیدت کو بھی نیند نہیں آتی اور بغض بھی جاگ رہا ہے۔
یہی تو خدا کی شان ہے۔ یہی تو اسرارِ الہیہ ہیں۔ یہی تو قدرت کے راز ہیں۔ یہی تو

بھینڈیں جن کی کہنہ تک عقل و خرد کی رسائی ناممکن و محال ہے۔

ایک واقعہ

ایک قصاب نے اپنا پیشہ ترک کرنے کی وجہ بتائی کہ مجھے علی الصبح کسی گاہک کو گوشت دینا تھا۔ تڑکے کا وقت ہے۔ سات آٹھ ماہ کا بکری کا بچہ جسے ذبح کرنا تھا وہ مانگیں پھیلانے پوری مستی میں سو رہا ہے۔ میرے ہاتھ سے پھری گئی۔ اُس کے سونے کے انداز نے میرا دل تڑپا دیا۔ اُس کے بعد میں کسی جانور کو ذبح کرنے کے تصور سے بھی کانپ جاتا ہوں۔ یہ دل بدل جانے کی بات ہے ورنہ حلال جانوروں کو ذبح کرنا منع نہیں۔

جنت کا خواب

دونوں شہزادے سو رہے ہیں۔ تھکن کے بعد آرام کی نیند۔ معصومیت کی نیند۔ غمزدوں کی نیند غم آنے پر بھی زیادہ نیند آتی ہے۔ بڑی ہی میٹھی نیند۔ پیاری پیاری خوابوں کی نیند آتا سے ملاقات کی نیند۔ بڑی ہی بھولی بھالی اور راحت کی نیند کہ تقدیر دونوں کو جھنجھوڑ کر جگا دیتی ہے۔

دونوں بکیں و قییم دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔ بچوں کی آواز سن کر بی بی کی دبی دبی چیخ نکلی گئی۔ بے اختیار منہ سے نکلا یا اللہ خیر ہو۔ حارث نے بھی رونے کی آواز سن لی تھی لیکن خاموش رہا۔

اُدھر بڑے شہزادے نے چھوٹے شہزادے کو زور سے سینے کے ساتھ چٹایا اور فرمایا۔ ابراہیم اب چلنے کی تیاری کرو۔

ابراہیم :- کہاں چلنا ہے اس وقت بھائی جان کیا پھر دوڑنا پڑے گا۔ یہاں بھی ہمارا کوئی دشمن اگیا ہے۔ باہر تو ابھی رات ہے بھائی جان۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ ہائے اس اندھیرے میں پھر بھاگنا پڑے گا۔

محمد :- نہیں پیارے بھائی اب ہمیں دوڑنا نہیں پڑے گا۔ اب ہماری بھاگ دوڑ ختم ہو چکی ہے۔ اب ہماری مصیبتیں کٹنے والی ہیں۔ اب داغ قیچی دھلنے والا ہے۔ اب جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔

میں نے ایک بڑا ہی پیارا خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ایک بہت ہی خوبصورت باغ ہے۔ اُس میں بڑا ہی پیارا تخت بچھا ہوا ہے۔ اُس پر رسول پاک ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے ابلنے بتایا تھا کہ یہ رسول پاک ہیں۔ یہ تمہاری دادی ہیں حضرت فاطمہ الزہرا۔ اور مجھ بہت سارے لوگ تھے سب کی صورتیں بڑی ہی پیاری تھیں۔ مجھے رسول پاک نے اپنی گود میں لیکر بہت پیار کیا۔ پھر مہارے ابا جان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ مسلم تم نے یہ کیا کیا کہ خود آگئے اور ان معصوم یتیموں کو دکھوں کی دنیا میں چھوڑ آئے۔ ابا جان نے رسول پاک کے قدموں کو بوسہ دے کر وعدہ کیا۔ حضور یہ صبح ہوتے ہی آپ کے حضور میں پہنچ جائیں گے۔ پھر وہ پیارا تخت اور خوبصورت باغ غائب ہو گیا مجھے یقین ہے کہ ہم صبح ہوتے ہی شہید کر دیئے جائیں گے اور پھر ابا جان سے ملاقات کریں گے پیارے بھائی جب ابا جان ہی پاس نہیں تو اسی جینے میں رکھا ہی کیا ہے۔ ہمیں اس دکھوں اور مصیبتوں کی دنیا سے کیا لینا ہے۔ چھوٹے نے بھائی کا خواب سنا تو چیخ نکلی گئی۔ بڑے نے چھوٹے کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی زار و قطار رونے لگا۔

حادث ان درمیں ڈوبی ہوئی آوازوں کو بغور سننا رہا۔ اُسے اُس کی بیوی کی طرف سے آنے والی سسکیوں اور آہوں کی دبی دبی آواز بھی مسلسل سنائی دیتی رہی۔ بی بی اٹھنا چاہتی تھی لیکن اس ڈر سے نہ اٹھتی تھی کہ کہیں حادث کو شک نہ ہو جائے۔ عجیب کرب کی کیفیت میں کر دھ پر کر دھ بدل رہی ہے۔ انسان کی سوچ اپنی جگہ ہے اور تقدیر کا وار اپنی جگہ۔

حادث پوچھ لیتا ہے کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ بی بی تقریباً روتے ہوئے ہی جواب دیتی ہے۔ ”معلوم نہیں۔ یہاں تو کوئی پڑوس بھی نہیں۔ شاید فکد کہیں کسی کے بچے رورہے ہیں۔“

حادث: مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آواز ہمارے ہی گھر سے آرہی ہے۔ اور یہ تو بتاؤ کہ تمہیں نیند کیوں نہیں آتی اور تم سسکیاں کیوں بھرتی ہو۔

حادث کی بیوی:۔ خدا جانے بس نیند نہیں آرہی۔ جسم تو ٹھنڈا ہے شاید بخار ہو گیا ہے۔ حادث خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر اُس کمرے کی جانب جاتا ہے جہاں شہزادوں کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ اُس کی بیوی بھی بیقرار ہو کر اُس کے پیچھے دوڑتی ہے حادث کو دیکھ کر بچے سہم کر چپ ہو گئے۔

بچو تم کون ہو! حادث نے پوچھا۔ بچوں کے سحائے اُس کی بیوی نے جواب دیا کہ یہ تو

حارث نے شہزادے ہیں۔ میں نے کہا سورہ ہوں گے تمہیں صبح ملاؤں گی۔

حارث ! ہم پر یہ خدا نے فضل کیا ہے کہ اہل بیت مصطفیٰ کے شہزادے ہمارے
مہمان ہیں۔ ایک دو روز ہم ان کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی خوشنودی حاصل کریں گے پھر ان کو کسی طرح مدینہ شریف پہنچا دیں گے۔

پیارے حارث ! ان کا آنا ہمارے لئے باعثِ رحمتِ خداوندی ہے۔ ہمارے
سب دکھ دور ہو جائیں گے۔ پتہ نہیں یہ کیوں رو رہے تھے۔ دیکھو تو اسی پھول سے چہرے
دور کر مڑھائے ہوئے ہیں۔ آگے بڑھو، ان کو پیار کرو اور تسلی دو کہ ہم تمہیں جلدی ہی مدینہ
پہنچا دیں گے۔ یہ شاید اسی لئے رو رہے ہیں۔

یقینی کا تازہ تازہ داغ لگا ہے، زخم ابھی ہرے ہیں، تازہ زخم جلدی دیکھ جلتے
ہیں۔ آگے تو بڑھو پیارے حارث تم چپ کیوں ہو۔ آگے بڑھ کر ان سے پیار کرو تمہیں اللہ تعالیٰ
اس کا بہت بڑا اجر دے گا۔

وہیں کھڑے کھڑے حارث نے کہا سو جاؤ بچو۔ رو رو کر ہماری نیند کیوں حلاکتے ہو
اُس کی بیوی تسلی دینے کے لئے آگے بڑھتی ہے تو اُس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے کمرے میں آجاتا
ہے۔ کمرے میں آکر حارث نے بیوی کو مخاطب کیا کہ تم نے مجھ سے جان بوجھ کر پردہ رکھنے کی
کوشش کی ہے جو ابھی بیوی کے لئے جائز نہیں۔ پھر بھی مجھے معاف کرتا ہوں۔ تم نے اپنی سب
باتوں میں کام کی صرف ایک بات کی ہے کہ ان بچوں کے آنے سے ہمارے گھر میں رحمتِ خداوندی آ
جائے گی۔ میں تمہاری اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ تم نے واقعی سچ کہا۔ صبح کو میں ان بچوں کے
سرکاٹ کر ابنِ زیاد کے دربار میں پیش کروں گا۔ اور وہاں سے اس قدر مال و دولت حاصل کروں گا
کہ ہمارے عیش ہو جائیں گے اور مزے سے ساری زندگی بسر کریں گے۔ بس یہی رحمتِ
خداوندی ہے جو ان کی آمد سے ہمارے گھر میں آئے گی۔

اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی کی انتہا سمجھو کہ یہ کل سارا دن ان بچوں کو تلاش کرتا رہا
بلکہ رات کا کافی حصہ انہی کی جستجو میں بھاگ دوڑ کرتا رہا۔

خدا کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ اُس نے میری محنت کا یہ صلہ دیا کہ ان کو میرے گھر
میں بھیج دیا۔ گویا شکار خود شکاری کے پاس پہنچ گیا ہے۔

شوہر کی وحشتناک اور ہونک گھبراہٹ اور زور کا کلمہ، حارث نے۔ رات کا ماقی حقتہ

ہر طرح سے منت خوشامد کر کے اُسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتی رہی لیکن اُدھر تو دولت کا بھوت سوار تھا۔ اُس دولت کا جو کو فیول کی بہت بڑی کمزوری ہے۔
خدا ہی جانتا ہے کہ دوسری طرف مسلم کے بیکس و معصوم قیدیوں نے کس طرح رات کا باقی حقہ بسر کیا۔

صبح ہوتے ہی حادثہ نے بچوں کو بازوؤں سے پکڑا اور باہر کی طرف جلنے لگا۔ اُس کاشمیرا دھول کو پکڑنے کا انداز ایسا تھا جیسے قصاب دھبہ دھبہ کو کانوں سے پکڑ کر ذبح خانے کی طرف لے جاتا ہے اور کانوں کو زور سے پکڑے رکھتا ہے کہ ذبیحہ بھاگ نہ جائیں۔
حادثہ کی عورت بچوں کو بچانے کے لئے جو کچھ بھی کر سکتی تھی کر گزری۔ اُس نے ہر طریقہ سے اُس خوفی درندے سے بچوں کو بچھڑانا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ بچوں کو بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دوں۔ یہ سوچ کر آگے بڑھی اور حادثہ کو روک کر کہنے لگی۔ ظالم! اگر تو ان بچوں کو قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کر دے۔ میں دنیا سے اپنے ساتھ اہل بیتِ مصطفیٰ کے ساتھ غداری کے کلنک کا ٹیکہ نہیں لے جانا چاہتی۔
حادثہ پر لالچ کا بھوت سوار تھا۔ اُس پر کوئی حربہ بھی کارگر ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ پاگل بنا دیتا ہے۔ اُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو بیکار کر دیتا ہے۔ اُس کا دماغ ماؤف کر دیتا ہے۔ وہ اپنے پرانے میں تمیز کرنے سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ پاگل ہو جاتا ہے۔ حادثہ بھہ اندھا اور پاگل ہو گیا تھا۔ اُس نے شدتِ غیظ سے تلوار کھینچی اور اُس دنیا کی پاک باز خود اور نیک فطرت بی بی پر وار کر دیا۔ تلوار سر پر چلائی گئی تھی۔ بی بی کا سر چم گیا۔ ماتھے سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔
چکر اکر گری۔ دونوں ہاتھوں سے پٹھے ہوتے سر کو تھام کر بچوں سے کہا۔ شہزادو مجھے معاف کر دنیا میں بے قصور ہوں۔ میں تم سے شرمندہ ہوں یتیمو تم میرے گھر سے قتل کی طرف جا رہے ہو کاش میں تمہیں گھر میں ہی نہ لاتی!

سر سے خون کے دھارے بہتے رہے۔ حادثہ نے اُسے پاؤں کی ٹھوک ماری اور بیکس قیدیوں کو زلفوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اُس پاک باز کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز آتی رہی۔ محمد عربی کے شہزادو مجھے معاف کر دینا۔ قیامت کے دن میری شکایت نہ کرنا میرے قصور کو مٹا دینا۔ اے اللہ! مجھے معاف کر دے۔ رکھو اور سب شکر گو کہ

معصوم بچوں کے سامنے حادث کی بیوی پر وارہ ہوا تھا۔ اس وار نے اُن کے دل ہی چھری دیئے۔ اُن کے دلوں سے ہوک اُسھی اور اس ہوک کے ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ کاش یہ ظالم ہمیں قتل کر دیتا اور اس پاک باز بی بی کو کچھ نہ ہوتا۔ ہمیں تو قتل ہونا ہی تھا وہ بیچارہ بھی ہماری تقدیر کی لپیٹ میں آگئی۔

ابھی ان خیالوں میں ہی تھے کہ نہر کا کنارہ آگیا۔ حادث نے بڑے شہزادے کو کہا کہ لیٹ جاؤ۔ بڑا ابھی لیٹنے ہی والا تھا کہ پہلے چھوٹا لیٹ گیا اور کہا کہ پہلے مجھے قتل کر دو۔ میں بھائی کو قتل ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ بڑے نے کہا رک جاؤ پہلے مجھے قتل کرو۔ معصوم محبت کا یہ انداز دیکھ کر حوروں کی چیخیں نکل گئیں۔ آسمان کا کیچہ بھٹ گیا۔ عرشِ خداوندی کو لرزہ آگیا۔ فرشتے تمللا کر رو گئے۔ زمین کو زلزلہ آگیا۔ کائناتِ عالم کانپ اٹھی، لیکن بے رحم حارث کو رحم نہ آیا۔ ظالم نے کہا زیادہ باتیں نہ بناؤ اور دونوں ایک ساتھ لیٹ جاؤ۔ بھئی کے تازے، علی کے دلارے، حسین کے پیارے، مسلم کے یتیم، عقیل کے پوتے، محبت کے شہکار، اہل بیت کی بہار، ایک دوسرے کو سینے سے لگا کر ایسے لیٹ گئے جیسے بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹے ہوں۔ ابا جان سے ملاقات کا شوق شہادت کا ذوق ہر غم سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ سینے سے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے بازو گردنوں میں جاملیں۔ سونے کے انگلیوں میں بند کر لیتے ہیں۔ حارث کی تلوار اٹھتی ہے، چمکتی ہے اور دونوں یتیمانِ مسلم کے سرتن سے جبراً کر دیتی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ سَاجِدُونَ

اہل بیت کے معصوم، محمد کے مظلوم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چین کی میٹھی نیند سو جاتے ہیں۔ دنیا کے دکھوں سے نجات ہو جاتی ہے۔ ابا جان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

ظالم نے ظلم و جبر کی انتہا کر دی۔ صابروں نے صبر کی انتہا کر دی۔

فرشتوں کی معصومیت کا پتی رہی۔ شیطان کی شقاوت مسکراتی رہی۔

جنت میں جلتے جلتے ننھے شہیدوں کی رگوں نے دنیا کے بڑے بڑے

فلاسفوں اور دانشوروں کو ایک پیغام دیا کہ موت کو سر پر دیکھ کر بھی بھائی کو بھائی سے

محبت کا رشتہ نہیں توڑنا چاہیئے۔ ایتار کرنا سیکھو اے دنیا والو۔ ایتار ہی مقصودِ انسانیت ہے

حازرۃ دنیا بڑھ گئی ایک دوسرے سے روبرو ہونا سکھ

ظلم کی سزا

شیطان حارث نے یتیموں کے دھڑوں کو نہریں پھینک دیا۔ یہ وہی نہر فرات ہے جس کا پانی شہیدوں کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔ اہل بیت مصطفیٰ اُس نہر کا پانی کیسے پی سکتے تھے جس میں مُسلم کے یتیموں کا خون ملا ہوا تھا۔

حارث نے سر اٹھائے اور طشت میں سجا کر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ طشت اُس کے سامنے رکھ کر، اوپر سے رومال اٹھا کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ دل میں انعام منے کی خوشی سے لہو جھوٹ رہے ہیں۔

ابن زیاد نے شہزادوں کے کٹے ہوئے سر دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے؟
حنور! یہ مُسلم کے بچوں کے سر ہیں۔ بڑا مشکل سے پکڑے گئے تھے۔ حارث نے خوش ہو کر کہا۔

ابن زیاد نے غصے میں کانپتے ہوئے کہا۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ بچوں کے سر کاٹ کر لاؤ۔ احمق کے بیٹے مجھ سے یزید نے زندہ بچے مانگے ہیں سر نہیں مانگے۔ حرام زادے تم نے انہیں قتل کیوں کیا ہے

حارث کانپنے لگتا ہے۔ کانپتے کانپتے کہا غلطی ہو گئی جناب۔ معاف کر دیجئے۔

ابن زیاد نے اور غصے میں آکر کہا۔ یہ غلطی معاف نہیں ہو سکتی۔ جلادے جاؤ اسے، جو راہ میں گاڑ کر اس پر پتھر خوار کئے چھوڑ دو۔ اس کی ہی سزا ہے۔

ابن زیاد کو بچوں کی شہادت کا غم نہیں تھا اسے یزید کی طلبی کا ڈر تھا۔ جو کچھ بھی تھا یہ قدرت کا انتقام تھا، فطرت خاموش کا انتقام۔ معصوم بچوں کی معصوم رُوحوں کا انتقام۔ قاتل کو قتل ہونا ہی پڑتا ہے۔ ظالم کو اپنے ظلم کا بدلہ وصول کرنا ہی پڑتا ہے۔

یہ نظام قدرت ہے اسے کوئی نہیں تبدیل کر سکتا۔ ظالم کو ظلم کرنے کے لئے وقت دیا جاسکتا ہے لیکن اُس پر گرفت قائم رہتی ہے۔ اُس کے لئے قدرت کا شکنجہ تیار رہتا ہے سر لینے کے بدلے میں سر دینا ہی پڑتا ہے۔ کسی کے ارمانوں کا خون کر کے اپنے ارمانوں کا لاشہ اٹھانا ہی پڑتا ہے۔

اس کی گرفت سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قانون قدرت کو توڑا نہیں جاسکتا۔
یہ ازل ہے اور ابد تک رہے گا۔

دنیا کے بعد ابھی آخرت باقی ہے جہاں ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔ من
لعمل مثقال ذرۃ خیر یرہ، ومن ليعمل مثقال ذرۃ شر یرہ۔
حارث کو کوفہ کے چور ہے میں سینے تک گاڑ دیا گیا اور اُس پر وہی پھینک کر خونخوار کتوں کو
چھوڑ دیا گیا۔

خونخوار کتوں نے انسان نما کتے کے جسم کی تکیا بونی کر دی۔ ظالم کو ظلم کی سزا
مل گئی۔ فطرت خاموش کو سکون حاصل ہو گیا۔ قضا و قدر نے اپنا انتقام لے لیا۔ اے
یہ حساب باقی ہے..... ہے۔

عمرت ہے اہل نظر کے لئے

مکہ مکرمہ سے واپسی

حضرت مسلم نے یکم ذوالحجہ ۱۲۸۷ھ کو کوفہ سے خط لکھا تھا۔ تیز روقاصد دن رات ایک کر کے ۸ ذوالحجہ کو دربارِ امام میں پہنچ گیا۔ آپ نے بھائی کا خط پڑھا۔ کوفہ کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اہل بیت کو نئے سفر پر تیاری کا حکم دے دیا۔

۸ ذوالحجہ کی صبح درختاں طلوع ہوتی ہے۔ کائناتِ ارضی کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے فرزندانِ توحید منیٰ کو جلنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں لیکن کربلا کا مسافر مکہ چھوڑ رہا ہے۔

محبانِ اہل بیت منیٰ جلنے سے پہلے شہزادہ مصطفیٰ کی نیارت کو جو حق درجہ آہے ہیں لیکن آپ کی کوفہ کو تیاری دیکھ کر حیران ہو کر زبانِ حال سے کہتے ہیں:-

اے تماشہ گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا! می روی

۸ ذوالحجہ کو مکہ معظمہ (ذا اللہ شرفها) میں کیا ہوتا ہے۔ یہ وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو حج کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہوں۔ ملک ملک سے آئے ہوئے لوگ سفیرِ احراموں کے ایک ہی جیسے لباس میں مساواتِ اسلامی کا کامل نمونہ بن کر حرم کے اندر اور باہر شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے:-

ایک ہی مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کسبِ محل سے کرتا بنجاک کا شفر

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدا میں ہیں۔ ہار گاہِ خداوندِ جل و علا میں دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ غلافِ کعبہ کو تھام کر فریاد پر فریاد ہو رہی ہے۔ لوگ اپنے اپنے گناہوں کی گٹھڑیاں ہاتھوں پر رکھے ہوئے ربِّ کائنات کے حضور میں سر جھکائے کھڑے ہیں۔ عجیب میلہ لگا ہوا ہے۔ یہ وہ واحد مقام ہے جہاں عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی اسلام نے اجازت دے رکھی ہے لیکن کیا مجال کسی کی آنکھ میں کجی آجائے۔ لوگ تو پہلے ہی اپنے اپنے گناہوں پر سچے دل سے شرمندہ ہوتے ہیں پھر گناہ کا تصور کہاں۔

حرم کے اندر اور باہر ایک ملکوتی حسن چھا جاتا ہے۔ کوئی طواف کر رہا ہے، کوئی حجر اسود کو چوم رہا ہے، کوئی میزابِ رحمت کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ کوئی زمزم سے پیاس بجھا کر دُعا مانگ رہا ہے۔ عظیم میں نوافل ادا کئے جا رہے ہیں۔ مقامِ ابراہیم پر نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ صنعا مروہ کی دُوریں لگ رہی ہیں۔ ہر طرف نور کی چادر تنی ہوئی ہے۔ رحمتِ الہی جوش میں ہے۔ ایسا رقت انگیز سماں ہے کہ آنسو خود بخود جاری ہو جاتے ہیں۔ مجھے بھی یہ بہاریں دیکھنے کا شرف حاصل ہے اور پھر دوبارہ حاضر ہونے کے لئے تپ رہا ہوں۔ خداوند تعالیٰ ہر مسلمان کو حج بیت اللہ شریف کی سعادت نصیب فرمائے، آمین!

حج کا میلہ لگا ہوا ہے۔ لوگ دُور دُور سے مکہ معظمہ میں آ رہے ہیں۔ لیکن پاپیادہ پچیس حج کرنے والے امام حسینؑ آج نفلِ حج کو چھوڑ کر مکہ معظمہ سے باہر جا رہے ہیں۔ عظیم ترین مقصد حج سے بھی بڑا مقصد، جیسا تو اس مقصد پر حج کو قربان کیا جا رہا ہے۔ ظاہر کے حالات سے بھی آپ پوری طرح واقف تھے اور باطن کے پردے بھی آپ کے سامنے اُٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے سامنے نیندیت کا سیلاب تھا جسے روکنا بے حد ضروری تھا اور اس سیلاب کو صرف جو انسان اہل بیت کی لاشوں کے ٹکڑوں کا بند باندھ کر ہی روکا جاسکتا تھا۔

حرم میں خون گرا نا حرام ہے۔ اما چاہتے تھے کہ حرم محترم کا احترام قائم رہے اور میرے ہوتے ہوئے یہاں خون ریزی نہ ہونے پائے۔ شہزادہ کوئین کا مقصد تھا حرم کا تحفظ۔ حرم سے دُور جا کر کیا جائے۔

آپ کو معلوم تھا کہ حرم میں ایک شخص کو میڈھے کی طرح ذبح کیا جائے گا۔ آپ حرم کی حرمت

میرے حج کے ساتھیوں میں چند نام یہ ہیں۔ غلام محمد نبردار صاحب ڈھکوتی۔ چوہدری محمد شفیع صاحب پیر محل۔ شیخ محمد خلیل، محمد رفیق، خوشی محمد صاحبان۔ شیخ محمد ابراہیم، محمد حنیف کامونکی۔ ڈاکٹر شاہ محمد، قاری محمد یونس، محمد یوسف راولپنڈی۔ حکیم حبیب الرحمن صاحب چک اوٹھیاں۔ حکیم عبید الرحمن صاحب کی اہلیہ، محترمہ اماں ستال کا بین خاص طور پر مشکور ہوں۔ انہوں نے میری بیماریا اہلیہ کی بہت خدمت کی تھی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد حسن صاحب، خان محمد نور محمد چک ہرالاں اور محمد انور بھی شریک سفر تھے۔ اور بھی بہت احباب ہیں ان سب کا تفصیلی ذکر یہاں نے سفر نامہ میں کیا ہے۔ حافظ محمد طاہر و شیخ میاں عنایت اللہ سے بھی ملاقات ہوئی اور میرے ساتھ چلا جاتا

کو بچانا چاہتے تھے۔ آپ حرم کی زمینی چھوڑ دینا چاہتے تھے۔ آپ کے دادا اسمعیل نے حرم کی بنیادوں کو استوار کیا۔ آپ اُن بنیادوں کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا تھی اسمعیل

گو فیوں نے کہا تھا ہمارا کوئی امام نہیں ہم بے امام ہیں۔ ہماری دستگیری کیجئے۔ ہم نیکو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے ہمیں سہارا دیجئے۔ جگر گوشہ رسولؐ تھا، علی کا جگر پارا تھا، فاطمہ کا دلارا تھا۔ کیسے سہارا نہ دیتا اور کیوں فریاد رسی نہ کرتا۔

زندہ حق از قوتِ شبیری است!

باطل آئندہ دارِ حسرت میری است!

آیا تھا! یہ خیال بھی دل میں آیا تھا کہ وہ دن اور رک کر نفلی حج ادا کروں! لیکن نانا کی آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی، حسین! اٹھو نفلی حج کی فکر نہ کرو۔ تمہیں حج اکبری ادا کرنا ہے۔ لوگ دس ذوالحجہ کو مٹی میں بکروں اور بیٹھوں کو قربان کر کے تمہارے دادا اسمعیل کی یاد کو تازہ کریں گے۔ لیکن تم دس محرم کو اپنے بیٹوں کی قربانیاں پیش کرو گے۔ اپنے بھائیوں کی قربانیاں دو گے، اپنے بھتیجوں کی قربانیاں دو گے اور بھرتم خود بھی قربان ہو کر تکمیلِ ذبحِ عظیم کر دو گے۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر

معنی ذبحِ عظیم آمد پسر

حسین! تمہارے دادا اسمعیل کی قربانی کا یہ اثر ہے کہ اب تک لوگ کروڑوں جانوروں کو قربان کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ تمہارے دادا اسمعیل کی جگہ جانور قربان ہوا تھا۔ لوگ جانوروں کو ذبح کر کے اُن کی یاد مناتے ہیں۔

لیکن میرے پیارے حسین! تمہاری جگہ منیڈھا قربان نہیں ہوگا۔ تم تو اُن مقدس انسانوں کی قربانیاں پیش کرو گے جن میں قدسی صفات ہوں گی۔ جن کے چہروں پر ملکوتی حسن ہوگا۔ جن کے خون کے ہر قطرے سے صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہوگی۔ جن کے دلوں میں ایمان کی حرارت ہوگا اور جن کے سینوں میں شمعِ صداقت فروزاں ہوگی۔

پھر تمہاری ان قربانیوں کا اثر لا متناہی ہو جائے گا۔ سرمدی اور ابدی ہو جائے گا۔ اور لوگ تمہاری ان قربانیوں کی یاد بکروں اور غیٹھوں کو قربان کرنے کے بجائے اپنی جانیں پیش کر کے منائیں گے۔ مائیں اپنے بیٹوں کی شہادت پر فخر کریں گی۔ باپ اپنا سرمایہ حیات لئے ہوئے دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اہل وفا شہید ہو کر تمہارے پرچم تلے جمع ہونے کے لئے بیقرار ہو جائیں گے۔ قیامت تک ہر دور میں نعرہ حسنینیت بلند ہوتا رہے گا اور اہل حق لوگ اپنی جانیں قربان کر کے تمہیں خوارِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔ اُن کا خون تمہارے خون کی سلامی کے لئے مچل جائے گا اور تمہارا لہو اُن کے اہو میں حرارتِ ایمانی بھر دے گا۔ اُن کے خون کے ہر قطرہ میں بھی بسے وفا سج لبس جائے گی۔ انہیں حق و صداقت کی سریندیوں سے آگاہی حاصل ہو جائیگی اور یہ سب تیرے طیب و طاہر اور مقدس خون کا اثر ہوگا۔

اکھو میرے حسین! بکروں اور غیٹھوں کی قربانیوں کی بجائے اپنے جگر کے ٹکڑوں کی قربانیاں پیش کرو۔

اکبر و اصغر کی قربانی پیش کرو۔ قاسم و عباس کی قربانی پیش کرو۔ عون و محمد کی قربانی پیش کرو۔ اپنے وفا پر درساہتیوں کی قربانیاں پیش کرو۔

اور پھر خدا تعالیٰ کے قانون کے تحفظ کے لئے، میرے دین کو بچانے کے لئے میری شریعت کی حفاظت کے لئے، حق کی سریندی کے لئے، اسلام کی بقا کے لئے، عظمتِ انسانیت کے لئے خود بھی قربان ہو جاؤ۔

پرستارِ ان توحید آج یہاں سفید احراموں کے کفن باندھ کر بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو کر ندامت کے آنسو پیش کر رہے ہیں۔

لیکن میرے مظلوم شہید! تم دُشمنِ محرم کو سرخ احرام باندھ کر خدا تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کرو گے اور بجائے آنسوؤں کی بہسات کرنے کے اپنے خونِ مقدس کا ہر قطرہ پیش کر دو گے۔

لوگ یہاں زمزم سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ کربلا میں تم تین دن کی پیاس برداشت کر کے ناناکے ہاتھوں کو شورو سلسبیل کے جام نوش کر دو گے۔

میرے حسین! اٹھو! لوگ میرا دین تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر آج تم نے حق و باطل میں امتیاز پیش نہ کیا تو لوگ قیامت تک حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکیں گے۔ دنا والے گمان کو بس

گے کہ ہر امیر کی اطاعت واجب ہے خواہ وہ شرابی ہو، زانی ہو، بدکار ہو اور قوانین الہیہ کو پا مال کرتا ہو۔

میرے بیٹے! دنیا کو بتادے کہ اُدُلّٰی اِلَّا مَوٰصِلُکُمْ کا مطلب کیا ہے۔ میرے چاند نشانہ ہی کر دو کہ وہ کون امیر ہے جس کی اطاعت خدا و رسولؐ کے بعد ضروری ہے۔ خدا و رسولؐ سے بغاوت کرنے والا حاکم کس طرح قابلِ اطاعت ہو سکتا ہے۔ خدا کے باغی کی اطاعت کرو گے تو خدا و رسولؐ کی اطاعت کیسے ہو سکے گی جبکہ آیت میں ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور پھر امیر کی اطاعت کرو۔

پیارے حسین! دنیا والے اس ظن میں مبتلا ہو جائیں گے کہ جب محمدؐ کے نواسے نے گمراہی اور بے دینی کی حکومت کو خلافتِ الہیہ تسلیم کر لیا تو ہم کیوں نہ کریں۔ حسین! یزید کی بیعت قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے نانا کی حرمت کو فروخت کر دیا۔ رسالت کے مقصد کو قتل کر دیا۔

اُٹھو میرے حسین! نانا کی حرمت اور مقصد رسالت کے تحفظ کے لئے اُٹھو اور یزیدی قوتوں سے بکا جاؤ۔ اُس کی حکومت کو غیر اسلامی قرار دے کر اُس کی اُمیدوں پر پانی پھیر دو۔ تمہاری شہادت یزیدیت کے منہ پر طمانچہ ہوگی۔ فسق و فجور اور ضلالت و گمراہی کی موت ہوگی۔ اُٹھو! اور میرے دین کی حدوں کو اپنے سُرخ سُرخ خون کی لکیر کھینچ کر استقر نمایاں کر دو کہ کم نظر لوگ بھی آسانی کے ساتھ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔

حسین! یہ کام تمہیں کر سکتے ہو۔ یزید اپنے مکر وہ اور ناپاک ہاتھوں میں تمہارے مقدس ہاتھ لبنا چاہتا ہے۔ اُسے بتادو کہ حسینؑ سر تو کٹوا سکتا ہے لیکن تیرے پلید ہاتھوں میں ہاتھ دیکر نانا کی حرمت فروخت نہیں کر سکتا۔ اُٹھو میرے حسین! اپنے سفر کا آغاز کر دو۔

احکام سفر اُس شہنشاہ کی طرف سے صادر ہو چکے ہیں جس کا ہر حکم حکم خداوندی ہے۔ پھر دوسروں کے مشوروں پر کس طرح عمل کیا جاسکتا تھا۔

آج عقل عیار حسینؑ کی شہادت میں نقائص تلاش کرتی ہے اور سببِ تمسیر کے اس پر مقصدِ عظیم سفر میں خامیاں نکالتی ہے اور نواسہ رسولؐ کو مشورے دیتی ہے کہ اُسے ایسے نہیں کرنا چاہیئے تھا اور اُسے ایسے کرنا چاہیئے تھا۔ معاذ اللہ!

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر امام حسینؑ مکہ کو نہ چھوڑتے تو کیا یزیدؑ انہیں چین و آرام کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دیتا۔ جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ قتلِ امامؑ کے بعد بھی یزیدؑ نے وحشت و سربسبت کی انتہا کو دی۔ مدینہ منورہ کی حرمت کو ٹوٹ کر مکہ معظمہ کی جے حرمتی کی پھر حجاجؑ نے بن زبیرؑ کو حرم محترم میں شہید کر دیا۔ غور تو کیجئے اگر حسینؑ بھی اسی طرح شہید کئے جاتے تو اس بے بسی کی صورت کا اثر کس رنگ میں ظاہر ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظلم و استبداد کا مقابلہ امامؑ عالی مقام کو حجرہ فاطمہؑ سے باہر آکر ہی کرنا تھا۔ بہر حال ہمیں اس حقہ کو بحث و تمحیص سے بالکل پاک رکھنا ہے۔

احباب کی آمد

امامؑ عالی مقام بالکل تیار کھڑے ہیں۔ محبانِ کرام ہیں کہ جوق در جوق چلے آرہے ہیں۔ سبھی لوگ انتہائی بے بسی کے عالم میں شہزادہؑ کو بن کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ آنکھوں سے اشک جاری ہیں اور دل حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ دلوں کی دنیا بھی عجیب ہے۔ کسی سے گہرا ربط و تعلق ہو تو اس کے متعلق یہ سب کچھ بتا دیتے ہیں۔ اہلِ محبت کے دل شہادت دے رہے تھے کہ شہزادہؑ بتولؑ، نواسہ رسولؐ کی آخری زیارت ہے۔ اور متعدد حضرات دل کی یہ بات زبان پر بھجے آئے اور یوں فریاد کرتے ہیں:-

سب نے عرض کی شہزادہؑ حیدر! نہ جا
اے حسینؑ ابنِ علی سبطِ پیغمبر! نہ جا
مدے پہنچے ہیں وہاں حیدر کو! حسنؑ کو! کیا کیا
جانا کو فے کا تو ہرگز نہیں بہتر! نہ جا!
دوڑے انور ہے تیرا آئینہ! اندھے ہیں وہ
لے کے اندھوں میں یہ آئینہ سکندر! نہ جا
سنگِ باران سے بچا جامِ بلوریں اپنا
ایسے لوگوں میں جو پتھر سے ہیں بدتر! نہ جا
گلِ شادابِ نبیؐ اپنے چمن سے نہ نکل!
نازنین پھول ہے تو! کانٹوں کے اندر! نہ جا

(بتبدل)

حضرت عبداللہ ابن عمر آگے بڑھتے ہیں۔ آپ کی پیشانی کو چھتے ہیں، پیشانی انور کو بوسہ دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: "اے مملکتِ حق و صداقت کے تاجدار، اے نوجوانانِ جنت کے سردار، اے شہیدانِ محبت کے قافلہ کے سالار! میں آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ حالانکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ یقیناً شہید کر دیئے جائیں گے۔"

ابو سعید خدری نے گزارش کی کہ آپ تشریف نہ لے جائیں۔ ابو واقد نے منت سماجت کی۔ رزکا، حضرت عبداللہ ابن عباس نے رر رو کر فریاد کی کہ شہزادہ رسول ابھی فرمائیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ اب کوفہ کا گورنر نرحمان بن بشیر بھیج دیا ہے۔ وہ براشتقی اور بد بخت انسان ہے۔ آپ لوگ ابن زیاد کو وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ کو ضرور ہی جانا ہے تو آپ مین تشریف لے جائیں۔

ماہوں آپ میرے سچے ہمدرد ہیں۔ آپ کی ہر بات دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ میں آپ کی نصیحت اور شفقت کا شکر گزار ہوں لیکن میں تو عزمِ مصمم کر چکا ہوں میں کس طرح رُک سکتا ہوں۔ حقیق کا مصمم ارادہ کس طرح تبدیل ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس نے یہ غیر متزلزل کلمات سُنے تو رو کر عرض کیا۔ اے شہزادہ رسول! اگر آپ کا جانا اتنا ہی ضروری ہے تو بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے۔ اہل بیت کرام کو تو مکہ معظمہ میں چھوڑ جائیں۔ مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ کیسے منظور فرماتے ان سب کا جانا تو اتنا ہی ضروری تھا جس قدر آپ کا اپنا جانا۔ آپ نے اپنے سچے ہی خواہوں اور سچے ہمدردوں سے فرمایا کہ میں آپ سب کا شکر گزار ہوں۔ مگر میرا اب رُک جانا امرِ محال ہے۔ مشیتِ خداوندی یہی ہے کہ میں مکہ معظمہ کو چھوڑ دوں۔ مجھے جانے دو۔ مجھے میرا فرض پکار رہا ہے۔

اے میرے غمگسارو، مہربانو مجھ کو جانے دو مجھے نانا، کے دیں کی دد بتی کشتی بچانے دو کسی کے روکنے سے ابن جبر رُک نہیں سکتا

مجھے نانا کے حکم خاص کی تعمیل کرنے دو
 منیٰ کے فرض کی جا کر مجھے تکمیل کرنے دو
 یہ دنیا کچھ نہیں اک صورتِ موم ہے سب کچھ
 مجھے تم کیا بتاتے ہو مجھے معلوم ہے سب کچھ
 (صائمِ چشتی)

آپ کے ارشاداتِ عالیہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ صدائے الفراق
 تھی، محتبانِ اہل بیت کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ صدائے سرورِ شِ آئی۔ اے مکہ والو
 اے دُورِ دُراز سے آنے والے حاجیو! محمدِ عربی کے چاند کی آخری زیارت کر لو۔ فاطمہ کے
 لال کا آخری دیدار کر لو۔ آج کے بعد اسن پیکر نور اور شہیمہ مصطفیٰ کو نہیں دیکھ سکو گے۔
 حسینؑ نے حرمِ محترم کی طرف نگاہیں اٹھا کر فرمایا۔ اے جلوہ گاہِ ربِّ جلیل! اے تصویرِ ذوقِ
 ذبیح و خلیل! حسینؑ تیری عظمتوں کو سلام پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تیری حرمت کی حفاظت فرمائے
 تیرا وجود خطا کاروں اور گنہگاروں کے لئے چشمِ رحمت ہے۔ تُو سراپا برکت ہی برکت ہے
 تیری زیارت سے گناہوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تیری حرمت کو بچانے کے لئے نانا جان تجھے
 چھوڑ کر مدنیہ چلے گئے تھے۔ آج تیری حرمت کو بچانے کے لئے حسینؑ کربلا کو جا رہا ہے۔
 اے کعبہ کی دیوارِ تم سلامت رہو اور خوش نصیب تم سے چمٹ چمٹ کر اپنے گناہوں کی معافی
 مانگتے رہیں۔ حجرا سود تم بھی سلامت رہو تمہیں میرے نانا نے چوما ہے تم بہت خوش نصیب ہو
 تمہیں لوگ قیامت تک چومتے رہیں گے۔ میری طرف دیکھو۔ میں بھی بوسہ گاہِ رسول ہوں لیکن تمہیں
 چومنے والوں میں سے ہی کچھ لوگ میری گردن پر تلوار چلا دیں گے۔ یہ اپنا اپنا مقام ہے۔
 امامِ عالی مقام کی رقتِ انگیز گفتگو سے کعبۃ اللہ کی دیواروں کو لرزہ آ جاتا ہے۔

فضاؤں میں یکایک ایک درد افزا صدا گونجی
 ہوئی گم مرکزِ اسلام سے اسلام کی پونجی
 چلے ہیں کربلا کو، کربلا کے، کعبہ کے، والی
 خدا کا گھر، بنی زادوں سے گویا ہو گیا خالی

اُس نے کوفہ سے قادسیہ اور قادسیہ سے خفان اور خفان سے قطقطانہ اور وہاں سے کوفہ لعل تک گھوڑ سوار دستے متعین کر رکھے تھے۔

امام عالی مقام کے سامنے تو راستے کا ایک دوسرا نقشہ تھا جو ناناھنور نے خوابوں میں دکھا رکھا تھا۔ آپ راستوں کو بدل بدل کر چلتے رہے۔

زہیر بن قین کی ملاقات

زہیر بن قین بجلی جج کر کے واپس آرہے تھے چونکہ اُن کے قافلہ میں بچے نہیں تھے صرف چند عورتیں تھیں۔ اس لئے اُن کا قافلہ امام عالی مقام سے چار روز بعد مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بھی آپ تک پہنچ گیا۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سیاسی طو پر کچھ کدودت رکھتے تھے اس لئے جب امام کے قافلہ کو ملے تو سارا دن تو اُن کے ساتھ سفر جاری رکھتے اور رات کو فدا دور اپنے خیمے لگا دیتے۔

ایک رات امام عالی مقام نے انہیں پیغام بھیجا کہ ہمیں اگر ملو۔ آئے تو سہی لیکن جیسے کسی نے زبردستی دھکیل کر بھیجا ہو۔ بڑی بیزاری اور کراہت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ شہزادہ مصطفیٰ نے خصوصی نگاہوں سے دیکھا اور نہ جانے کیا بات کہی کہ زہیر سب کچھ بھول کر دل دے بیٹھے شمشیر نگاہ حسینؑ دل پر چل گئی۔ قدم چوم کر اجازت حاصل کر کے اپنے ساتھیوں میں آکر فرمایا۔

میں تو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا رہا ہوں اور اب وہیں رہوں گا۔ اگر میرے ساتھ کوئی رہنا چاہتا ہے تو آجائے ورنہ تمہیں اپنی مرضی کرنے کا پورا پورا حق ہے۔ اور میں امام حسینؑ کے ساتھ اس لئے رہنا چاہتا ہوں کہ ایک شہر متجزیر ہم نے بہا دیا۔ شہر فتح ہو گیا اور ہمیں بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ ہم لوگ بڑی خوشی سے مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ ہم کو مخاطب کر کے حضرت سلمانؑ فارسی نے فرمایا۔ کہ اگر تم نواسۂ رسول، جگر گوشہ قبول امام حسینؑ علیہ السلام کو اس حال میں پاؤ کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں تو ان کے ساتھ مل کر اس مال غنیمت سے زیادہ خوش ہونا۔ اب وہ وقت آگیا کہ میں تم سب کو خدا کے سامنے کھڑا کر دوں گا۔

حکون نے بتایا کہ جناب اب بیماری سے تو بالکل صحتیاب ہو چکی ہیں لیکن آپ سب کو اس

شدت سے یاد کرتی ہیں کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ دن رات آپ ہی کی گفتگو کرتی رہتی ہیں۔ کبھی بھائی جان علی اکبر کی باتیں، کبھی ننھے علی اصغر کی باتیں، کبھی اپنی امی کی باتیں اور کبھی ہماری امی کی باتیں۔ آپ کا ذکر تو بار بار کرتی رہتی ہیں۔ ہم جب تک معطرہ کو آنے لگے ہمارے گلے لگ لگ کر روتی تھیں آپ کو بہت بہت سلام کہتی ہیں۔ کہہ رہی تھیں ہمارا سلام بھول نہ جانا بھائی جان! علی اکبر کے نام پیغام دیا تھا کہ آپ کا وعدہ کدھر گیا۔ اب مجھے لینے آؤ گے تو صغریٰ کی قبر سے ملاقات ہوگی آپ کے نام رو رو کر پیغام دے رہی تھیں کہ بابا جان میرے حصے کا پیار بھی سکیںہ سے ہی کر لینا۔ میں آپ کی کیا لگتی ہوں۔ پھر کہتی تھیں میں سکیںہ سے جلتی نہیں وہ تو میری جان ہے۔ اُسے بہت بہت سلام کہنا۔ ننھے علی اصغر کو میری طرف سے گود میں بیکر سینے سے چٹا چٹا کر پیار کرنا۔ امام عالی مقام نے آہ سرد کھینچی اور خط پڑھنا شروع کر دیا لکھا تھا۔

منجانب عبداللہ بن جعفر بنام نواسہ رسول امام حسینؑ۔ بعد از حمد و صلوات آپ کو اور تمام اہل بیت کو سلام قبول ہو۔

آتا بعد، معروض ہوں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے کوفہ جانے کی مکمل تیاری کر لی ہے میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس عزم و ارادہ کو ملتوی فرمادیں۔ کیونکہ یہ مصیبت اور بلاؤں کا راستہ ہے۔ اگر آپ کو معاذ اللہ قتل کر دیا گیا تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔

اس وقت آپ ہی تو منبع ہدایت اور اہل ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ میں نے عامل مدینہ سعید بن عمرو بن العاص سے آپ کیلئے امان حاصل کر لی ہے۔ میں جلد حاضر ہو کر اس سے تحریری امان نامہ حاصل کروں گا۔ اس لئے آپ میرا انتظار کریں۔ میں بہت جلد حاضر خدمت ہو رہا ہوں۔

والسلام مع الخیر

امام عالی مقام نے خط بند کیا، مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے دل ہی دل میں نانا جان اور

اماں جان کو سلام کہا۔ صغریٰ کی یاد میں اٹھنے والے طوفانوں کو دبایا اور وہیں پر سے جھون
کے قبرستان جنت المعلیٰ کی طرف منہ کر کے بابا عبدالمطلب کو سلام عرض کیا، دادا ابو طالب کو سلام
کہا اور پھر محترمہ نانی جان سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے حضور میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں۔

السلام اے راحت جان رسول
السلام اے راز دار مصطفیٰ

السلام اے ملکہ ملک جناب

السلام اے زوجہ خیرالانام

السلام اے پیکر شرم و حیا

السلام اے جاں نثار مصطفیٰ

اے رفیق و مولیٰ ختم الرسل

اے حبیبہ! حبیب کبریا

اے مری امی کی امی نور عین

جارہا ہے دود قدموں سے سین

(تمام چشتی)

مخدومہ کائنات، ملکہ فردوس بریں، محبوبہ محبوب خدا، طیبہ طاہرہ، مقدسہ

معظمہ، محترمہ، مکرمہ، سیدہ خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے حضور میں الوداعی سلام عرض
کرنے کے بعد امام عالی مقام آغاز سفر فرمادیتے ہیں۔

آغاز سفر

شہیدان وفا کا امام، حق و صداقت کے قافلے کا امیر جانی پہچانی منزل کی طرف
جارہا ہے۔ راستے میں ایک شخص بلا۔ اُس نے عرض کیا۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں
آپ لوٹ جائیے، گویوں پر بھروسہ نہ کیجئے۔

امام عالی مقام نے شفقت سے اُس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

”جو کچھ کہتے ہو ہم بھی جانتے ہیں۔ لیکن خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جاسکتا۔

عرب کا مشہور شاعر فرزدق حج کے لئے آ رہا تھا۔ اہل بیت کے قافلے کو دیکھ کر رک گیا

امام کے قدموں کو چوم کر عرض کیا۔

شہزادہ عالم! کاش آپ کو فیوں پر بھروسہ نہ کرتے۔ حضور والا! وہ بڑے بے وفا ہیں۔ اُن کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں حکومت کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ فرزدوق! تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرے مقاصد بہت بلند ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر خط لکھ کر خود بھی اس خیال سے لگے کہ شاید امام خط کو لائق التفات نہ سمجھیں۔ راستے میں ہی آپ کی مکتبہ سے روانگی کی اطلاع مل گئی۔ راستہ بدل کر آپ تک پہنچ گئے۔ بڑی منت سماجت کی کہ آپ واپس مکتبہ تشریف لے چلیں۔ میں وہاں چل کر حاکم مکتبہ سے تحریری امان نامہ حاصل کر کے آپ کو دے دوں گا۔

آپ نے فرمایا! بھائی جان! میں آپ کے مخلصانہ مشوروں کا نہایت مشکوہ ہوں۔ لیکن میں واپس نہیں جاسکتا۔

”مجھے نانا جان نے خواب میں ایک حکم دیا ہے۔ میں اُسے بہر صورت پورا کروں گا خواہ اُس کا نتیجہ میرے حق میں نکلے یا میرے خلاف جائے۔“

مابوس ہو کر حضرت عبداللہ اپنے بچوں عون و محمد کو آپ کے ساتھ رہنے کا حکم دیکر واپس آ گئے۔ کربلا کے مسافر جارہے ہیں۔ امام عالی مقام کا نانا جان سے مکمل رابطہ ہے۔ گنبد خضریٰ کے مین نور سے کی ہر مقام پر پوری پوری رہنمائی فرارہے ہیں۔ قافلہ آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

راستوں کی ناکہ بندی

حاکم مکتبہ سعید بن عمر بن العاص نے اگرچہ مکتبہ معظمہ میں رہائش کے دوران امام عالی مقام سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ لیکن آپ کے روانہ ہوتے ہی اُس نے ہر طرف سے ناکہ بندی کر دی۔ یزید کا بھی یہی حکم تھا کہ ابن علی کو کوفہ جانے سے ہر قیمت پر روکا جائے۔

ایک روایت کے مطابق حاکم مکتبہ سعید نے اپنے بھائی کی کمان میں چند دستے سپاہیوں کے بھی روانہ کئے۔ جنہوں نے امام عالی مقام کو سفر جاری رکھنے سے منع کیا اور دھمکی بھی دی۔ جب امام عالی مقام نے انکار فرمایا تو انہوں نے تلواریں نکال لیں۔ لیکن کربلا معلیٰ میں پہنچنے سے آپ کو کون روک سکتا تھا۔ شہسواران حسین کی تلواریں چمکیں تو وہ لوگ جلد ہی شکست اٹھا کر بھاگ گئے دوسری طرف ابن زیاد نے بھی تمام شاہراہوں پر ناکہ بندی کروا رکھی تھی۔

درو دیوارِ کعبہ نے لباسِ ماتمی پہنا
 عروسِ گل نے پھولوں کا اُتارِ جسم سے گہنا
 جگر پر فرطِ غم سے ”سنگِ اسود“ نے رکھا پتھر
 صفا مروہ کو چکر آگیا کھانے لگیں حیر
 بنی شکلِ حطیم دل شکستہ، صورتِ ماتم
 بشکلِ چشمِ نم تھا اشکِ افشاں چشمہٴ زمزم
 مثالِ اشکِ غم دریا ہے میرابِ رحمت سے
 ہر راکِ سجدے نے سر ٹکرایا محرابِ عبادت سے
 خدا کی راہ میں گھر سے خدا کا مہاں نکلا
 شہیدانِ محبت کا امیر کارواں نکلا! (حسن رضا) معمولی قیصر نے

امامِ عالی مقام کی روانگی کی اطلاع اطراف و جوانب میں تیزی سے پھیل گئی۔ حضرت
 محمد بن حنفیہ کو جب اطلاع ملا تو آپ اُس وقت طشت میں وضو فرما رہے تھے۔ فرطِ غم سے
 بیتاب ہو کر رونے لگے۔ وضو کرنا بھی یاد نہ رہا۔ اور اس قدر روئے کہ وہ طشتِ آپ
 سے آنسوؤں سے بھر گیا۔ آپ روتے رہے اور آنکھیں وضو کرتی رہیں۔

عبداللہ بن جعفر کا خط

اسی دوران میں مدینہ منورہ سے ایک قافلہ آیا۔ قافلہ کے ساتھ دو بچے تھے۔
 مکہ معظمہ پہنچ کر وہ قافلے سے الگ ہو گئے اور سیدھے امامِ عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے
 یہ بچے سیدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کے جگر کے ٹکڑے حضرت عون اور حضرت محمد تھے۔
 ماموں جان کے حضور میں حاضر ہو کر ادب سے سلام عرض کیا۔ امامِ عالی مقام نے انتہائی شفقت و
 محبت فرماتے ہوئے مجاہدوں کو سینے سے لگالیا۔ اور آنے کا سبب پوچھا۔
 بچوں نے عرض کیا۔ آپ کے نام باپ کا خط لے کر آئے ہیں۔ اور ادب سے
 خط پیش کر دیا۔

آپ نے خط کھولتے ہوئے پوچھا۔ کہ صغریٰ کی طبیعت کیسے ہے؟ ہمیں ماؤ تو بہت

سپہراپنی بیوی سے فرمایا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ تاکہ تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ اٹھانا پڑے۔

یہ نگاہِ شبیری کا تصرف تھا، یہ حسینیٰ توجہ کا کمال تھا کہ اپنے باپ سے کدورت رکھنے والے کا دل اس طرح جیت لیا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی محبت کو بھی قربان کر کے آپ کے ساتھ ہو لیا۔

آپ آئندہ اوراق میں زہیلو کی بہادری کے کارنامے پڑھ کر انگشت بدندان رہ جائیں گے۔

اے ایک روایت میں ہے کہ زہیر کی بیوی نے طلاق نہ لی تھی بلکہ اولادِ فاطمہؑ کی کنیز بن کر ساتھ ہی رہی تھی۔

قاصد حسین کو فہر

امام عالی مقام نے حضرت قیس بن مسہر کو امام مسلم کے نام ایک خط لے کر بھیج دیا اور
 کر دیا کہ تم تیز تیز چلتے ہوئے ہماری آمد کی اطلاع کو فہر میں کر دو۔ قاصد خوش خرام امام عالی مقام
 کے قدم چوم کر سواری کو دوڑاتا ہوا اور سفر کو قطع کرتا ہوا جب قاصد سیر میں پہنچتا ہے تو
 ابن زیاد کے سپاہیوں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ ان واقعات کے پڑھنے سے یوں معلوم
 ہوتا ہے جیسے یزید اور ابن زیاد نے امام عالی مقام کو گرفتار کرنے کے لئے
 جاسوسوں کا جال پھیل رکھا ہو۔

بہر حال قاصد حسین کو گرفتار کر کے ابن زیاد لعنتی کے دربار میں پیش کر دیا گیا۔
 ابن زیاد ملعون نے امام عالی مقام کا خط اُس سے لے لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر پھینک دیا
 اور پھر قاصد امام حضرت قیس بن مسہر کو مخاطب کر کے کہا کہ حسین کو فہر کی حکومت کے خواب دیکھ
 رہا ہے حالانکہ اُسے معلوم نہیں کہ کو فہر میں اُس کا اور اُس کے ساتھیوں کا قبرستان بنے گا۔
 قیس بن مسہر :- ابن زیاد! تمہیں نواسہ رسول کا ذکر کرتے ہوئے احتیاط
 کرنا چاہیے۔

ابن زیاد :- خاموش رہو! اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر حکومت
 کے باغی حسین کو ————— اس قدر ست و شتم کرو کہ مجھے یقین ہو جائے
 کہ اب تم کبھی اُس کا ساتھ نہیں دو گے

قیس بن مسہر نے جب اُس کی جگہ اُس سنی تو غصہ سے کانپنے لگے لیکن ضبط کیا۔ اور
 چھت پر چڑھ گئے۔ چھت پر جا کر پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر امام الانبیاء علیہ السلام
 و سلم کی ثنا و فضیلت بیان کی اور پھر فرمایا۔

اے کو فہر کے لوگو! امام حسین اس وقت تمام جہان سے افضل ہیں۔ وہ رسول کریم
 کے نواسے اور اُن کی تقدس مآب صاحبزادی سیدہ فاطمہ الزہرا کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ ان
 نو خدا کے مقدس رسول نے جنت کے حوالوں کے سردار فرمایا ہے۔ انہی خوشبو فرمایا ہے۔

آسمانوں کا گوشوارہ فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہے۔ حسین تمہارے امام مولا علی کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ ان کی اطاعت کرو، ان کا حکم مانو، ان کا ساتھ دو۔ ان کی بیعت کرو اور ان کو اپنا امام بناؤ۔ میں ان کا قاصد ہوں۔ اور میں ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجتا ہوں۔ یہ اور نیکو خدا و رسول کے باغی ہیں۔

ابن زیاد نے چھت پر چڑھایا تھا کہ یہ حسین کو گالیاں دے گا لیکن وہ خاندان نبوت کا شہیدائی اور شمع اہل بیت کا پروانہ اٹھا اسی پر برس پڑا۔ یہی تو مقصد حسین تھا کہ جابر حاکم کے سامنے علی الاعلان کلمہ حق کہہ دو۔ صبر جانتے تو جلتے مگر تقیہ باری نہ کرو۔ حب دار حسین کے یہ جھلے سن کہ ابن زیاد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے چھت سے نیچے گرا دو۔ کوئی دیکھتے رہے مگر ان کے سینوں میں حرارت پیدا نہ ہوئی۔

جناب قیس بن مسہر نے سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو مکہ معظمہ کے راستے پر نظریں جما کر عرض کیا۔ اے شہزادہ کوفہ، اے جگر گوشہ رسول، اے جگر پارہ قبول، اے امام برحق امام حسین! آپ کی محبت اور آپ کی تربیت کا تقاضا یہی تھا جسے میں نے پورا کر دیا۔ میں نے آپ کے غضب العین کو سامنے رکھتے ہوئے کلمہ حق کہہ دیا ہے جس کے بدلہ میں قتل کیا جا رہا ہوں۔ میرے آقا غدا کی یہ قربانی قبول ہو۔ مجھے یہ سزا آپ سے محبت کرنے کے حرم میں مل رہی ہے۔ آپ بھی تو التفات فرما کر اپنے دیوانے کا انداز محبت ملاحظہ فرمائیں۔

بحریم عشق تو ام می کشند غوغا نست
تو نیز سربام آ کہ خوش تماشا نست

ابن زیاد جلد کے سچا ہی آتے ہیں اور پروانہ شمع حسنینت کو دھکا دے کر نیچے گرا دیتے ہیں۔ نیچے شہادت باہمی بخود نے کھڑی تھی۔ آپ کیسے اندر بدیہیات کے مالک بن گئے۔ انا لله وانا اليه راجعون

کوفہ کی خبریں آجاتی ہیں

امام عالی مقام کا قافلہ مقام ثعلبہ پہنچ جاتا ہے۔ محمد بن اشعث کو تو ال کوفہ نے حضرت مسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔ اُس کا بھیجا ہوا آدمی کوفہ کے حالات بتانے کے لئے امام عالی مقام کے دربار میں حاضر ہوا اور کوفہ میں ہونیوالے تمام حالات پیش کر دیئے۔ امام عالی مقام نے حضرت ہانی بن عروہ اور حضرت امام مسلم کی شہادت کی جانکاه خبر سنی تو بے ساختہ رونے لگے۔

آپ نے تمام ساتھیوں کو بلایا اور تمام حالات سے آگاہ کیا۔ ساتھیوں نے سنا تو ٹرپ کر رہ گئے۔ حضرت مسلم کے صاحبزادوں کی موت کی خبر نے سینوں پر چھریاں چلا دیں۔ ہر فرد غم و اندوہ کی تصویر بن گیا۔ امام نے ہمراہیوں کو فرمایا کہ آپ لوگوں نے کوفہ کے حالات سُن لئے۔ وہاں ہمارا استقبال تلواروں سے ہوگا۔ مہربان کے نعروں کی بجائے تیروں کی بارش کی جائے گی۔

اب اگر آپ لوگ واپس جانا چاہیں تو ہماری طرف سے پوری پوری اجازت ہے۔ کچھ لوگ ابھی کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت مسلم کے حقیقی بھائی محمد بن عقیل اور حضرت عبدالرحمن ابن عقیل نے بیک زبان عرض کیا کہ ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے بلکہ اور تیزی سے آگے بڑھتے رہیں گے یا امام! ہم اپنے شہید بھائی اور بھتیجوں کا انتقام ضرور لیں گے خواہ ہمیں خود قربان ہونا پڑے امام عالی مقام نے دوسرے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ سب نے اس حق میں اظہارِ رضا مندی کیا۔

یہ مشورہ امام عالی مقام نے اپنے خاندان کے افراد سے کیا تھا۔ آپ نے آئندہ پیش آنے والے حادثات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ سب لوگ پھر ایک بار سوچ لیں۔ انجام کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں۔ لیکن خاندانِ اہل بیت کے تمام افراد نے یہی فیصلہ دیا کہ حضرت مسلم کا انتقام ہر قیمت پر لیا جائے گا۔ قدرت کو حضرت حسین علیہ السلام سے جو خاص کام لینا تھا اُس کیلئے ضروری تھا کہ آپ کا دامن کہیں بھی داغدار نہ ہو۔ آپ کو موقعہ دیا گیا کہ ساتھیوں کی مکمل رضا مندی حاصل کر لیں۔

مسلم کی بیٹی

اس دردناک خبر کو عورتوں سے کب تک چھپایا جاسکتا تھا۔ آپ خیموں کے اندر تشریف لے گئے تو سامنے حضرت مسلم کی صاحبزادی پر نظر پڑی۔ بچی کو دیکھتے ہی جذبہ رحم سے آپ کا دل بھر آیا۔ یہ بچی دونوں صاحبزادوں سے بڑی تھی۔ آپ آگے بڑھے اور بچی کے سر پر دستِ شفقت رکھ دیا اور ساتھ ہی آپ زار و قطار رونے لگے۔ بچی حیران ہو گئی۔ سراپا التجا بن کر عرض کیا۔ بابا جان کیا بات ہے! اس سے پہلے تو آپ نے مجھے دیکھ کر کبھی ایسا نہیں کیا۔ خیر تو ہے بابا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں۔ میرے ابا جان تو ٹھیک ہیں بابا! میرے بھائی محمد اور ابراہیم تو خیریت سے ہیں۔

معصوم بچی کا سوال تھا یا درد کی تلوار۔ امام عالی مقام کا تو دل جبر گیا۔ کیا جواب دیتے اُس یتیم و بے نوا کو۔ جس کی مال پہلے ہی وفات پا چکی ہیں اب باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا دو چھوٹے چھوٹے مال جلے تھے وہ بھی بچھڑ گئے کس دل سے امام یہ خبر سناتے۔ آپ روتے رہے۔ بچہ نے بھی آپ کی طرف دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ باقی سید زادیاں بھی جمع ہو گئیں۔ حیرانی کی تصویر بن کر سب نے پوچھا حضور خیریت تو ہے آپ روتے کیوں ہیں؟ امام عالی مقام نے آنسوؤں سے بریز آنکھوں کو اُدپڑا تھلایا اور درمیں ڈوبی ہوئی آواز سے حضرت مسلم اور اُس کے معصوم شہزادوں کی دردناک شہادت کی خبر سنائی۔

یہ خبر تھی یا بجلی جو دلوں پر گری اور سب کو تڑپا کر رکھ دیا۔ پھر کون کم روتا۔ آنسوؤں کے دھارے بہہ رہے تھے۔ خیموں میں کُہرام مچ گیا۔ کسی کو تسلی دینے کا بھی ہوش نہ تھا۔۔۔۔۔ سب روٹے جا رہے تھے۔ امام عالی مقام نے جی کڑا کر کے فرمایا۔ صبر کرو اے نامور محمد صبر کرو! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ابھی تو ابتدا ہوئی ہے۔ خدا جانے ابھی تمہیں کیا کیا مصیبتیں دیکھنا ہیں۔

گوفے والے بدل چکے ہیں اس لئے تم سب میرے امتحان میں شریک ہونے کے لئے دلوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ ہم بھی اپنے بھائی مسلم سے جلد ملاقات کرنے

یہ نصیحت کر کے آپ روتے ہوئے دل کے ساتھ خیموں سے باہر تشریف لے آئے اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جو حج کی واپسی کے بعد آپ سے ملتے رہے تھے۔ ان سے آپ نے فرمایا کہ اب کوفہ میں ہمارا استقبال تلواروں سے ہوگا۔ میرے چچا زاد بھائی مسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس لئے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ۔ میرے ساتھ رہنا ہے تو مصیبتیں اٹھانا پڑیں گی۔ دکھ بھیلنا پڑیں گے۔ بھوک اور پیاس برداشت کرنا پڑے گی اور جانیں بھی دینا پڑیں گی۔

بدوؤں کے قافلے تو اس لئے امام کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ کوفہ میں شاندار استقبال کرنا ہوگا۔ وسیع پیمانے پر دعوتیں ہوں گی۔ اب امام کی تقریر سے کوفہ کے حالات کا پتہ چلا تو جان کے لالے پڑ گئے۔ خاموشی سے اُٹھے، خیمے اکھاڑے، اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھے اور یوں بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

بس امام عالی مقام کے وہی ساتھی رہ گئے جو مکہ معظمہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے یا پھر زہیر بن قین بجلی تھے۔ اور یہ لوگ ایسے تھے جنہیں اپنی جانوں سے امام کا حکم زیادہ قیمتی تھا۔

حر سے ملاقات

آج کی شب نہایت بے قراری سے گزری۔ حضرت مسلم اور اُس کے شہزادوں کی موت نے بڑا گہرا اثر کیا تھا۔ اب تصورات کی دنیا میں انقلابِ عظیم آچکا تھا۔ امام عالی مقام نویلے ہی جلتے تھے۔ اب ہر شخص نئے انداز سے سوچ رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی شہزادہ رسول کا قافلہ نور آگے بڑھتا ہے۔ دوپہر کے وقت موضع شراف سے کچھ دور آگے نکل جاتے ہیں۔ سامنے کی طرف دیکھ کر ایک شخص نے کہا اَللّٰهُ اَکْبَر وہ سامنے شاید کھجوروں کے درخت نظر آتے ہیں۔ وہاں ساتے میں مقوری دیر آرام کریں گے۔

قبیلہ بنی اسد کے دو شخصوں نے بتایا کہ اس مقام پر کھجوروں کا کوئی درخت نہیں ممکن ہے کچھ سوار ہوں۔ امام عالی مقام نے دیکھ کر فرمایا تمہیں بھی سوار ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیا تمہیں کوئی ایسی جگہ معلوم ہے جو پشت پر محبس سے فائدہ اٹھا کر ہم ان سے مقابلہ کر سکیں۔ انہوں نے عرض کیا کوہِ ذو حشم ہے۔ اگر آپ جلدی کریں اور ان سواروں سے پہلے اُس پر قبضہ کر لیں تو بہت بہتر ہوگا۔ وہاں پر پانی کا چشمہ بھی موجود ہے۔

شہزادہ کوہن نے سواروں کو تیز کر دیا اور کوہِ ذو حشم کے دامن میں قافلہ اتار دیا اب ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی آپ کے قبضہ میں تھا اور جنگی اعتبار سے بھی آپ کا مورچہ مضبوط تھا۔ چند گھڑیوں کے بعد آپ کے سامنے ایک ہزار سپاہیوں کی فوج ڈیرا ڈال رہی تھی۔ اس فوج کا سپہ سالار حُر تھا۔ وہ اکیلا آگے بڑھا اور امام عالی مقام سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا آ جاؤ۔

حُر حاضر ہوا اور قدم بوسی کر کے مؤدب کھڑا ہو گیا۔

امام عالی مقام نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے اُس نے عرض کیا حُر بن یزید ریاحی۔ پوچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا، آیا نہیں بھیجا گیا ہوں۔ پوچھا کس نے بھیجا ہے؟ عرض کیا ابن زیاد نے بھیجا ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے کوہِ لے جاؤں۔

نمازِ ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ ہانی کے چشمہ پر امام عالی مقام کا قبضہ تھا۔ کوئی اور

نے فرمایا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ چشمہ سے خود بھی پانی پیا اور اپنے جاتوروں کو پانی پلاؤ اور وضو کر کے نماز کی تیاری کرو۔ دونوں جانب کے لوگوں نے وضو کر لئے۔ شہزادہ کوئین کے شہزادے شبیبہ مصطفیٰ حضرت علی اکبر نے اذان کہی۔ نماز کی تیاری ہونے لگی۔ امام عالی مقام نے حشر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اپنے ساتھیوں کے امام تم بنو گے یا ہمارے پیچھے نماز پڑھو گے؟

حشر نے عرض کی یا امام! آپ کے ہوتے ہوئے میں نماز کیسے پڑھا سکتا ہوں۔ آپ پیشوائے عالم اور امام جہان ہیں۔ امام برحق کے ہوتے ہوئے میں نماز کیسے پڑھا سکتا ہوں میں آپ کی اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔

امام عالی مقام کی اقتدا میں حشر اور اُس کے سارے لشکر نے نماز ادا کی۔ بعد از نماز امام عالی مقام نے فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ اے لوگو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور تمہارے لئے کیا ہی اچھا ہے اگر تم ہمارا حق پہچانو۔ اور یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی اسی میں ہے کہ تم اہل بیت رسول کو ان ظالموں کے مقابلہ میں اولی الامر کے زیادہ مستحق سمجھو۔

اور اگر یہ سعادت تمہارے نصیب میں نہیں اور تم یہ ید کے مقابلہ میں ہمیں ناپسند کرتے ہو تو ہمیں واپس جانے دو۔

اس لئے کہ ہم خود نہیں آئے بلکہ تمہارے بلانے پر آئے ہیں۔ تم نے ہمیں خطوں پر خط لکھے کہ ہم بے امام ہیں ہماری دستگیری کیجئے۔

حشر نے عرض کی کہ مجھے ان خطوط کے بارے میں کوئی علم نہیں اور نہ ہی میں نے کوئی خط لکھا ہے۔ امام عالی مقام نے ساتھیوں کو فرمایا کہ کوفیوں کے خط لاؤ اور پھر دخر جیاں خطوط سے بھری ہوئی الٹ دی گئیں۔ خطوں کا ڈھیر لگ گیا اور حشر کی آنکھیں ایک لمحہ کے لئے نہامت سے جھپک گئیں۔ یہ نہامت کوفہ والوں کی طرف سے تھی۔ وہ نہ حشر نے تو امام کو کوئی خط لکھا ہی نہ تھا اور نہ ہی کسی خط پر اسکے دستخط موجود تھے۔ البتہ اُس کے لشکر میں چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے خطوں پر دستخط کئے تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ پر شرم سے گردنیں نیچے کئے ہوئے تھے۔ حشر نے چند لمحے جبران رہنے کے بعد کہا کہ ان خطوط کی ذمہ داری مجھ پر ہرگز عائد

میں نے خط لانے والے کا نام عقبہ بن سمان تھا

نہیں ہوتی۔ مجھے جو حکومت کی طرف سے کہا گیا ہے وہ کرنے پر مجبور ہوں۔ مجھے ہر قیمت پر آپ کو حراست میں لیکر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنا ہے۔

آپ نے فرمایا: حُریری موت نزدیک ہے اور یہ ارادہ دود۔ ہم ہرگز تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تیاری کرو ہم واپس چلتے ہیں۔

حُر نے کہا کہ میں آپ کو واپس بھی نہیں جانے دوں گا۔ امام عالی مقام نے فرمایا، تجھے تیری ماں روئے تو کیا چاہتا ہے؟

حُر نے عرض کی یا امام سنیے! اگر یہ جملہ مجھے عرب میں کوئی دوسرا کہتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا تو میں جواباً ضرور کہتا۔ مگر خدا کی قسم آپ تو اس عظیم اور بزرگ ماں کے بیٹے ہیں جس کا نام پاک تو ہیں ایسے مقام پر لے ہی نہیں سکتا۔

امام نے فرمایا۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟

عرض کی کہ میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔

امام نے فرمایا: خدا کی قسم میں تیرے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔

حُر نے کہا۔ خدا کی قسم: میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے حُر کی یہ قسم دوسری طرح پوری کر دی اور امام عالی مقام کا دامن آخری

سانس تک نہ چھوڑ سکا۔

قسم تو کھالی مگر فوراً ہی ذہن کو ڈٹ لے گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ دل میں محبت اہل بیت کی شمعیں روشن ہو گئیں عشقِ مصطفیٰ نے سینے میں انگرائی لی تو دنیا ہی بدل گئی۔ چند لمحے کچھ سوچا اور پھر سراپا التجا بن کر گزارش کی۔

اے شہزادہ رسول! میرے ذہن میں ایک تجویز ہے اگر آپ اتفاق فرمائیں تو آپ کا کرم ہوگا۔ امام نے پوچھا بتاؤ؟ حُر نے کہا جب تک دن ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ کیونکہ ابن زیاد کے جاسوس جگہ جگہ بھیدے ہوئے ہیں۔ جب رات ہو تو میرے لشکر سے ذرا ہٹ کر اپنے خیمے لگالیں اور پھر جب سپاہی سو جائیں تو آپ اپنے قافلے کو جس طرف آپ کا جی چاہے لے جائیں۔

میرے لئے بہانہ بن جائے گا کہ پاک دامنوں کی وجہ سے خیمے الگ لگائے تھے۔

امام عالی مقام نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اور حُر کے لشکر کو یہ خطبہ دیا کہ اے لوگو جب تم

کسی حاکم کو دیکھو جو ظلم کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں سے انحراف کرتا ہے اور کتاب و سنت کی مخالفت کرتا ہے، مخلوق خدا پر فسق و فجور کی حکومت کرتا ہے تو ایسے حاکم سے قول اور فعل کے ساتھ مخالفت کرو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو خدا تمہیں اچھا ٹھکانہ نہیں بخشے گا۔

دیکھو! یہ لوگ شیطان کی بیڑی میں آ رہے ہیں۔ ان سے کہتی کہ تم میں ان کا فتنہ و فساد اظہر من الشمس ہے اللہ تعالیٰ کی متعینہ حدود توڑی جا رہی ہیں مال ثنیت پر ناجائز تصرف کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا جا رہا ہے۔
میں ان کی سرکشی اور فسق و فجور کو حق و صداقت اور عدل و انصاف میں تبدیل کر دینے کا زیادہ حقدار ہوں۔ تمہارے بچھے ہوئے خطوط اور قاصد میرے پاس مسلسل پہنچتے رہے تم نے قسمیں اٹھا اٹھا کر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بے وفائی نہیں کرو گے اور میری بیعت بمر قائم رہو گے۔ اگر تم اپنے عہد کی پابندی کرو گے تو یہ تمہارے لئے ہدایت کا راستہ ہے۔

کیونکہ میں حسین ابن حیدر کرار ہوں، فاطمہ بنت رسول کا بیٹا ہوں۔ رسول خدا کا نواسہ ہوں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ اور اگر تم اپنا عہد توڑ کر اپنا گردن سے بیعت کا قلاوہ نکال پھینکو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ کیونکہ تم میرے باپ حیدر کرار میرے برادرِ حقیقی حسن ابن علی اور چچا زاد بھائی مسلم ابن عقیل سے ایسا ہی کر چکے ہو۔ یہ دست ہے کہ تم لوگوں پر بھروسہ کر لینا خود کو فریب دینے کے مترادف ہے۔

لیکن! یہ ان لوگوں کے پہلے بھی تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی تم اپنے ان ضیاع کرو گے۔ تم لوگوں نے آخرت کا اپنا حصہ ضائع کر لیا ہے اور اپنی قسمت خراب کر لی ہے۔ جو کسی سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑتا ہے وہ اپنے ہی خلافِ عہد ہی کرتا ہے۔ عجب نہیں کہ خداوندِ قدوس مجھے بہت جلد تم لوگوں سے بے نیاز کر دے۔

یہ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کا فائدہ رواں نہ ہو جاتا ہے۔

طراح بن عدی

ایک طرف حُر کا لشکر جا رہا ہے اور ایک طرف ذرا ہٹ کر امام عالی مقام کا نورانی قافلہ چل رہا ہے۔ چلتے چلتے مقام ”عذیب البجانات“ پر پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں پر کوفہ سے آنے والے چار شخص امام عالی مقام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کی کوفہ سے۔ فرمایا۔ کوفہ کا حال بتاؤ؟ اُن میں سے ایک شخص مجمع بن عبید اللہ عامری نے عرض کی۔ اے جگر گوشہ رسول! کوفہ کے حالات انتہائی بدتر ہو چکے ہیں۔ حکومت نے شہر کے رؤساء کو بھاری بھاری رشوتیں دیکر خرید لیا ہے۔ اور وہ لوگ اشرافیوں کی بھری ہوئی محفلیاں لیکر فروخت ہو چکے ہیں۔ وہ لوگ آپ کے پوری شدت سے مخالف ہیں۔ آپ کی تشریف آوری کو حکومت الہیہ سے بغاوت اور خروج کا نام دیتے ہیں۔ یزید کو امیر المومنین اور خلیفہ برحق سمجھتے ہیں۔ اُن کے منیروں کی کنجی اپن زیاد کے ہاتھوں میں ہے۔

آپ نے پوچھا۔ ہمارے قاصد قیس بن مسہر کا حال سناؤ۔ عرض کیا! اُنہیں آپ سے محبت کرنے کے جرم میں چھت سے گرا کر شہید کر دیا گیا ہے۔ آپ نے سنا تو رو کر فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کوئی اپنی منت پوری کر گیا اور کوئی ابھی کرنے والا ہے۔

یا اللہ! ہمیں اور قیس بن مسہر کو جنت الفردوس میں جمع فرما۔ قربان جائیں قیس تیرے مقدر کی بلندیوں کے کہ جنت کا سردار جنت میں تیری قربت کی دعا مانگ رہا ہے۔ کتنی عظیم ہے تیری شہادت اور کتنا اونچا ہے تیرا مقام۔ پھر اُن میں سے ایک شخص طراح بن عدی نے عرض کی۔ اے شہزادہ رسول! آپ کو لشکر کی

حراست میں رہنا مناسب نہیں۔ یا تو آپ ان لوگوں پر حملہ کر دیں یا ان کو شکست دیکر کوئی دوسری
 راہ اختیار کر لیں یا پھر ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔ کیونکہ اس لشکر کے علاوہ بھی بہت بڑی
 فوج آپ کے مقابلہ کے لئے کوفہ میں تیار کھڑی ہے۔ خدا کی قسم میں نے اتنی بڑی فوج کبھی نہیں دیکھی۔
 اس لئے اچھی بات تو یہی ہے کہ یا آپ ابھی ان پر حملہ کر دیں اور ہمیں آپ کے ساتھ شرکت کی سعادت
 حاصل ہو جائے گی یا پھر ہمارے ساتھ چلیں۔ ہم کو آجاکے دامن میں رہتے ہیں۔ اور
 وہاں پر ہم دشمن کے ہر قسم کے حملہ سے محفوظ ہیں۔ آپ وہاں جا کر ایک خطبہ ارشاد فرمائیں گے تو قبیلہ
 طے کے بیس ہزار آدمی آپ پر فدا ہونے کیلئے دس روز کے اندر ہی اندر اکٹھے ہو جائیں گے۔
 اور جب تک کوئی آنکھ نلک جھپکتی رہے گی وہ آپ پر فدا ہوتے رہیں گے۔ امام عالی مقام نے
 ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔
 ہم نے کوفیوں سے ایک عہد کر رکھا ہے جس کی خلاف ورزی کرنا مشکل ہے۔ وہ چاروں ہی
 حسرت و ریاس کی تصویریں بنے ہوئے قدمبوسی کر کے واپس ہو گئے۔

ارضِ کربلا

محقوڑی دیر کے بعد حُرّ آب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس کے ہاتھوں میں ایک خط تھا۔ جو امام کی خدمت میں پیش کرے خاموشی سے بیٹھ گیا۔ یہ ابن زیاد کا خط تھا حُرّ کے نام۔ جس میں اس قسم کا مضمون تھا۔

بذریعہ خط ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ انہیں اور اس کے ساتھیوں کو کسی پناہ گاہ کی طرف نہ جانے دینا اور ان سب کو کھلے میدان میں رکھو، ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی رعایت نہ رکھو۔ میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور تمہاری نقل و حرکت کو نہ بکراؤ نہ کرتا رہے گا۔ تا آنکہ میری دوسری سپاہ تم تک پہنچ جائے۔

امام نے خط پڑھ کر واپس کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ، بنم کیا چاہتے ہو۔ حُرّ نے عرض کیا کہ آپ رات کے وقت ہر قیمت پر ہم سے علیحدہ ہو جائیں اور راتوں رات زیادہ سے زیادہ سفر کر کے کوئی اچھی سی پناہ گاہ حاصل کر لیں۔ امام نے وعدہ فرمایا۔ حُرّ واپس آگیا۔ رات ہو ہی چکی تھی۔ حُرّ کے سفر میں تھکے ماندے سپاہی جلد ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

امام عالی مقام نے اطمینان کر لینے کے بعد اپنے قافلے کو چلنے کا حکم دے دیا۔ قافلہ چلتا رہا اور رات کے آخری حصہ میں دشتِ نینوا میں داخل ہو گیا۔

بسمعی لوگ تھکن سے چور چور تھے ایک مقام پر قافلہ اتار دیا گیا۔

نیند کس کو آنا تھی بس کمریں باندھ کر چلنے کے لئے لیٹ گئے۔ امام عالی مقام پر بھی

چند لمحوں کے لئے غنودگی کا عالم طاری ہو گیا۔ امام زین العابدین آپ کی راہنی جانب کجاوے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ امام عالی مقام **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُهُ** پڑھ رہے تھے۔

اللہ اعلیٰ ابن العابدین نے تڑپ کر پوچھا۔ ابا جان میں آپ پر فریاد کیا کوئی خواب پریشان دیکھا ہے؟

بعض روایات میں بکھرے خوابِ قصر بنی مقاتل سے روانگی کے وقت آیا تھا۔

فرمایا ہاں میرے چاند! میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار جا رہا ہے اور وہ کہہ رہا تھا ”کہ لوگ چلتے ہیں اور ان کی قضا میں ان کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہیں۔“ یہ صدا سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہماری شہادت کا وقت قریب آپہنچا ہے۔

امام زین العابدین نے آگے بڑھ کر باپ کے مقدس ہاتھوں کو حُجُوم کر عرض کی۔ ”پیارے اباجان خدا آپ کو کوئی برائی نہ دکھائے“ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟
امام عالی مقام نے فرمایا۔

یے لال! ہم یقیناً یقیناً حق پر ہیں۔ حق پر نہیں ہوں گے تو اور کون ہوگا۔
شہزادہ حسین نے عرض کی۔ میرے آقا اگر ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں جائیں دینے کی کیا پروا ہے۔

نعم نسب آپ پر خدا ہو جائیں گے میرے حضور! آپ حق پر ہیں۔ آپ حق کے ساتھ ہیں حق آپ کے ساتھ ہے۔ آپ حق کے امام ہیں۔ آپ حق ہیں۔ حق حق ہے اور باطل باطل۔ حَيَاءُ الْحَقِّ وَنَهْبُ الْبَاطِلِ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا۔
آخر آپ حق و حق صحرا میں ایک چھم پر اترنا چاہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے۔
زمین قین نے بتایا عتقو آپ کی طبیعت بوجھل ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں عتقرے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ عتقر کا مطلب ہے با منجھ ہونا، بے ثمر ہونا، بے نتیجہ ہونا اور چھو پایہ کے پاؤں کاٹ دینا۔

پھر کچھ دور جا کر امام عالی مقام نے پوچھا یہ کونسا مقام ہے؟

کسی نے بتایا اَرْضِ مَادِيہ۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ شاید اس جگہ کا کوئی اور نام ہے عرض کیا ہاں! اس مقام کو کس بلا بھی کہتے ہیں۔

امام نے فرمایا۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَرْضِ كَرْبٍ وَبَلَاءٍ وَسَفَلِ الدَّمَاءِ۔ اللہ اکبر یہ زمین کرب و بلا ہے۔ اس جگہ ہمارا اور ہماری اہل بیت کا خون بہے گا۔

جانی پہچانی منزل

سب سامنے تھی خواب کی تعبیر آگئی !
ہے کہ بلا! تو منزلِ شبیر آگئی
(صائم چشتی)

امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اہل بیت کرام اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

میرے غمگسار ساتھیو! حسینؑ اپنی منزل پر پہنچ چکا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جسے اللہ رب العزت نے میری شہادت کا حکم لے کر ازل ہی سے تجویز فرما رکھا ہے۔ اس میدان کو دیکھو۔ یہ میدان حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان ہواؤں کو سونگھو۔ ان میں کربِ بلا رنج و مصیبت اور آلام و غم کی مہکیں رچی ہوئی ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جس کی نشانیاں میرے نانا حضورؐ نے مجھ پر ظاہر فرمائی تھیں۔ یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق متعدد بار جبریل علیہ السلام نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں خدا تعالیٰ کا حکم پہنچایا کہ یہ حسینؑ کی امتحان گاہ ہے۔

میں نے اس کو اچھی طرح جان لیا ہے، پہچان لیا ہے۔ میری نگاہوں نے اس کے ہر گوشہ کو اس سے پہلے اچھی طرح دیکھا ہوا ہے۔

میرے ابا جان جبریلؑ کو ار علیہ السلام اللہ و جہنم الکریم نے مجھے اس جگہ کے متعلق بتا رکھا ہے۔ وہ جنگِ صفین سے واپسی کے وقت یہاں سے گزرے تو انہوں نے اس مقام پر خواب میں میری شہادت کا منظر ملاحظہ فرمایا تھا۔

یہ ارشاد فرما کر سبطِ یمیر لٹھتے ہیں۔ نانا جان کے خواب میں بتائے ہوئے نقشے کو سامنے رکھتے ہوئے اہل بیت اطہار کے خیمے نصب فرماتے ہیں۔ ذرا ہٹ کر دوسرے ساتھیوں کے خیموں کو لگوا دیا۔ نہرِ فرات بھی قریب ہی بہہ رہی تھی۔ شہزادہ گلگوں قبائے مکمل طور پر امتحان کی تیاری فرمائی۔ آشیانوں کو سجالیا گیا۔ اب بھلیوں کا انتظار تھا۔ اتنا دُور صحرائیں اہل بیتِ مصطفیٰ کا گلشن مہک رہا تھا اور خزاں کا آئندہ حال اُسے اپنی

پسٹ میں لینے کے لئے پُر قول رہا نہیں۔ دو محرم الحرام کی صبح طلوع ہو چکی ہے۔
 ابھی سپیدہ سحر نمودار ہی ہوا تھا کہ ریت کے پہاڑ نظر آئے جیسے زمین و آسمان
 کے درمیان ریت کی ایک دیوار بنا دی گئی ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ ریت کی دیوار پھٹ گئی۔
 اور سامنے کوفہ کی طرف سے آتا ہوا ایک لشکر حیران نظر آیا۔ امام عالی مقام اور آپ کے ساتھیوں
 نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہر ایک کی نگاہ میں سوال بھی تھا اور جواب بھی۔

عمر و ابن سعد

یہ کوفہ سنے بھیجا ہوا ابن زیاد کا لشکر تھا جسے اہل بیت کے چند گنتی کے جوانوں سے جنگ
 کرنا تھی۔ مؤرخ حیران ہو جاتا ہے کہ چند لوگوں کو گرفتار یا قتل کرنے کے لئے اتنی بڑی سپاہ
 کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ ابن زیاد کے مشیر کوئی تھے۔ اور کوفہ والے
 جانتے تھے کہ زورِ یدِ اللہی اذ قوتِ خیر شکن سے ٹکرانا آسان نہیں۔ اور دوسری وجہ
 یہ ہے کہ اس شیطانی فوج کا سپہ سالار عمر بن سعد تھا۔

یہ فوج کفار کے مقابلہ میں جا رہی تھی۔ لیکن مکمل اسلام سے ٹکر آگئی۔ اس کا مقابلہ
 مکمل کفر سے ہونا تھا لیکن کامل ایمان سے ہو گیا۔ اس کے سپاہیوں کو شہادت کا درجہ ملنا
 تھا لیکن جہنم کا اندھن بن گئے۔

یہ قدرت کے سربستہ اسرار و رموز ہیں۔ مقدر اور قسمت کے کھیل میں حق و باطل، ایمان و
 کفر، نور و ظلمات، ہدایت و گمراہی، جنت و جہنم، دن اور رات کی سرحدیں بالکل ساتھ
 ساتھ ہیں مگر اب یکتا یکتا ہونے کو نہ جانتا ہے آنے والا لمحہ انسان کو کس طرف
 لے جاتا ہے۔ صفائی قوت اور شیطانی طاقت ٹکرا رہی ہیں۔ طرفِ بختِ اقرب الیہ
 مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اور فی الْفُسْکَم کا ارشاد ہے اور دوسری طرف شیطان
 انسان کی شربانوں میں خون کے ساتھ ساتھ گودش کرتا ہے۔ دونوں قوتیں اپنا اپنا کام کر رہی
 ہیں۔ انسان کس کی گرفت میں آتا ہے یہ قسمت کی بات ہے۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

عمر بن سعد کو ویکم کے کفار سے جہاد کرنا تھا اور فتح حاصل کرنے کی صورت میں اُسے
 خطہ ”رے“ کی حکومت ملنا تھی۔ اُسے ”رے“ کا حاکم بننا تھا اور اُس کا مہر شدہ پروانہ اُس کی
 جیب میں تھا۔ وہ بغرض جہاد و ویکم کو جارہا تھا کہ ابن زیاد نے اُسے بلالیا اور کہا،
 ابن زیاد:- ابن سعد! ابھی تم ویکم کا جہاد ملتوی کر دو۔
 ابن سعد:- کیوں؟ کیا بات ہے۔

ابن زیاد:- حسینؑ اور اُن کے ساتھی دشتِ نینوا میں داخل ہو چکے ہیں۔ تم نے حر کو ایک ہزار
 سپاہیوں کے ساتھ اُن کی گرفتاری کے لئے بھیج دیا ہے۔ اور اب تم بھی جاؤ اور
 پہلے اُن سے مقابلہ کر کے اُن کو قتل کرو۔ اس کا اُسے فارغ ہو کر ویکم کی طرف چلے جانا
 ابن سعد:- جناب مجھے میرے کام پر چلنے دیں۔ ایک ہزار سپاہی کافی ہوتے ہیں۔ حسینؑ کے ساتھ
 چند ساتھی ہیں جن پر حر آسانی سے کامیابی حاصل کرے گا۔ میں نے حر کو سب کچھ اچھی
 طرح سمجھا کر روانہ کیا ہے۔

ابن زیاد:- بحث کی ضرورت نہیں۔ تم پہلے حسینؑ کو قتل کرو گے اور پھر دوسرے کام
 ہوں گے۔

ابن سعد:- میرے لئے مشکل امر ہے لہذا مجھے اس کام سے معاف رکھا جائے۔
 ابن زیاد:- لاؤ پھر وہ عہد نامہ مجھے دے دو جس پر تمہیں ”رے“ کی حکومت دینے کا معاہدہ
 لکھا ہوا ہے۔

ابن سعد:- گھبرا کر، مجھے ایک رات سوچنے کی مہلت دی جائے۔
 ابن زیاد:- اجازت ہے۔ لیکن کل تمہیں ان دو باتوں میں سے ایک کرنا ہوگی۔ یا تو حسینؑ کا سر
 کاٹ کر لانا ہوگا یا ”رے“ کی حکومت کا نوشتہ واپس کرنا ہوگا۔

ابن سعد صبح جواب دینے کا وعدہ کر کے واپس آگیا۔ ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سب
 نے بیک زبان قتلِ حسینؑ سے منع کیا۔ اُس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ نے کہا: ”رے“ کی حکومت تو
 نہایت معمولی چیز ہے۔ اگر تمام جہان کی سلطنت بھی ملتی ہو تو اُسے چھوڑ دینا اس سے بدتر جہا بہتر ہے
 کہ تو خدا تعالیٰ کو دشمن اہل بیتِ رسول اور قابلِ حسین بن کر ملے۔

ابن سعد نے سب کے مشوروں کو سنا۔ دماغ میں دو مختلف خیال لیکر سونے کی

حکومت ہے دوسری طرف نواسہ رسول مکران ہے۔ ایک طرف دنیا ملنے کی توقع ہے دوسری طرف دین کی گردن پر چھری چلانا پڑتی ہے۔ ایک طرف دنیا کی بادشاہی ہے تو دوسری طرف آخرت کی سرخروئی ہے۔ ایک طرف دنیا کا تخت ہے تو دوسری طرف جنت محمدی کا در ہے ضمیر اور نفس اتارہ ہیں جنگ جاری ہے۔ رحمانی اور شیطانی قوتیں پوری شدت سے ٹکر رہی ہیں۔ دونوں طرف سے بیہم آواز آرہی ہے۔

أَشْرَكَ مُلْكَ الرَّيِّ وَالرَّيِّ رَغْبَةً
أَمْ أَرْجِعُ مَذْمُومًا بِقَتْلِ حُسَيْنٍ
وَفِي قَتْلِهِ النَّارُ الَّتِي لَيْسَ دُونَهَا
حِجَابٌ وَمُلْكُ الرَّيِّ قُرَّةُ عَيْنٍ

”رے“ کی حکومت چھوڑ دوں؟ لیکن اُس کی طرف دل مائل ہے۔ قتلِ حسین کی مذمت گوارا کروں؟ لیکن قتلِ حسین کی سزا جہنم کی وہ آگ ہے جسے روکا نہیں جاسکتا۔ اور ”رے“ کی سلطنت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

یہ آخری آواز تھی۔ ذہن میں اٹھنے والا دو طرفہ طوفان ختم گیا۔ فیصلہ ہو چکا تھا۔ ضمیر مر گیا۔ اتارہ جیت گیا۔ شیطان بیچہ کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ دل نورِ ایمان سے خالی ہو گیا۔ ابنِ سعد شقاوت کا پتلا بن گیا۔ دنیا کی ہوس نے اُس کے کان بہرے کر دیئے۔ آنکھیں اندھی ہو گئیں اور دل پر مہر لگا دی۔ اب اُس کے اندر سے مسلسل ایک ہی آواز آرہی تھی: ”امامِ مظلوم کو قتل کرو اور ”رے“ کی حکومت کو حاصل کرو۔“

صبح ہوئی، ابنِ زیاد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اور کربلا کو روانہ ہو گیا۔ اب اُس کی فوجیں امامِ عالی مقام کے سامنے صف بستہ ہیں۔ حضرتِ حُرّی اپنا لشکر لے کر آپ کے تھے وہ بھی یزیدی فوج میں شامل ہو گئے۔

بالمشافہ گفتگو

ایک رات امامِ عالی مقام نے ابنِ سعد کو بلا لیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان ملاقات

کی حکمت آ رہی تھی

امام نے فرمایا :- کیا تم نہیں جانتے کہ ہم حق پر ہیں ؟

ابن سعد :- جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں ۔

امام حسین :- کیا تم نہیں جانتے کہ نیریدی حکومت باطل ہے ؟

ابن سعد :- جانتا ہوں کہ نیرید نے شریعت کی کئی حدوں کو توڑا ہے ۔

امام حسین :- تو پھر باطل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ ملتے کیوں نہیں ؟

ابن سعد :- میرے مکانات گرا دیے جائیں گے ۔

امام حسین :- ہم نئے بنوا دیں گے ۔

ابن سعد :- میری جائداد بھین لی جائے گی ۔

امام حسین :- ہم اُس سے بہتر عطا کر دیں گے ۔

ابن سعد :- آخر آپ چاہتے کیا ہیں ؟

امام حسین :- ہم تم سے کچھ بھی نہیں چاہتے ۔ صرف دو باتیں کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ہم یہاں

خود بخود نہیں آئے بلکہ ہمیں کو فیوں نے سینکڑوں خط لکھ کر منگوا یا ہے ۔ اور یہاں آنے

کے بعد ہم نے نہ تو کوئی لشکر جمع کیا ہے اور نہ ہی کسی شہر پر حملہ کیا ہے ۔ ایسی صورت

میں ہمارے سامنے فوجیں لانے کا کوئی جواز نہیں ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ باتو

ہمیں واپس مکہ معظمہ جانے دیا جائے یا کسی اور سرحد کی طرف جانے دیا جائے

یا پھر دمشق جانے دیا جائے تاکہ ہم نیرید کے ساتھ خود گفتگو کر لیں ۔

ابن سعد :- میں آپ کے مشورے پر خود کر دوں گا ۔ اور پھر دونوں ہی اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف

چلے گئے ۔ یہ ملاقات تین راتیں ہوتی رہی اور آخر ٹپے غور و فکر کے بعد ابن سعد

نے ابن زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا ۔

میں نے معاملات کو اچھی طرح کنٹرول کر لیا ہے ۔ اب حسین نے تین شرطیں رکھی ہیں ۔

اول یہ کہ مجھے مکہ معظمہ واپس جانے دیا جائے ۔ دوم یہ کہ میں کسی اور اسلامی سرحد کی

طرف چلا جاتا ہوں ۔ سوم یہ کہ میں نیرید کی بیعت کرنے پر تیار ہوں ۔

یہ جبکہ ابن سعد نے اپنی طرف سے لکھا تھا اور یہ قطعی طور پر غلط اور زبردست تاریخی جھوٹ

سے کہ امام عالی مقام نے اُسے کہا تھا کہ ہم نیرید کی بیعت کر لیں گے ۔

ابن سعد کا اپنا خیال تھا کہ ابن زیاد یہ آسانی سے مان جائے گا اور اس طرح وہ امام کو

دشمن جاننے سے نہیں روکے گا۔

ادھر پھر اپنی طرف سے مشورہ دیا کہ تیسری شرط یعنی بیعتِ یزید مان کر امام حسینؑ نے تمہارا مقصد پورا کر دیا ہے۔ اس لئے قتل کرنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ حسینؑ بیعتِ یزید کرے۔ اس طرح یزیدی حکومت کو تمام عالم اسلام مکمل طور پر خلافتِ الہیہ مان لے گا۔

ابن سعد کا یہ خط لیکر جب قاصد ابن زیاد کے پاس پہنچا تو وہاں شمر ذوالجوشن لعین بھی موجود تھا۔ ابن زیاد نے شمر کو خط کا مضمون بتا کر کہا کہ اگر یہ بات درست ہو کہ حسینؑ یزید کی بیعت پر آمادہ ہے تو اسے مان لینے میں کوئی خرچ نہیں۔

شمر آخر شمر تھا۔ اور یہی وہ ملعون تھا جس کے متعلق رسولِ صادقؐ نے فرمایا تھا کہ میرے حسینؑ کا قاتل (سگ ابرص) ڈبا کتا ہوگا۔

ابن زیاد کی بات سن کر کہنے لگا کہ اس طرح حسینؑ نے یزید کی تابعداری تو کر لی لیکن تمہیں کیا فائدہ پہنچا اب حسینؑ تمہارے قابو میں ہے اسے اپنی اطاعت کے لئے مجبور کرو، اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ابنِ سعد کئی راتوں سے حسینؑ کے ساتھ خفیہ ساز باز کر رہا ہے ابن زیاد نے شمر کی تجویز فوراً مان لی اور ابنِ سعد کو خط لکھا۔

میں نے سچے حسینؑ کو کسی قسم کی رعایت دینے کے لئے نہیں بھیجا۔ اگر تم ضرور ہی ڈھیل دینا چاہتے ہو تو اُسے بتا دو کہ یزید کی بیعت بعد کی بات ہے پہلے تمہیں ابنِ زیاد کی اطاعت کرنا ہوگا۔ اگر وہ میرا مطیع ہو جائے تو میں اُسے اپنی مرضی کے مطابق یزید کے دربار میں پیش کر دوں گا۔ اور اگر وہ اس بات کو تسلیم نہ کرے تو اُس کو۔ اُس کے ساتھیوں سمیت قتل کر کے اُن کے سر مجھے بھیج دو۔ اور اگر تو یہ کام نہیں کر سکتا تو اپنے عہدے کو چھوڑ کر فوراً علیحدہ ہو جاؤ۔ سب کام شمر خود کرے گا۔

ابن زیاد نے یہ خط لکھ کر شمر کے حوالے کیا اور اُسے تاکید کر دی کہ اگر ابنِ سعد اس خط کی خلاف ورزی کرے تو اُس کا سر کاٹ کر فوراً روانہ کر دو۔ اور خود فوج کا چارج سنبھال لو شمر نے کہا ایک میرا بھی کام ہے۔ ابن زیاد نے پوچھا وہ کیا۔ شمر نے کہا حسینؑ کے ساتھ میرے چند رشتہ دار بھی ہیں اُن کے لئے امان چاہتا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا انہیں امان ہے۔

شمر نے امان نامہ لکھوا لیا اور ابنِ زیاد کا خط لیکر کر بلا میں آگیا، عمرو بن سعد کو مل کر

خطیہ یا اور پوچھا کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟
ابن سعد نے کہا کہ ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کروں گا، اور کر بھی کیا سکتا تھا جبکہ اسے
اچھی طرح معلوم تھا کہ امام حسین علیہ السلام تو یزید کی بیعت ماننے سے بھی قطعی طور پر انکار
کرتے ہیں تو وہ ابن زیاد کی اطاعت کیسے کریں گے۔

بعد ازاں شمر نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے اپنے رشتہ داروں کو بلایا
رشتہ دار کون تھے؟ جناب شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زوجہ محترمہ ام البنین بنت
خزام اور ان کے بطن سے آپ کے چاروں بیٹے۔

۱۔ حضرت عباس ابن علی علیہ السلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۳۔ حضرت عثمان ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۴۔ حضرت جعفر ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

علاوہ ازیں حضرت ام البنین زوجہ علی المرتضیٰ کا بھتیجا عبداللہ ابن اسمحلی بن خزام
بہر کیف! شمر نے ان سب کو بلا کر کہا کہ میں نے تمہارے لئے ابن زیاد سے امان
حاصل کر لی ہے اس لئے تم لشکر حسین سے الگ ہو جاؤ۔

جناب عبداللہ بن اسمحلی نے فرمایا: ہمیں سنیہ کے بیٹے سے اللہ تعالیٰ کی امان بہتر ہے
جناب عباس علیہ السلام نے فرمایا: شمر لعنت پر تم پر اور تمہاری امان پر، ماموں زاد نہو
کر ہمیں امان دیتا ہے لیکن نواسہ رسول اور جگر گوشہ بتول کے لئے امان نہیں؟

ہزار بار لعنت تمہاری اس امان پر، ہمارے لئے نواسہ رسول کے قدموں میں جان دینا
تمہاری اس امان سے کروڑ درجہ بہتر ہے۔

شمر نے جب امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کے جذبہ ایثار اور تعلق قلبی کو
دیکھا تو انتہائی شرمندگی سے واپس آگیا اور فوراً ہی پانچ سو سواروں کا لشکر بھیج کر مہر
فرات پر قبضہ کر لیا۔

محرم کی نویں تاریخ

یہ محرم الحرام کی نویں تاریخ کی بات ہے۔ شمر نے ابن سعد سے کہا۔ جلدی حبلی نماز عصر ادا کرو اور پھر بھر پور حملہ کر دو۔

ادھر امام عالی مقام عصر کی نماز کی تیاری کر رہے ہیں اور ہزیدی فوج نماز عصر سے فارغ ہو کر روح نماز کو جلد از جلد قتل کر دینا چاہتی ہے۔ صلوات اللہ علیہ کی حفاظت کی جا رہی ہے مگر جس کے باپ کی اسی نماز کی ادائیگی کے لئے سورج کو واپس بلٹنا پڑا، اُس کی لاش پر گھوڑے دوڑانے کے مشورے کئے جا رہے ہیں۔

اہل عرفان حیران ہیں کہ یزیدیوں کی اس نماز کا کیا نام رکھا جلتے۔ بہر حال نماز عصر سے فارغ ہو کر امام عصر کو قتل کرنے کے لئے یزیدی فوج حرکت میں آجاتی ہے۔ حضرت عباس علیہ السلام ہمیں سواروں کے ساتھ سامنے آئے امد عمرو بن سعد سے پوچھتے ہیں کہ تمہاری فوج کیوں آگے بڑھ رہی ہے۔ ابن سعد نے بتایا کہ ابن زیاد کا لکھا ہوا اس مضمون کا خط شمر لایا ہے۔ اب بتاؤ کیا ارادہ ہے۔ حضرت عباس نے فرمایا امام عالی مقام سے پوچھ کر بتانا ہوں۔ اور پھر واپس امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت عباس تو امام عالی مقام کے خیمے میں چلے گئے اور دونوں طرف کے لوگوں نے آپس میں بحث شروع کر دی۔ امام عالی مقام کے ساتھیوں میں سے حبیب ابن مظاہر نے یزیدی لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اُس کے حضور اس حالت میں پہنچیں گے کہ اُن کے ہاتھ تہجد گزار عابدوں اور اُس کے بیٹے کی اولاد کے خون سے رنگین ہوں گے۔

یزیدی فوج سے عزہ بن قیس نے کہا۔ ”بہت خوب“۔ آفرین صد آفرین۔ اپنی عظمت اور بڑائی بیان کرنے کا اچھا طریقہ نکالا ہے۔ جی بھر کے اپنی پاکیزگی اور شان بیان کر دو۔

عزہ کا یہ مسخر سنا تو حضرت زہیر بن القین بجلی نے فرمایا۔ عزہ! تم ایک واضح حقیقت کا مذاق اڑاتے ہو۔ سنو! خدا تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا کر ہمارے نفوس کو مال کر دیا ہے

خدا سے ڈر، آخرت کا خوف کھا، اور ان لوگوں کو جن کے نفس پاک کئے جا چکے ہیں نشانہ ظلم و ستم بنانے والوں کا ساتھی نہ بن۔

عزیز نے جواب دیا۔ کیا تم وہی زہیر نہیں ہو جو حضرت عثمانؓ کے حامیوں میں اور حضرت علیؓ کے مخالفوں کے ساتھ تھے؟

زہیر نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے امام حسینؓ کو بیعت کر لینے کے وعدے کا کوئی خط نہیں لکھا۔ لیکن جب میں نے اُن کے ساتھ سفر کیا تو میری آنکھوں سے پردے اٹھ گئے۔ میں نے اُن کے تقویٰ و ورع کا عالم اور چلنا پھرنا دیکھا تو مجھے رسولِ خدا یاد آ گئے رسول اللہؐ کی اُن سے محبت یاد آ گئی۔

میں نے دیکھا کہ یہ کتنے عظیم ہیں جو محض تحفظِ حق و صداقت کے لئے ایک زبردست طاقت اور جابرِ حکومت سے ٹکرانے کے لئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بے سرو سامان ہیں۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ میرے ضمیر نے مجھے بار بار پکار کر کہا کہ حسینؓ کا ساتھ دو چاہے تمہیں جان کی قربانی دینا پڑے۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حق کی حفاظت کروں جسے یزید کے حواری ضائع کر رہے ہیں ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام عالی مقام کا پیغام لیکر آ گئے۔ آپ نے عمرو بن سعد کو فرمایا کہ امام عالی مقام فرماتے ہیں: ”ہمیں آج کی رات اپنے رب کی عبادت کر لینے دیں۔ ہم زندگی کی آخری شب میں آخر کا بار تلاوتِ قرآن کرنا چاہتے ہیں۔“ عمرو ابن سعد کے ساتھیوں نے کہا ٹھیک ہے۔ اب شام ہو رہی ہے۔ اور اگر تم سے ولیم کے کفار بھی ایک رات کی مہلت مانگتے تو تم کو دینا ہی پڑتی۔ چنانچہ یزیدی لشکر پھر اپنے مقام پر واپس آ گیا۔

محرم کی دسویں رات

صبح کو یومِ عاشورہ ہے۔ کائناتِ ارضی و سماوی کے ظہور میں آنے کا دن، چاند تاروں اور سورج کی پیدائش کا دن، جنت اور دوزخ کے بننے کا دن۔ ابتلاؤں اور آزمائشوں کا دن، امتحانوں میں کامیابی کا دن۔ حق کی فتح اور باطل کی موت کا دن، ملائکہ مقربین کی تخلیق کا طلعہ، نوح و قلم کے نقوش ترتیب دینے کا دن، ارادہ و علم الہی کے بطون سے

ہوڑیں آنے کا دن ، قیام عرش اور قیامت برپا ہونے کا دن ، حضرت آدم علیہ السلام کا دن ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا دن ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نار کو گھڑا رکھنے کا دن ، ابراہیم کی فتح اور عمرو کی شکست کا دن ، فرعون کے غرق ہونے کا دن ، حضرت ادیس کو بلندی درجات ملنے کا دن ۔ حضرت نوح کا سفینہ کنارے لگنے کا دن ، اسی دن ہی یوسف علیہ السلام کو زندان سے رہائی حاصل ہوئی اور اسی روز ہی امام زین العابدین کو بیڑیاں پہنائی جائیں گی ۔ اس دن ہی حضرت اسماعیل ذریعہ اللہ کی جگہ ہینڈھا قربان ہوا تھا اور اسی روز ہی تکمیل ذریعہ عظیم کرنے والا حسین اپنے بال بچوں سمیت ذبح کیا جائے گا ۔ اس دن ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی ملاقات کی بشارت دی گئی تھی ۔ اور اسی روز ہی حضرت سجاد اپنے باپ سے بچھڑ جائیں گے ۔ اس روز ہی یعقوب کو بیٹائی حاصل ہوئی اور ان کا ردنا تھا اور اس روز ہی حضرت سجاد کی آنکھیں خون کے آنسو برسانا شروع کریں گی ۔ اس دن ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہمشیرہ کو بھائی کے ملنے کی بت دی گئی تھی ۔ اور اسی روز ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے بھائی سے بچھڑ جائے گی ۔

دنیا کے اسلام میں تاریخی اعتبار سے یہ انتہائی عظیم دن ہے ۔ جیسی تو امام عالی مقام اس دن کا انتظار فرما رہے تھے ۔ یہی وہ دن تھا جس میں شہزادہ کون و فرماں نے اپنے نانا کے دین کو ظلم و استبداد کے پنجے سے پھڑانا تھا ۔ نانا کی امت کی ٹوٹی ہوئی کشتی کو ساحل آشنا کرنا تھا اور خود ذبح ہو کر دنیا پر واضح کر دینا تھا کہ ۔

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کہ بلا کے بعد

یہی وہ مقدس اور عظیم دن تھا جس کو خون حسین کی تاباں برل نے اور بھی مقدس بنا دینا تھا ۔ اور بھی درخشاں کر کے اور بھی با عظمت کر دینا تھا ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دن پہلے بھی ہزاروں سعادتیں اور لاکھوں رحمتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا لیکن سہروردی اور شہرت تامر اسے خون حسین کی برکت سے ملی اس کا رنگ پہلے تمام واقعات پر چھایا ہوا ہے ۔ بلکہ کون معلوم ہوتا ہے شہزادہ لگوں قبائے اس دن کو اپنے لئے منتخب فرما کر پھر اپنے ہی لئے مخصوص فرمایا ہے ۔ اس کی تاریخی عظمتوں کو اگر یاد کیا جاتا ہے تو محض ذکر حسین

ہی کی وجہ سے، اُسے یوم عاشور! تیری عظمتوں کو سلام، تجھے خونِ حسین کی سرخی نے
درخشندہ و تابندہ کر دیا ہے۔ تُو جب بھی آئے گا اہل ایمان تجھے سلامی پیش کریں گے۔ اس
عاشورہ محرم کی صبح ہونے میں آٹھ گھنٹے باقی ہیں۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ قیامت بیاہونے میں
چند گھنٹے باقی ہیں۔ قیامت بھی تو اسی روز ہی قائم ہوگی لیکن اُس کی آمد معلوم نہیں۔ کربلا کی زمین
پر تھوڑے عرصے کے بعد اُس قیامت کی تصویر کھینچی جائے گی۔

ساتھیوں کو خطاب :- اہم عالی مقام نے عشاء کی نماز کے بعد اپنے ساتھیوں کو
بلا کر یہ خطبہ دیا۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کی اور پھر فرمایا کہ میں ہر حالت میں خدا تعالیٰ کا
شکر گزار ہوں خواہ رنج و آلام ہوں یا راحت و خوشی۔ میں خداوندِ عرش کا ممنون کرم ہوں۔
جس نے ہمارے گھر کو نبوت و رسالت سے مشرف فرمایا۔ ہم پر قرآن بھی نازل فرمایا گیا اور
قرآن کو سمجھنے کا فہم بھی عطا فرمایا۔ دین کے معاملات کو ٹھیک طور پر سمجھنے کی صلاحیت بھی عطا فرمائی اور
عبرت حاصل کرنے کی قوتوں سے بھی سرفراز فرمایا۔

اما بعد میرے غمگسار اور ہمدرد ساتھیو! مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آج تمام رستے زمین
پر مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے افضل کوئی جماعت نہیں اور نہ ہی میرے اہل بیت سے زیادہ
خیر خواہ اور ہمدرد دنیا بھر میں کسی کے ساتھ موجود ہیں۔ اُسے متحبانِ حسین! اللہ تعالیٰ تم سب کو میری
طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہیں کہ یزید کو میرے ساتھ دشمنی ہے۔ اُسے صرف میرا قتل مقصود ہے۔ وہ اپنی شیطانی حکومت کی
بنیادیں میری لاش پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے میں مشورہ دیتا ہوں کہ رات کی تاریکی سے
فائدہ اٹھاؤ۔ ابھی تھوڑی دیر بعد چاند نکل آئے گا۔ پھر شاید کئی مشکل درپیش آجائے۔ میں
تمہارا گزاریں ہوں کہ موسم گرما کی شدت میں تم لوگ دو روز سے میرے ساتھ میری طرح پیاس کی
سزا برداشت کر رہے ہو۔ لیکن اب میں تم لوگوں کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ میرے ساتھ
رہ کر میرے اٹھانے کے بجائے اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھو اور یہاں جہاں طبیعت مانتی ہو

مناسب سمجھو تو میری اہلیت کا ایک ایک فرد اپنے ساتھ لے جاؤ، میں تم پر خوش ہوں اور قیامت کے دن کوئی شکوہ نہیں کروں گا کہ تم میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے بلکہ رب عالم کے حضور میں عرض کروں گا کہ بارِ الہا ان سب کا میرے امتحان میں سے پورا پورا حصہ ہے۔

جَاؤ مَدِیْرے جَاں نثار سَا تھیو! حسیئن تمہیں پورے خلوص کے ساتھ الوداع کہتا ہے۔ تم جدھر بھی جاؤ گے تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ یہ سب فوجیں میرے لئے ہیں۔ ان کے تیروں، تلواروں، نیزوں اور بھالوں کا ہدف حسیئن کا سینہ ہے پھر تم خواہ مخواہ کیوں میرے ساتھ رہ کر مصائب برداشت کرو۔

ہیں میرے ہی لئے یہ سامنے فوجوں کی دیواریں
چمکتی ہیں فقط میرے لئے لشکر کی تلواریں
ہنر نالوں پر مجھے تو امتحانِ خاص دینا ہے
یزیدی فوج کو تو بس! سرِ شبیر لینا ہے
میں خوش ہو کر اجازت دے رہا ہوں تم چلے جاؤ
جہاں جاؤ رہو خوش، زندگی کی راحتیں پاؤ
مجھے سینے پہ نیزوں، برہمیوں کے وار سہنے دو
میری گردن سے خونِ مضطرب کی نہر بہنے دو
مجھے رہنے دو بخورد جبر کی خوئی گھٹاؤں میں
میں خود آیا ہوں، میرے ساتھیو خوئی بلاؤں میں
چلے جاؤ، بلائیں کہ بلا میں لاکھ آئیں گی!
دُعائیں ابنِ حیدر کی تمہارے ساتھ جائیں گی

سایمِ حسیئن

امام کے ساتھیوں کی التجا

امام عالی مقام کی یہ رقت انگیز گفت گوئی تو ساتھیوں کو روم گئے۔ روتے ہوئے فریاد کرتے ہیں۔ اے شہزادہ کون درمکان، اے شہر یار مملکت حق و صداقت، اے شمعِ شبستان

رسول! اب آپ کو چھوڑ کر کہاں جائیں گے۔ آپ کے سوا ہمارا دنیا میں کوئی ہے جس کے لئے زندہ رہنا ہے۔ اے جگر گوشہ تیرے! کروڑوں زندگیاں بھی ہوں تو تیرے قدموں پر قربان۔ ہمیں اپنے قدموں سے دور جانے کا مشورہ نہ دیجئے۔ اے محبوب کبریا کے محبوب نواسے! ہمیں اپنے قدموں میں نثار ہونے دیں۔ ہمیں اپنی جانوں کی قیمتیں وصول کرنے دیں۔ ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی اور بلندی مقدر یہی ہے کہ آپ ہمیں خود پر قربان ہوتا دیکھیں۔ ہماری جان نثاری کو ملاحظہ فرمائیں۔

اے امام الوقت! آپ کی جان ہم سب کی جانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ ایک ہم ہی کیا ہیں پوری کائنات سے زیادہ قیمتی ہے۔

یا امام! ہمارے خون کا ہر قطرہ آپ کے نام پر نثار ہو گا۔ اور جب ہماری روحیں ہمارے جسموں کو چھوڑ رہی ہوں گی تو وہ صدا دیتی ہوں گی۔ یا حسین علیہ السلام اتیری عظمتوں کو سلام۔

آپ ہمارے آقا و مولا ہیں۔ ہماری جانوں کے تم سے زیادہ مالک ہیں۔

عمر ہونہ و قربان جو آتا پہ وہ بندہ کیا ہے (اعلیٰ حضرت)

کہا رو کہ غلاموں نے محمد کے نواسے کو

کئی دن کے پیاسوں نے کئی دن کے پیاسے

ہمارے آقا و مولا ہمیں بھی پاس رہنے دیں

ہمیں بھی ظلم کی شمشیر کا ہر وار سہنے دیں

اے زہرا کے شہرین کر رہیں گے ہم ترا بالہ

تیرے قدموں میں مرنے کی تمنا ہے شیر والا

ہمیں ناموس احمد کے لئے قربان ہونے دیں

ہمیں قدموں میں آقا راحوں کی نیند سونے دیں

جہاں کی ظلمتوں میں شاہ والا روشنی تم ہو

ہماری جان بھی تم ہو۔ ہماری زندگی تم ہو

تمہیں جب دیکھ لیتے ہیں نبی کی دید ہوتی ہے

(صائم چشتی)

زیارت سے تمہاری عاشقوں کی عید ہوتی ہے

حضرت عباس نے کہا۔ یا امام! خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں
حضرت مسلم کے بھائیوں نے کہا۔ کہ تاریخ ہمیں کس نام سے یاد کرے گی۔ کہ ہم اپنے امام،
اپنے سردار اور چچا زاد بھائیوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور نہ کوئی تیر بھینکا نہ نیزہ چلایا اور نہ
تلوار چلائی۔ خدا کی قسم ہمیں ایسی زندگی کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو اپنی جان مال اولاد سب کچھ آپ کی
ذات پر قربان کر دینا ہے۔ عوسج نے کہا کہ میں اُس وقت تک اپنے امام کے لئے لڑتا رہوں گا
جب تک کہ میرے جسم میں خون لگا آخری قطرہ باقی ہے۔

سعد بن عبد اللہ حنفی نے عرض کیا۔ اے امام برحق! ہم اُس وقت تک آپ کے لئے
لڑتے رہیں گے جب تک ہمیں یقین نہ ہو جائے کہ ہم نے اللہ کے رسول کا حق محفوظ کر لیا ہے۔
خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میں قتل کیا جاؤں گا یا آگ میں جلایا جاؤں گا یا میری خاک ہوا میں تحلیل
ہو جائے گی۔ اور یہ سلوک میرے ساتھ ستر بار کیا جائے گا تو جب بھی آپکا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔
زہیر بن قیس نے کہا۔ اے نواسٹر رسول! خدا کا قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ اگر میں ہزار مرتبہ
آرے سے چیرا جاؤں تو جب بھی آپکا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

امام عالی مقام نے جب ایثار کے پیکروں کی گفتگو سنی تو انہیں دُعا دیتے ہوئے
فرمایا۔ اگر آپ سب لوگوں کی یہی خواہش ہے تو بلا ٹھیسے اور میرے ساتھ امتحان کی تیاری کیجئے
وہ صبح آنے والی ہے جس میں میرے اور تمہارے لاشے خاک و خون میں تر پتے ہوں گے۔
اب زیادہ دقت نہیں خیموں کو اکھاڑ کر قریب قریب کے لگا دو اور ان کے گرد اگر دایک
خندق کھود کر اُس میں لکڑیاں بھر دو۔ ہمیں یقین ہے کہ نہ بدی ناموس محمد کا بھی خیال نہیں کریں گے
اور خیموں پر حملہ کر دیں گے۔ اب جلد جلد تمام تیاریاں مکمل کر لو۔ صبح ہوتے ہی جنگ کا آغاز ہو جائیگا
پھر آپ ساتھیوں کو کام پر لگا کر اہلیت کے خیموں میں منرفین لے آئے

امام عالی مقام اور حضرت زینبؓ

آپ سب سے پہلے جناب سیدہ زینب کے خیمے میں تشریف لے گئے اور بہن کو سلام کر کے بیٹھ گئے۔ سیدہ کی بیٹی اٹھی پہلے بھائی کی گردن کو بوسہ دیا۔ اور پھر زلفوں کو چوما، امام نے ہمشیر کے ہاتھوں اور کلائی کو بوسہ دیا۔ اور ایک دوسرے کے پاس بیٹھ گئے۔ بہن بھائی کی طرف حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اور بھائی ہمشیر کی طرف ایسے دیکھ رہا ہے جیسے یہ آخری ملاقات ہے۔ دونوں کے لب خاموش ہیں لیکن دلوں کی دھڑکنوں میں پیغام رسانی جاری ہے۔ دونوں ہی سوچ رہے تھے کہ سلسلہ گفتگو کس طرح شروع کیا جائے۔ امام عالی مقام نے سکوت مرگ جیسی خاموشی کو توڑ کر سوال کیا۔

اے میری تقدس مآب اور عظیم ہمشیرہ! آپ نے آج سے پہلے اس طریقہ سے میری گردن اور زلفوں کو بوسہ نہیں دیا۔ میری عزیز بہن مجھے بتاؤ کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ سیدہ کی بیٹی نے وجہ بیان کرنے کا ارادہ کیا تو چیخ نکلی گئی اور رو کر فرمایا۔

اے شہزادہ عالم! اُمّی کی آنکھ کے تارے ادھ دھکھی بہن کے دل کے سہارے پیارے بھائی جان! آج مجھے اُمّی جان کا ایک فرمان یاد آ گیا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ وقت سر پر آچکا ہے جس کے لئے اُمّی حضورؐ نے وصیت فرمائی تھی۔ میری عمر بہت چھوٹی تھی۔ بنت رسولؐ کے آخری لمحات تھے۔ آپ نے مجھے آخری بار گود میں لیکر پیار کیا اور فرمایا۔ میری بیٹی میری ایک وصیت یاد رکھنا۔ مجھے تمہارے نانا جان نے بتایا تھا کہ میرا حسینؑ شہید کر دیا جائے گا۔ میں تمہیں وصیت کرتی ہوں کہ جب میرے حسینؑ پر ایسا وقت آئے تو ا۔ اپنے بھائی کا ساتھ دینا۔ پھر اُمّی جان نے مجھ سے وعدہ لیکر فرمایا کہ تم امام الانبیاءؑ کی نواسی ہو حیدر کو راکر بیٹی ہو کہیں اپنے وعدہ کو بھول نہ جانا۔

اے شہزادہ رسول! مجھے اُمّی جان سے کیا ہوا وعدہ ہمیشہ یاد رہا۔ مدنیہ منورہ سے چلتے وقت مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب اُمّی جان سے کیا ہوا وعدہ پورا ہونے کا وقت آچکا ہے اور آج کی رات مجھے اس بات کا بھی پورا یقین ہو گیا ہے کہ کل آپ کے گلوئے مبارک بظلم و ستم کی شمشیر چلی جائے گی۔ میرا ماں جابا بھائی شہید ہو جائے گا۔ اہل بیت کا قافلہ ٹٹ

جائے گا۔ ام نیلی دریاب کا سہاگ ابرو جائیگا۔ بتوں کے مجرہ کا چراغ بجھ جائے گا۔ بہن کے دل کا قرار ٹٹ جائے گا۔ اسی یقین کے ساتھ میں نے آپ کی گردن پر بوسے دیئے ہیں کہ کل اس گردن پر تلوار چلنے والی ہے۔ زلفوں کو اس لئے چوم رہا ہے کہ کل یہ عنبریں زلفیں خاک و خون میں لتھڑی ہوئی ہوں گی۔

بھائی جان آپ بتائیں کہ آپ نے میرے ہاتھوں اور کلائی کو کیوں بوسہ دیا ہے۔ جگر گوشہ بتوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان اگیا۔ تیری ہمدرد و غمگسار بہن! تیری طرح مجھ سے بھی وعدہ لیا گیا ہے۔ مجھ سے باہا حیدر کو ارٹنے وعدہ لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ میرے حسین! جب تم کو بلا کی سرزمین میں امتحان دے کر فرائض ذبح عظیم کی تکمیل کر رہے ہو گے تو میری بیٹی زینب بھی تیرے ساتھ ہوگی۔ وہ تمہارے امتحان میں برابر کی شریک ہوگی۔ وہ تیرے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دے گی۔ اپنے بچوں کو تجھ پر قربان کر دیگی اور پھر میرے حسین! وہ تیری شہادت کا صدمہ بھی برداشت کرے گی۔ اور جب تو شہید کر دیا جائے گا تو اُمت کے نیک حرام اُس کی کلائیوں میں زنجیریں پہنا دیں گے۔ میری ہمشیر میں تیرے ہاتھوں میں یزید لیول کی مٹھکڑیاں دیکھ رہا ہوں۔ کاش! اُس وقت حسین نے حجام شہادت نہ لیا ہوتا۔ اور اہل بیت کے ساتھ یہ سلوک کرنے والوں کی گردنیں ارادیتا لیکن پیاری بہن اب صبر کے سوا چارہ کار نہیں۔ قدرت کو یہی منظور ہے۔ حسین! کو اسی طرح امتحان دینا ہے اور حسین! کی بہن کو بھی اسی طرح صبر و استقامت کی تصویر بن کر فاطمہ کے دودھ کی لاج رکھنا ہے۔

میری عظیم اور قابلِ صدا احترام بہن! میں نے تیری کلائیوں کو اس لئے چوما ہے کہ ان میں میرے بعد مٹھکڑیاں پہنائی جائیں گی۔ حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ مجھے اُس وقت سخت بخار تھا۔ منبری چھو بھی جان میری تیار داری میں بھی مصروف تھیں اور میرے آبا حضور سے گفتگو بھی فرما رہی تھیں۔ وہ جب مجھے دیکھنے کے لئے آئیں تو والد گرامی امام عالی مقام نے مندرجہ ذیل شعر پڑھے۔

یادہراف لك من خلیل
کم لك بالاشراق والاصیل

من صاحب او طالب قتیل
والدہر لا یفتح بالبدیل
وانما الامر، الی الجلیل
وکلّٰ حی سالک السبیل

ترجمہ :- اے دنیا تجھ پر افسوس ہے کہ تو کیسی بے وفادوست ہے۔ صبح و
شام تیرے ہاتھوں کتنے لوگ قتل ہو جاتے ہیں۔ وقت نہ کسی کی رعایت کرتا ہے اور نہ ہی کسی
کا بدل قبول کرتا ہے۔ اور سارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں ہے۔ ہر زندہ موت کی
طرف جا رہا ہے۔

امام زین العابدین کہتے ہیں کہ جب پدرِ بزرگوار نے دو تین بار یہ شعر دہراتے تو میری حالت
اور بھی خراب ہو گئی۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا، آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ
سر پر مصیبت کی ایسی گھڑیاں اچکی ہیں جو ٹل نہیں سکتیں۔ میری بھوپھی نے جب یہ شعر سنے تو بے قابو
گئیں اور دودھ کر بھائی کے پاس پہنچیں اور فریاد و فغاں کرتی ہوئی بیہوش ہو گئیں۔

بچن جائیں گی، اس خبر کے ساتھ ہی میرا مشورہ ہے کہ تم علی اکبر کو ساتھ لو، علی اصغر کو گود میں اٹھاؤ
چند ہانسی جو ان بھی تمہارے ساتھ ہوں گے اور کسی محفوظ مقام پر چلی جاؤ۔ یاد رکھو! اگر تم میرے
ساتھ رہو گی تو تمہارا ہسٹاگ تو اجڑنا ہی ہے تمہاری گودیں بھی خالی ہو جائیں گی اور پھر تمہاری
نازک کلائیوں میں لوہے کی زنجیریں بھی ڈال دی جائیں گی۔

ازواج کا غم میں ڈوبا جواب

امام عالی مقام کی جانگداز گفتگو سنی تو حضرت رباب اور جناب ام لیلیٰ کی چیمیں نکل گئیں
امام کے سمجھانے پر چیموں کو دیا یا تو ہچکیوں اور سسکیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، دل تھکے ہوئے
ڈوب ہی گئے ہوں، نبضیں تھیں، کہ جیسے بند ہو کر ہی دم لیں گی، سینوں میں اٹھنے والا طوفان
سیل اشک بن کر بہنے لگا، لیکن آنکھوں میں اتنا راستہ ہی کہاں تھا جو طوفان کے اس شدید ریٹے
کو گزار سکیں، آنکھیں مسلسل اشک برسا رہی ہیں، بات کرنے لگتی ہیں تو بات نہیں ہوتی، ہچکی پر
ہچکی بندھی ہوئی ہے جسموں میں رو میں اس طرح پھٹک رہی ہیں جیسے ابھی نکل جائیں گی، بڑی
مشکل سے خاموش فریادوں کو سنبھالا اور دونوں بیبیوں نے آہ سرد پکھنچ کر کہا: اے امام
عالی مقام! آپ نے آج کیسی گفتگو فرمائی ہے۔

اے ابن رسول اللہ! اے ہمارے آقا و مولا! اے ہمارے ستراج! دنیا کی کروڑوں نعمتیں
اور آسائشیں آپ کے فقر و فاقہ پر قربان، ہمارے لئے یہی کیا کم ہے کہ ہم جنت کے نوجوانوں کے
سرور کی کنیزیں ہیں، سلطنت اسلامیہ کے روحانی ماحدار و شہریار کی لونڈیاں ہیں جناب بتول
اور سیدہ زینب کی خادما ہیں،

آپ شہزادہ کوثر ہیں، النوجوانان جنت کے سرور ہیں، ہمارے ستراج، آپ امام الانبیاء صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے چمن کی بہار ہیں، آپ نے ہم جیسی حقیر کنیزوں کو شہزادیوں سے بھی بلند و بالا
مرتبہ عطا کر دیئے ہیں، آپ نے ذروں کو آفتاب بنا دیا ہے، آپ کے فقر و فاقہ نے ہمیں
اسلوب زندگی سے آشنا کر دیا ہے، آپ کے افلاس نے جینے کا سلیقہ سکھا دیا ہے اور آپ
کی نسبت نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلبیت میں داخل کر دیا ہے آج ہم جیسا
خوش نصیب کوں ہے کہ ہم نواسہ رسول اور حاکم گوشہ متوال کی ساتھی ہیں۔

پھر جناب علی اصغر علیہ السلام کی والدہ مکرر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ لیکن اُسے میرے سرتاج! مجھے ایک بات کا افسوس ضرور ہے گا کہ آپ نے مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ میں آپ کے امتحان میں شریک ہو سکوں۔ میرے آقا آپ نے کیسے خیال فرمایا کہ اس کنیز کو اپنے قدموں سے دُور کر دے۔ کیا اس لئے کہ میں اپنے بیٹوں کو قربان ہوتے ہوتے نہیں دیکھ سکوں گی۔ اپنا سہاگ اُجڑتا ہوا برداشت نہیں کر سکوں گی۔ میرے حضور! یہ درست ہے کہ آپ کے بعد میں شاید زندہ نہ رہ سکوں۔ لیکن میرے آقا! میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں۔

میرا آپ کے سوا دُنیا میں اور کون ہے جس کے پاس جاؤں گی۔

حضور! آپ ہی تو میری زندگی ہیں۔ میری رُوح ہیں۔ میری جان ہیں۔ مجھے زندہ رہنے ہے تو آپ کے قدموں میں۔ آپ کے بعد جو زندگی ہوگی اُس کا نام زندگی کیسے رکھا جائیگا اُسا زندگی سے مرعبان ہزار دہے بہتر ہے جو آپ کے بغیر ہو۔

یہ جملہ کہا رقیۃ حسین علیہ السلام پر اس قدر غم طاری ہوا کہ آپ بے ہوش ہو گئیں۔ امام عالی مقام نے خیال کیا کہ شاید اب جان بڑھ ہو سکیں۔ پانی تو تھا ہی نہیں بیہوش کو کس طرح ہوش میں لایا جاتا۔ امام عالی مقام نے دامن سے نکھایا۔ دامن مسیحا کی ہولنے رُوح کو جہم سے پرواز کرتے کرتے روک لیا۔ جناب ام لیلیٰ نے آنکھیں کھول کر اپنے سرتاج کو دیکھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شہزادہ رسول نے تسلی و تسفی کی گفتگو فرمائی اور کافی دیر صبر و شکر کی تلقین کرنے کے بعد آپ نے بستر کے ساتھ ٹیک لگائی اور لیٹ گئے۔

امام الانبیاء کی تشریف آوری

آپ لیٹے ہی تھے کہ نیم خوابی کا عالم طاری ہو گیا۔ ان حالات میں نیند کس کو آسکتی ہے بس ملاقات کا بہانہ بننا تھا۔ خواب میں ملاقات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تاجدار کون و مکان امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نوائے کسب سے پیا پنا دستِ اقدس دکھا ہوا ہے اور آپ دُعا فرماتے ہیں۔ ”اے خداوندِ قدوس! میرے حسین کو صبر عطا فرما اور اجرِ عظیم عطا کر اللہم! اعط الحسین صبرا و اخرا طنا جان کے دستِ اقدس کی

برودت سے امام حسینؑ کے سینے میں اٹھنے والے درد و غم کے شعلے ماند پڑ گئے۔ اضطرابِ اضطراب کی عوارضاتِ بشری کے تحت جو تھوڑی بہت صورت تھی بھی وہ بھی ختم ہو گئی۔

نانا نے نواسے کے سینے پر ہاتھ کیا رکھا سینے میں صبر و رضا کا خزانہ بھروپا۔ دل میں سکون و اطمینان کے سمندر بند کر دیئے۔ شوقِ شہادت کے جذبات کی دنیا آباد کر دی۔ نواسے نے مدینہ سے چلتے ہوئے کربلا میں تشریف لانے کی التجا کی تھی، نانا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ان حالات میں دنیا کی کون سی طاقت حسینؑ کے عزم میں لغزش پیدا کر سکتی تھی۔

کربلا کے دشتِ لالہ زار میں امتحان لینے والے بھی مصطفیٰ ہیں اور امتحان دہانے والے بھی مصطفیٰ پھر اس امتحان میں کس طرح کمی رہ سکتی تھی جس معلم نے تعلیم دی ہو اگر وہی ممتحن بن کر آئے تو پھر پرچے کتنے آسان ہو جاتے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

میرے حسین! ہم ہر مقام پر تمہارے ساتھ رہیں گے۔ کسی بھی قسم کے اضطراب کی ضرورت نہیں۔ نہایت صبر و سکون سے اپنے فرائض کی تکمیل کرو۔ کل تم منصبِ شہادت سے سرفراز کر دیئے جاؤ گے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ٹی ختم کر دی جائے گی سپانی نہ ملنے کی شکایت نہ کرنا میرے بیٹے! تم اور تمہارے ساتھی کل اپنا روزہ میرے ساتھ افطار کریں گے۔ کتنی بھیج پڑو اور حسین ملاقات تھی۔ جوشِ مسرت سے امامِ عالی مقام کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد آپ تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو گئے۔ ادب.....

تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔ امامِ عالی مقام نے نوافل ادا فرمائے۔ ذکرِ اذکار کے بعد حضرت علی اکبرؑ کو اذان کے لئے حکم فرمایا۔ شبیرِ مصطفیٰ نے اذان کہی، امامِ اوقت امام حسینؑ نے فرائضِ امامت ادا کئے۔ اللہ والی جماعت نے اقتدار میں نماز پڑھی۔ سائے یزیدی فوج کی تلواریں چمک رہی تھیں اور نمازِ محبت ادا ہو رہی تھی۔ فرشتے جھوم اٹھے اور اس عظیم نماز کا اجر جمع کرنے کے لئے جھولیاں پھیلا دیں۔ آوازِ سروش آتی ہے۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں

نمازِ حق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

امامِ عالی مقام کے ساتھی حاضرِ خدمت ہیں۔ آپ نے خیموں کا مشاہدہ فرمایا۔

حسبِ الحکم سب کچھ درست کر دیا گیا تھا۔ خیمے ساتھ ساتھ کر کے طنابوں میں طنابیں ملا دی

گئی تھیں اور خیموں کے ساتھ ساتھ خندق کھود کر خشک لکڑیوں سے بھری گئی تھی۔
 اب سپہ سالار اعظم کا واسعہ اور فاتح خیر کا بیٹا اپنی عسکری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا
 ہے۔ آپ کے ساتھ اگرچہ گنتی کے چند ساتھی تھے۔ لیکن آپ نے ان چند افراد پر مشتمل
 جھوٹے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا جس کی مثال پوری تاریخ عالم نہیں پیش کر سکتی۔ آپ
 کے ساتھ بہتر جاننا تھے۔ جن میں بشیرؓ سوار تھے اور چالیس پیادے۔ آپ نے
 ایک جانب حبیب بن مظاهر اور دوسری جانب زہیر بن قین بجلی کو سالار لشکر
 مقرر کیا اور حق و صداقت کا حسینی پرچم حضرت عباس ابن علی کو محنت فرمایا۔
 جب یہ ملکتی لشکر ترتیب دیا جا چکا تو آپ نے تحفہ شہادت کے لئے تیم فرمایا اور
 خود بھی میدان میں تشریف لے آئے۔

میدان قیامت

امام عالی مقام نے میدان کربلا کو دور تک دیکھا۔ تاحہ نگاہ یزیدی فوجوں کا سیلاب نظر آیا
 پر اپنے گنتی کے چند ساتھیوں کی طرف دیکھا اور بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اٹھا دیئے اور عرض کیا
 اے خداوند مقدس! حسینؑ اپنی بے لفاظی کے ساتھ حاضر دربار ہے اے استقامت فرما
 یا اللہ! یہ تیرے چند غلام تیرے نام کی عظمت کے پرچم کو بلند کرنے کے لئے اُٹھے ہیں۔
 انہیں ہر کی توفیق دینا۔ اے میرے خالق و مالک! حسینؑ اس زبردست امتحان میں
 تیرے فضل و رحمت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یا اللہ! مجھ پر فضل و رحمت فرما۔ الہی میں
 تیرے محبوب کی زلفِ عنبریں کا واسطہ دیتا ہوں مجھے دنیا کے ان ظلمات کدوں میں روشنی کا
 میرا رونا دے۔

خداوند! تیرے دربار میں شبیر حاضر ہے
 میری گردن برائے خنجر و شمشیر حاضر ہے

تیرے دربار میں اک التجاء شبیر کرتا ہے
 الہی استقامت کی دعا شبیر کرتا ہے

مام چشمی

خداوند! مجھے اس امتحان میں کامیابی دے
 حضورِ سرورِ عالم میں شرفِ باریابی دے
 اس نعا کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے قرآنِ مقدس کی یہ آیت
 تلاوت فرمائی :-

کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ
 فِئَتَهُ كَثِيرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ
 مَعَ الصَّابِرِينَ (البقرة ۲۴۹)
 کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے
 زیادہ گروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور
 اللہ صابروں کے ساتھ ہے ۔

اور پھر فرمایا کہ غالب آنے کا انحصار زندگی اور موت پر نہیں۔ غلبہ یہی ہے کہ گروہ
 کٹتی ہے تو کٹ جائے لیکن حق و صداقت کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا جائے۔ چند لمحوں
 کی مہمان عارضی زندگی کو راہِ خدا پر قربان کر کے ابدی حیات کے مالک بننے کا نام ہی غالب
 آنا ہے۔ غالب وہی ہے جو ظلم و ستم کے ہر وار کو اپنے سینے پر روکے۔ غالب وہی
 ہے جو میدانِ جہاد سے پشت پھیر کر نہ دوڑے۔ غالب وہی ہے جو حق و صداقت کے تحفظ
 کے لئے قلت و کثرت کی پرواہ کئے بغیر اپنی جان کی بازی لگا دے۔ غالب وہی ہے
 جو صبر و استقامت کا پیکر بن کر باطل کے سامنے ڈٹ جائے۔ غالب وہی ہے جو ہر مصیبت
 کو پوری رضا مندی سے قبول کرے۔ غالب وہی ہے جو ظلم و جبر کے طوفانوں کے
 سامنے صبر و شکر کی چٹان بن جائے۔ غالب وہی ہے جس کا سینہ زخموں سے پھلنی ہو
 مگر حرفِ شکایت زبان پر نہ آئے۔ اود الشاء اللہ ہم غالب رہیں گے۔ فتح ہمیشہ حق کی
 ہوتی ہے۔ ہم جانیں دیکر بھی الشاء اللہ فاتح قرار پائیں گے۔ ہر حالت میں فتح ہماری ہوگی
 اس لئے کہ ہم حق پر ہیں اور حق ہمارے ساتھ ہے۔
 اور پھر آپ نے فرمایا کہ خیموں کے پیچھے خندق کی لکڑیوں کو آگ دے دو۔ تاکہ
 عقب کے حملہ کی بھی روک ہو جائے اور خیموں کی بھی حفاظت ہو جائے۔ امامِ عالی مقام کے
 حکم سے لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔

نزدیکی فوج اور پی لشکر

جنگ یدما ہوئی تو لشکر کفار کی تعداد ایک ہزار اور سپاہ مصطفیٰ کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ تین گنا فوج سے ٹکرانا بھی بہت بڑی بات ہے۔ لیکن کربلا کے میدان میں شہزادہ مصطفیٰ کے مقابلہ میں آنے والے شیریں امت کی تعداد تین سو گنا زیادہ تھی۔ بہتر کے مقابلہ میں بائیس ہزار ایک کے مقابلہ میں تین سو۔

تاریخ عالم میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں کہ فوجوں کی تعداد کی اس نسبت سے باقاعدہ جنگ لڑی گئی ہو۔ اقبال تعداد کی اس کثرت و قلت کا یوں موازنہ کرتے ہیں۔

دشمنانِ بھول ریگ صحرا لا تعد

دوستانِ اودہ یزدان ہم عدد

بحساب ابجد یزدان کے عدد بھی بھتریں اور امام عالی مقام کے ساتھیوں کی تعداد بھی بہتر تھی۔ معتبر روایت کے مطابق امام عالی مقام کے حبیب اطہر پر تیروں اور تلواروں کے تھتر زخم تھے اور ان کی یہ تعداد دل کے زخموں کے برابر تھی۔ ہر ساتھی کی شہادت کا ایک ایک زخم قلبِ حسین کو بھی مجروح کرتا تھا۔ بہتر زخم جوانوں کے ذبح ہونے کے تھے اور بہتر وں زخم ایک معصوم بچہ کی شہادت کا تھا۔ وہ معصوم بچہ جو پانی کے چند قطرے چاہتا تھا مگر اُسے نہ ہر میں بجھا ہوا تیر ملا۔

یزدان کے عدد بہتر ہیں۔ قوتِ یزدان کا ظہور حسین کی طرف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حق و باطل کا یہ معرکہ باقاعدہ طور پر قائم ہوا۔ ورنہ اتنی کثیر تعداد تو چند لمحوں میں اتنے آدمیوں کو کاٹ کر پھینک سکتی ہے۔ ان حالات میں باقاعدہ جنگ اور مقابلہ تجر خیز اور حیرت انگیز ہے۔ مؤرخ انگشت بندال رہ جاتا ہے اور اس کو یک طرفہ کارروائی قرار دینے پر مجبور ہو جاتا ہے مگر اس یک طرفہ کارروائی میں بھی ابنِ حیدر کتار نے قوتِ غیر شکن کا پورا پورا مظاہرہ فرمایا ہے اور کوئی ہمتا تو ان مایوس کن حالات میں دم گھٹ کر مر جاتا۔ مقابلہ کسی اور شخص سے ہوتا تو یزید کی اتنی بڑی فوج انہماک شخص قتل کو لے بغیر نہ مقصد میں کام لے سکتی۔

مگر اُن کا مقابلہ حسین سے تھا۔ اُس امام حسین سے جس کے سینے میں محمد عربی کا نور جلوہ بار تھا۔ جس کی رگوں میں حیدرِ کُزار کا خون گردش کر رہا تھا اور جس کے خون میں فاطمہ کے دودھ کی غیرت اور طہارت رچی ہوئی تھی۔ کون امام حسین !

خون سے جس کے بنائے شرع محکم ہو گئی جس کی قربانی سے تنظیمِ دو عالم ہو گئی
بزمِ باطل جس کا لغو سُن کے برہم ہو گئی جسکی خونیں آستینِ ملت کا پرچم ہو گئی

جس کی قربانی سے باطل کا کلیجہ کٹ گیا

سامنے تھا جو ہزاروں کے اکیلا ڈٹ گیا (صائمِ چشتی)

یزید کے ہمنوا بھی یہیں پر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ اپنی نام نہاد تاسخی ریسرچ کے ساتھ ساتھ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ واقعہ کربلا افسانہ نگاروں کا تخیل ہے جس میں خواہ مخواہ حسین کے چند ساتھیوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا گیا حالانکہ سپاہِ شام نے انہیں چند ہی لمحوں میں ختم کر دیا تھا۔ مگر یہ محقق صاحبان بھول جاتے ہیں کہ سپاہِ یزید سے ٹکرانے والا فاتحِ خیر حیدرِ کُزار کا بیٹا حسین تھا۔

کون امام حسین ! جس نے نکواروں کی جھنکار کے پس پردہ مسکراتی ہوئی ابدی زندگی کا پردہ اٹھا دیا۔ جس نے عروستہ شہادت کے حسن و جمالِ جہاں آرا کو بے نقاب کر دیا۔ جس نے موت کے گھونگٹ میں پھنسی ہوئی حیاتِ سرمدی کے رخسے آئینل اٹھا دیا۔ جس نے دنیا والوں کو ہمیشہ زندہ رہنے کا سبق سکھا دیا اور آشکارا کر دیا کہ

لاکھ ابھرے پر کبھی باطل ابھر سکتا نہیں

موت سے بھی زندہ و جاوید مر سکتا نہیں (مغیثِ فریدی)

کون امام حسین ! جس کا دعویٰ تھا کہ حکومت کی پائداری کا راز رُوحوں پر حکومت کرنے میں ہے جسموں پر نہیں۔ اور پھر اُس نے اپنے اس عظیم دعویٰ کی دلیل بن کر دنیا والوں کو کربلا کے میدان میں دکھا دیا۔ یزید نے حکومت کرنے کے لئے جسموں کا سہارا لیا تھا۔ یزید مر گیا تو اُس کی حکومت بھی مر گئی۔ حسین ملکِ روحانیت کے تاجدار تھے۔ آپ کی سلطنت کا دار و مدار مملکتِ ارواح پر تھا۔ اور پھر آپ کا جسم نازنین کٹ جانے پر بھی اُن کی حکومت مومنوں کے قلوب و ارواح پر تابدالاً باد قائم و دائم ہے۔ یزید کا خیال تھا کہ میرے ظلم و جبر کی تلوار انسانِ کامل کا گلا کاٹ دے گی تو انسانیت مرجائے گی۔ مگر خونِ حسین کا پیغام تھا۔

ظلم سے انسانیت مجروح ہو سکتی نہیں
 جسم ہو سکتا ہے و فانی روح ہو سکتی نہیں (منیث فریدی)
 کون امام حسین! جو منارہ نور اور سپر استقلال ہے۔ مجتہد استقامت اور شان
 رب ذوالجلال ہے۔ کون حسین! جس کا عشق بھی بے مثال ہے اور عرس بھی بے مثال ہے
 جس کی قربانی بھی بے مثال ہے اور عزم بھی بے مثال۔ جس کی قوت قوت لایزال ہے اور جس کا
 کارنامہ لافانی و لازوال ہے۔

ہاں اب بھی جو منارہ عظمت ہے وہ حسین
 جس کی نگاہ مرگ عداوت ہے وہ حسین
 اب بھی جو محور درس شہادت ہے وہ حسین
 آدم کی جو دلیل شرافت ہے وہ حسین

واحد جو ایک نمونہ ہے ذبیح عظیم کا
 اللہ سے انتخاب حذر کے حکیم کا (بوش)
 کون حسین! جو قین دن کا پیاسا ہے مگر ساقی کوثر و تسنیم ہے۔ جو یگ زار کو بلا میں ذبح
 ہوا ہے مگر وارث خلیفہ عظیم ہے۔ جس کی قربانی تفسیر ذبیح عظیم ہے۔ جو خاک و خون میں بھرا
 ہوا بھی لائق تعظیم ہے۔ جس کا احترام احترام رسول کریم ہے۔ جس کی شان شان رؤف الرحیم ہے
 جو جنت و کوثر کا قسیم ہے اور کرہ کے طود کا کلیم ہے۔ کون حسین!

جس نے سمجھایا کہ شانِ آمرت کچھ نہیں
 دل غنی ہے گر تو یہ دولت کومت کچھ نہیں
 قوت حق کے علاوہ اور قوت کچھ نہیں
 ذہن کا اک نوشنا دھوکہ ہے عشرت کچھ نہیں (بوش)

خون سے جس نے کیا تحریر اس عنوان کو
 جان دے کر بھی بچا لو غیرت ایساں کو (صائم چشتی)
 کون حسین! جس کے خون کا ہر قطرہ اعلان کر رہا تھا۔

جان دیتا ہے مسلمان وحدہ دیدار پر
 رقص کرتا ہے مجاہد تیغ کی جھنکار پر (منیث فریدی)
 کون حسین! جو معلم انسانیت اور روح انسانیت ہے۔ جو شان انسانیت اور فخر
 انسانیت ہے۔ کون حسین! جو مرکز ہدایت اور تعمیر عشق ہے۔ کون حسین! جو مزاج
 شناس قدرت اور رازدار مشیت ہے۔ کون حسین! جس کا خمیر غیرت اور جس کا خمیر ضمیر
 مالت ہے۔

جو صاحبِ مزاجِ نبوت ہے وہ حسینؑ جو وارثِ ضمیرِ رسالت ہے وہ حسینؑ
جو واقفِ اشارۃ قدرت ہے وہ حسینؑ جس کا وجودِ فخرِ مشیت ہے وہ حسینؑ

غازہ ہے جس کا خون رُخِ کائنات کا

ہر قطرہ کوہِ نور ہے تاجِ حیات کا (جوش)

کون حسینؑ! جو شرافت کی جان اور امانت کا نور ہے۔ جس کا نقشِ قدم عاشقوں کا طور ہے۔ کون حسینؑ! جس کے سِرِ اقدس پر امانت کا تاج ہے۔ زیرِ خنجر جس کی معراج ہے۔ زمانہ جس کا محتاج ہے اور وہ خود لا یمتاج ہے۔ اَشکوں کے موتی جس کا خراج ہے رُحوں پر جس کا راج ہے۔ غریبوں کی جس کو لا ج ہے۔ جو معرفت کا سراج ہے اور اُمت کا سرتاج ہے۔

کون حسینؑ! جس کا ضمیر بھی غیور تھا اور قلب بھی غیور تھا۔ جس کی رُوح بھی غیور تھی اور جسم بھی غیور تھا۔ جس کی نگاہوں میں غیرت کی بجلیاں تھیں۔ جس کے سینے میں غیرت کا بحر بیکناں تھا۔ کون حسینؑ!

عزت پر جس نے مرکوزِ فکر کے دم لیا حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا (جوش)
صدق و منافقت کو جدا کر کے دم لیا جس نے بربدیت کو فنا کر کے دم لیا

ضوئے جس کے خون سے ذرے دک گئے

ظلمت کا حلقہ توڑ کے ایساں چمک گئے (تمام چشتی)

کون حسینؑ! جس نے رُوحِ اسلام کو کفر و الحاد کے شکنجے میں جکڑا ہوا دیکھا تو اُسے آزاد کروانے کے لئے حجرۂ بتوں سے کہلا میں آگیا۔ کون حسینؑ! جو روزانہ تین ہزار نوافل ادا کرتا تھا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ حجرہ کے بجائے پتے ہوئے میدان میں سجدہ ریزی کا وقت آگیا ہے تو وہ مدینہ کی بہاروں کو چھوڑ کر دشتِ نینوا میں آگیا۔ کون حسینؑ! جس نے معبودِ برحق کے حضور میں شب و روز سجدے کئے اور اب اُن لاکھوں سجدوں کا حاصل وہ سجدہ کرنے کیلئے بیکار ہو گیا جو تلوار کے نیچے گزرنے پر رکھ کر ہی ادا ہو سکتا تھا۔

ہاں ہاں وہی چھوٹا عشق و محبت جس میں کیفِ دیدار بھی ہے اور لذتِ وصال بھی۔ وہی سجدۂ شوق جس سے کلاحت اندوز ہونے کے لئے گرمیوں کی آگ برساتی ہوئی دوپہر میں بجائے آبِ خنک کے آبِ تیغ سے گردن پر منسج کو ناپڑتا ہے اور بجائے ٹھنڈے پانی کے

اپنے ہی خون میں لتھڑی ہوئی گرم گرم ریت سے تیمم کرنا پڑتا ہے ۔

سرکنا کے سجدہ میں کی شرح والسجد واقتراب

کتنی ارفع ہے جنابدا بن حیدر کی مناز (نور ایم اے)

کون حسینؑ! جس کے بھائی عباسؑ علمدار کے کٹے ہوئے بازو تھوار بن کر امت کی
ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے پہنچے گئے ۔

کون حسینؑ! جو کل بھی زندہ تھا، آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہیگا ۔

کون حسینؑ! جس کے سامنے دشمنوں کے ہزاروں سپاہی صفیں باندھے کھڑے ہیں
لیکن وہ بغیر کسی اضطراب و اضطرار کے اپنے چند ساتھیوں کی صفیں آراستہ کر چکا ہے اور
خیموں کے نیچے کھودی ہوئی خندق میں لکڑیوں کو آگ دے چکا ہے ۔

جہنمی جہنم میں

آگ کے شعلے بلند ہوئے تو یزیدی فوج سے ایک لعنتی مالک بن عروہ کو آگے بڑھا اور بلند آواز سے پکارا۔ حسین! تمہیں آخرت میں تو جہنم میں جانا، کاتھا اس دنیا میں ہی اپنے لئے جہنم تیار کر لیا ہے (معاذ اللہ)۔

امام عالی مقام نے فرمایا کَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللَّهِ۔ او دشمنِ خدا تو جھوٹ بکتا ہے۔ ظالم تو یہ گمان کرتا ہے کہ حسین دوزخ میں جلتے گا اور تو ہمیشہ میں۔ ابھی آپ نے یہی جملہ کہا تھا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت مسلم بن عوف شجہہ نے تلوار کھینچ لی اور اُس شقی اور بد بخت کی طرف جانے لگے۔ آپ نے فرمایا اِسْلَمْ رُکْ جَاؤ۔ میں ذوالسُورِ ہوں، میں حیدرِ کوار کا بیٹا ہوں میں اپنی طرف سے جنگ کی پہل نہیں کروں گا۔ اور پھر امام عالی مقام نے قبلہ کی طرف رُخ فرما کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔ اَللّٰهُمَّ اَخِذْ بِالْاِمَامِ النَّاسِرِ یا اللہ مالک بن عروہ کو آگ کی طرف کھینچ لے

امام عالی مقام کے یہ الفاظ تھے یا قہر و غضب کی بجلیاں جو ایک دم مالک بن عروہ پر ٹوٹ پڑیں۔ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ اجَابَةٌ۔ دعائے مظلوم تھی فوراً بابِ الحجاب سے ٹکرائی۔ مالک بن عروہ کا گھوڑا ڈر کر بھاگ اٹھا۔ وہ اپنے دھیان میں اوپر بیٹھا تھا۔ لگا پر ہاتھ مضبوط نہیں تھے۔ گرنے لگا تو زین کو مضبوطی سے پکڑ کر اوپر لیٹ گیا۔ گھوڑا رادھرا دھر میدان میں بھاگتا رہا۔ اُس نے چاہا کہ چلانگ لگا دوں لیکن پاؤں رکاب میں اُلجھ گیا۔ ہمت سے کام لیکر پاؤں نکالنے کی کوشش کی تو اُس وقت اُسی آگ تک پہنچ چکا تھا جو خیموں کے پیچھے امام نے جلا رکھی تھی۔ اب کیا تھا بے سدھ تو ہو ہی چکا تھا آگ میں گرا اور واصلِ جہنم ہو گیا۔ گھوڑا بھاگتا ہوا پھر واپس ہو گیا۔

اُس لعین کا یہ حشر دیکھا تو امام عالی مقام نے سجدۂ شکر ادا کیا اور پھر بلند آواز میں فرمایا۔ یا اللہ! ہم تیرے رسول کی اہل بیت اور اولاد میں۔ ہماری ظالموں کے مقابلہ میں داد دے، فرما۔ یزیدی فوج کے ہر اول رستے نے بھی آپ کی گفتگو سنی۔ ابنِ اشعث یزیدی

نے کہا۔ حسینؑ! تمہیں رسول خدا سے کیا نسبت ہے جو ہر وقت اولادِ رسول ہونے کی لاف زنی کرتے ہو۔ اماں عالی مقام نے فرمایا۔

یا اللہ! کیا میں تیرے رسول کا نواسہ نہیں ہوں؟ یہ شریعتِ تیرے محبوب سے میرا نسب منقطع کرتا ہے۔ اسے ذلیلِ خواری فرما۔

چشمِ زدن میں التجائے حسینؑ بارگاہِ خداوندی میں پہنچ گئی۔ ابنِ اشعث کو پیشاب کی حاجت ہوئی۔ گھوڑے سے چھلانگ لگا کر رفعِ حاجت کو گیا۔ سیاہ بچھونے ایسے مفتام پر نیش زنی کی کہ اگر زندہ بھی رہتا تو اس کا سلسلہٴ نسل منقطع ہو جاتا۔ مگر وہ اس زہر کی تاب نہ لا کر فوراً ہی واصلِ جہنم ہو گیا۔

خطبہ امام، اتمامِ حجت

امام عالی مقام نے یزیدی لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ میرے مقابلے میں آنے والو! جان لو

أَنَا بْنُ عَلِيٍّ الْمُطَهَّرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
كَفَّارِي بِهَذَا مَضْرُوعِينَ أَفْخَرَمَ

اے اہلِ عراق! ہم تمہیں قسم دیتے ہیں۔ اگر ہم سچ کہیں تو سچ کہہ دینا۔ اور اگر جھوٹ ہو تو جھوٹ کہہ دینا۔ سنو! اچھی طرح کان کھول کر سن لو۔ پھر نہ کہنا کہ ہمیں احساس نہ دلا یا گیا۔

میں اس رسول کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ مجھ کو اس مقدس رسولؐ نے اپنا بیٹا کہا ہے۔ جس کی اُمت ہونے کے بعد عویدار ہو۔ میں اس ماں کا بیٹا ہوں۔ جس کو رسول خداؐ نے اپنا لکڑا کہا ہے اور سیدۃ النساءِ العالمین فرمایا ہے۔ میرے باپ کا نام جیدِ کرار ہے۔ وہی جیدِ کرار جس کو تم اپنا روحانی پیشوا مانتے ہو۔ جس کے ہاتھوں پر تم نے بیعت کر رکھی ہے۔

ہاں! ہاں! وہی جیدِ کرار جس کو رسول اللہؐ نے اپنی جان کہا۔ جس کے خون کو اپنا خون اور جس کے گوشت کو اپنا گوشت کر۔

اور میں حسین ہوں جس کو رسول خدا نے اپنی خوشبو فرمایا ہے۔ اپنے گلشن کی بہار رکھا ہے۔ نوجوانانِ جنت کا سردار کہا ہے اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔

اور ہاں! میں وہی حسین ہوں جس کو تم نے سینکڑوں خطوط لکھ کر بلوایا ہے۔ پھر آپ نے نام لے لیکر مخاطب فرمایا۔ کہاں ہے ابن مرد، کہاں ہے مختار ثقفی، کہاں ہے رعانہ بن شداد، کہاں ہے عارب رقاد، کہاں ہے شیبہ ربیع، کدھر ہے عمرو ابن سعد، کہاں ہے عمرو بن الحجاج۔ کہاں ہے عبدالرحمن بن مخنف، کہاں ہے مسیب فرازی، کہاں ہے طارق ائش اند کہاں ہے فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں۔ آدا اور سلمے اگر مجھے جواب دو کہ میں نے سچ کہا ہے یا جھوٹ۔

اگر سچ کہا ہے تو پھر بتاؤ کہ تم بدل کیوں گئے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے سر پر امامِ انبیاء کی دستار ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میری گردن میں حیدرِ کرار کی تنوارِ جمالت ہے۔ کچھ تو جواب دو تمہاری زبانیں کیوں گنگ ہو گئیں!

ظالموں! تم نے تو اپنے خطوط میں مجھے اپنا امام تسلیم کر لیا تھا اب اللہ سے کہو، ہر گئے ہو کوفیوں کے سر شرم و مذمت سے جھک گئے یہ ندامت نہیں ڈھٹائی اور بے حیائی تھی ایک آواز آئی حسین تم جھوٹے ہو، فرمایا، لعنت اللہ علی الکاذبین کسی نے کہا کہ حسین اپنی بات ختم کرو، کیوں مغز چاٹ رہا ہے۔

ایسا نے فرمایا الحمد للہ! حسین نے امامِ حجتِ فاقہ ادا کر دیا۔

حسین جلتے تھے کہ ایک گروہ پیدا ہو گا جو کوفیوں کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کرے گا۔ یہ امامِ حجت اسی لئے تھا کہ آئندہ نسلس تاریخ کو مسخ نہ کر سکیں۔

حق و باطل کی جنگ

شرع ہو جاتی ہے!

آپ نے خطبہ ختم کیا تو عمرو بن سعد آگے بڑھا اور یوں کہنے لگا۔
حسین! ان خطبوں اور بے فائدہ یاد دہانیوں کو چھوڑو۔ کام کی بات کرو۔ یا تو زبیر
 کی بیعت اور ابن زیاد کی اطاعت کرو اور یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تاکہ میں تمہیں قتل
 کر کے اپنا انعام حاصل کر سکوں۔

پھر ابن سعد نے اپنی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ابن زیاد امیر کے سامنے گواہی
 دو گے کہ حسین کی طرف پہلا تیر چلانے والا ابن سعد تھا۔ اور پھر اس نے تیر کمان میں رکھا
 اور شہزادہ رسول کی طرف چلا دیا۔ تیر خطا گیا۔

امام عالی مقام نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کا غضب ہو کہ انہوں
 نے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے بیٹے مان لیا ہے اور اپنے پیغمبروں
 کی شان میں غلو کی حدوں سے بھی بڑھ گئے۔ مگر افسوس ہے کہ تم اس قدر پستی کی طرف آگئے
 کہ اپنے پیغمبر کے بیٹے کو ذبح کر دینا چاہتے ہو۔

کر جلتے معائیں میں امام عالی مقام کی طرف پہلا تیر چلانے والا ابن سعد تھا۔
 سعد باپ کا بھتیجا بٹیا۔ جلتی باپ کا جہنمی بیٹا۔ اسے اتفاق کی بات کہہ لیجئے یا اسرار الہیہ
 کا اہم دے لیں، اس کے باپ کا نام سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جنگی اہل میں گھار
 کی طرف پہلے تیرا ہنی نے چلایا تھا

کوئی سعد ابن وقاص! جس کی کمان میں سرکارِ دو عالم کے پکڑائے ہوئے
 تیر چلتے تھے۔ سعد کے ہاتھ میں کمان تھی امام الانبیاء کے ہاتھ میں تیسرے تھے۔ آپ تیر پکڑا کر
 فرماتے کہ سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان کفار پر تیر چلاؤ۔ پھر تیر کیسے خطا ہوتے
 سعد رسول اللہ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے تھے۔ دشمنوں کی طرف سے رسول اکرم
 پر برسائے جانے والے تیروں کو اپنے سینے کی ڈھال پر روکتے۔ وہ مقدس کمانچہ

میں رسول اکرم کے پکڑائے ہوئے تیر چلتے تھے۔ آج بھی مدینہ منورہ میں عشاق کی زیارت کے لئے مسجد ہے۔ زائرین دیکھتے ہیں اور اپنے قلوب کو منور کرتے ہیں۔ سعد بن ابی وقاص کی عظیم یادگار کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کی دو اور بھی عظیم یادگاریں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک قرآن مجید جو حیدر گوار کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے اور ایک لکڑی کا "ہوڑا" ہے جناب سیدہ فاطمہ الزہرا کے دروازے کا۔ یہ تینوں چیزیں ایک ہی مقام پر کیوں جمع ہیں یہ اہل وجدان و محبت ہی خوب جانتے ہیں۔ یہ ایک نکتہ تھا جو ہم نے پیش کر دیا۔ ایک لطیف اشارہ ہے جسے سمجھنے والے سمجھ جائیں گے۔

اب کربلا میں آئیں ادھر سعد بن ابی وقاص کا بیٹا عمرو بن سعد ہے۔ اس نے بھی پہلا تیر چلایا ہے مگر نواسہ رسول پر۔ باپ نے رسول اللہ کی طرف آئو اے تیروں کو اپنے سینے پر روکا اور بیٹے نے اپنا تیر جان رسول پر چلایا۔

یہ قدرت کی تقسیم ہے۔ فطرت کے اسرار و رموز ہیں۔ مشیت کی نیرنگیاں ہیں جنہیں سمجھ لینا نہایت مشکل ہے۔

حُرسین کے قدموں میں

امام عالی مقام نے خطبہ ختم فرمایا تو حُرک آنکھوں میں پڑے ہوئے غفلت کے پڑے اتر گئے۔ دل کی دنیا میں انقلاب آگیا۔ حقیقت بے نقاب ہو گئی، نواسۂ رسولؐ کا ہر جُملہ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا اور ضمیر جاگ اُٹھا۔ حُر گھوڑے پر بیٹھا ہوتا بار بار پہلو بدلتے لگا۔ حُر کے ساتھیوں نے یہ حالت دیکھی تو اس کے بھائی مصعب بن ربیع نے کہا بھائی جان آپ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔ آپ کی شجاعت اور بہادری پر تو بڑے بڑے جنگجو رشک کرتے ہیں بآپ کی تلوار کا پودے عراق اور شام میں شہر ہے اور آپ کی سپہ گری کا بڑے بڑے بہادر لوہا مانتے ہیں پھر یہ اضطراب کیسا اور یہ اضطراری کیفیت کیوں ہے؟ کیا آپ موت سے ڈر گئے ہیں؟

حُر نے کہا، نہیں! میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں جہنم کے ان شعلوں سے ڈرتا ہوں جس کی پیٹ میں محمدؐ کے نواسے کے دشمن آنے والے ہیں۔ پھر اس مرد حق پرست نے گھوڑے کو تازیانہ لگا دیا۔ جب عمرو بن سعد کے قریب سے گذرا تو کہا۔

ابن سعد! خدا کا خوف کرو اور جہنم کی آگ سے ڈرو جو تمہیں قتلِ حسینؑ کے عوض ملنے والی ہے۔ اب بھی وقت ہے نواسۂ رسولؐ کے پاؤں پکڑ لو۔ میری طرف دیکھو میں تمہارا ساتھ چھوڑ کر حسینؑ کی طرف جا رہا ہوں۔ جنت کی خواہش ہے تو میرے ساتھ آ جاؤ۔ لیکن ابن سعد کب یہ بات ماننا تھا۔ اُسے تو ”رے“ کی حکومت حاصل کرنا تھی۔ یہ مختصر پیغام دینے کے بعد حُر گھوڑا دوڑاتا ہوا چشمِ زدن میں امام عالی مقام کے سامنے تھا۔ گھوڑے سے پھلانگ لگائی اور امام کے قدموں میں گر پڑا

شہزادہ رسولؐ نے پوچھا حُر کیوں آئے ہو؟
عرض کیا آقا آپ ہی نے تو بلایا ہے

پوچھا کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا اپنے جرم و گناہ کی معافی۔ یا امام الوقتؑ میں نے بہت بُرا جرم کیا ہے۔ شہزادہ کوہن میں آپ کا گنہگار ہوں۔ آپ پر یہ سب مصیبت میری ہی وجہ سے آئی ہے۔

لے بعض روایتوں میں ہے کہ وہ شخم جو کھائی سنہ یکا کو اُڑتا

حضور! میں بہت بڑا خطا کار ہوں۔ میں نے آپ کے قافلے کو روکا تھا۔ آپ کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا تھا۔

اے جگر گوشہ بتوں! میں نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ اس قدر سنگدل ہو جائیں گے۔ مجھے یقین تھا کہ یقیناً کوئی پُر امن حل تلاش کر لیا جائے گا۔ اے ابن رسول! میری توبہ قبول کی جائے۔ میرے گناہوں کی معافی دی جائے۔ میری خطاؤں سے چشم پوشی فرمائی جائے۔ میرے گناہوں کو بخش دیا جائے۔ میرا قصور معاف کر دیا جائے۔ آپ کریم ابن کریم ہیں پھر یہ کریم فرمایا جائے۔

نواسہ رحمتہ اللعالمین نے فرمایا۔ حُر! ہم تمہیں سب کچھ معاف کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ میرے دوسرے گناہوں سے بھی درگزر فرمائے۔ تو نے تو ہمیں موقعہ دیا تھا کہ ہم تمہارا لشکر کی زد سے نکل جائیں۔ اور یہ تیری خطا کا کفارہ تھا۔ مگر ہمیں تو ہر حالت میں اسی مقام پر آنا تھا اور تمہیں بھی نیریڈیوں کو چھوڑ کر آہی جانا تھا۔

حُر! ہم نے تمہیں خاص نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے انسان جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو خدا نے رحیم و کریم اُس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو

شبیر کے سپاہی

اب جنگ باقاعدہ شروع ہو چکی ہے۔ یزیدی کوچ کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ امام مظلوم کے ساتھی ڈھالیں بن کر آپ کو گھیرے بیٹھے ہوئے ہیں۔ قوم اشقیاء سے ابن زیاد کے دو غلام یسار اور مسالم میدان میں آتے ہیں۔ امام کی طرف سے عبداللہ بن عمر نکلے۔ ابن زیاد کے دو غلاموں نے کہا۔ ہم نہیں جانتے کہ تم کون ہو۔ واپس جاؤ اور ہمارے مقابلے کے لئے زبیر بن قین کو یا حبیب ابن مظاهر کو بھیجو۔

عبداللہ بن عمر غضبناک ہو گئے۔ غصہ سے یسار کو مخاطب کیا۔ ابدکار عورت کے بیٹے تم مجھے نہیں جانتے؟ تو میرے ساتھ لڑنا تو این سمجھتا ہے۔ میں شبیر کا سپاہی ہوں۔ پہلے مجھ سے لڑو۔ پھر بڑے بڑے بہادروں کو بھی بلا لینا۔ یہ کہا اور چلا دی تلوار بجلی کی طرح چمکی اور اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اُس کا کام تمام کر دیا۔

سالم نے ساتھی کا حشر دیکھا تو نیرہ تان کر وار کر دیا۔ عبداللہ نے ڈھال پر روکا۔ دونوں طرف سے وار ہوتے رہے۔ آخر سالم بھی واصل جہنم ہو گیا۔ یزیدی لشکر کا پورا دستہ بے ہنگام گیا۔ شبیر کا اکیلا سپاہی تیغ و سنان کے جوہر دکھا رہا ہے۔ عبداللہ کی بیوی اُمّ وہب بھی ساتھ تھی۔ شوہر کو گھرے ہوئے دیکھا تو بے قرار ہو گئی۔ لڑائی کی ناشی اٹھائی اور میدان کی طرف دوڑی۔ عبداللہ نے لڑتے لڑتے اُسے آتے دیکھا تو نعرے سے چلائے۔ اُمّ وہب واپس چلی جاؤ یہ عورتوں کی لڑائی نہیں لیکن وہ نہ رکی۔ امام عالی مقام نے پیچھے سے آواز دی اُمّ وہب رُک جاؤ۔ اُمّ وہب رُک گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحمت کرے جہاد عورتوں پر فرض نہیں واپس پلٹ جاؤ۔

عبداللہ دشمنوں میں پوری طرح گھر چکا تھا۔ تلواروں کی بارش آ رہی تھی۔ اولاد یوں ریگزار کر بلا کا پہلا شہید واد شجاعت دیتے ہوئے جاہم شہادت نوش کر گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

حسینی نیرے عبد اللہ بن عمیر کو شہید کر دینے کے بعد بن سحر کے ہاتھ بازو کے چند دستے حملہ آور ہوئے تو امام حسین علیہ السلام کے ساتھی زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور نیرے اٹھا دیئے۔

نیروں کی انیاں نیرے دشمن کے گھوڑوں کی گردنوں تک پہنچتی تھیں۔ کئی ایک گھوڑے زخمی ہو گئے اور فوج اشقیاء بجائے آگے بڑھنے کے واپس لوٹ گئی اور پھر ایک کامتا بلہ ایک سے شروع ہو گیا۔

امام عالی مقام کا ایک ایک سپاہی اجازت طلب کر کے میدان میں جا رہا ہے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھلا رہا ہے۔

جابر بن لڑکے جابر بن خاندان کے دونوں بن امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا انکھوں سے آنسو جاری تھے۔ امام عالی مقام نے فرمایا۔ ابی اخی کیوں روتے ہو۔ ابھی چند لمحوں بعد تم بھی چشمہ کوثر پر پہنچ جاؤ گے۔ انہوں نے روتے ہوئے ہی جواب دیا یا امام ہم اپنے لئے نہیں روتے ہمیں تو آپ کی مصیبت پر رونا آتا ہے۔ ہمیں تو اس بات پر رونا آتا ہے کہ دشمن نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ مگر ہم آپ کے کسی کام نہیں آسکتے۔ کاش ہماری ہزاروں جانیں ہوتیں اور ہم بار بار آپ پر قربان ہوتے رہتے۔ اس طرح شاید ان خونخواروں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جاتا اور آپ بچ جاتے۔

امام عالی مقام نے فرمایا۔ میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ تمہارے اس نیک جذبے کی جزا عطا فرمائے۔ ہم سب ایک ہی مقام پر جمع ہونے والے ہیں۔ اور یہ مشیت الہیہ ہے جس کو ہر حالت میں تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ پھر انہوں نے میدان میں جانے کی اجازت مانگی۔ امام عالی مقام نے خدا حافظ فرما کر اجازت فرمادی۔

دونوں نوجوان میدان میں آئے۔ ایک ایک کو بلاتے رہے اور قتل کرتے رہے۔ دشمن نے بہادری کی تلوار کے جوہر دیکھے تو پورا دستہ بھیج کر گھیرے میں لیا۔ حسینی سپاہیوں نے پوری جوانمردی سے سپاہیوں کے پورے دستے سے مقابلہ کیا وہ دشمنوں کا مقابلہ بھی کر رہے تھے۔ اور بلند آواز سے السلام علیکم یا ابن رسول اللہ بھی پکارتے جا رہے تھے۔ بالآخر جسموں پر تیروں اور تلواروں کے کئی زخم کھلنے کے بعد جام شہادت نوش کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

حضرت حنظلہ کی شہادت

ان کے بعد حضرت حنظلہ ابن اسعد امام عالی مقام سے اجازت طلب کر کے میدان جنگ میں آگئے۔ میدان جنگ میں گھوڑا پھرتے ہوئے قوم اشقیاء کو مخاطب فرمایا: میں دیتا ہوں کہ تم پوہ قوم عاد و ثمود کی طرح عذاب نہ مستط کیا جائے۔ ابھی ابن رسول کے چند ساتھیوں کی جانیں راہ خدا پر قربان ہو چکی ہیں۔ ابھی ابن رسول اور آپ کا خاندان محفوظ ہے۔ اور ابھی وقت ہے کہ تم خود کو عذاب الہی سے بچاؤ۔ یا درکھنا حسین کو قتل کر کے تم چین کی زندگی بسر نہیں کر سکو گے۔

جناب حنظلہ ابھی گفتگو کر رہے تھے کہ ان کے گرد کئی تیر سناتے ہوئے آکر گرے اور ساتھ ہی آواز آئی کہ تقریر ختم کرو۔

اس کے بعد مقابلہ شروع ہو گیا۔ شبیر کا سپاہی بڑی جوانمردی سے لڑتا رہا۔ اور دشمنوں کو واصل جہنم کرتا رہا۔ اور پھر کئی دشمنوں کو قتل کر کے شہید ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

اور سخت حملہ

لشکر یزید جلد از جلد اس جنگ کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ لوگ برہ بڑھ کو شدید سے شدید حملے کر رہے تھے۔ ان کے لئے یہ خیال بھی پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا کہ ہماری تعداد اس قدر زیادہ ہونے کے باوجود ان چند لوگوں پر فتحیاب کیوں نہیں ہو رہی۔ اب انہوں نے پھر چاروں سمت سے زبردست حملہ کیا تھا۔ امام عالی مقام کے ساتھیوں نے اب گھوڑے چھوڑ دیئے اور پیدل ہو گئے۔ انتہائی زبردست معرکہ تھا۔ امام عالی مقام کے کئی ساتھی اس دفعہ کام آچکے تھے۔ تاہم یزیدیوں کا حملہ پیا کر دیگیا تھا اس معرکہ میں جناب حبیب بن مظاہر، عمرو بن خالد، سعد مونی و جبار بن حارث و مجمع بن عبید اللہ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

اب جنگ انتہائی شدید و دریں داخل ہو چکی ہے۔ امام عالی مقام کے بیشتر ساتھی جام شہادت نوش کر چکے ہیں جن میں پسران عقیل اور حضرت مسلم کے دو صاحبزادے بھی شامل ہیں۔ دور پہر بھی قریب آتی جا رہی ہے اور جنگ بھی شدید ہوتی جا رہی ہے۔

مسلم بن عوشجہ کی شہادت

جنگ پور سے زور شور سے جاری ہے۔ دونوں جانب سے ایک ایک دو دو جوان میدان میں آتے

ہیں اور تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں مگر شہید علیہ السلام کے بہادریوں کا رنگ جو انفرادی کچھ اور ہے۔ ان میں سے جو بھی جانتا ہے وہ کئی کئی یزیدیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد اُس وقت شہید ہوتا ہے جب اُسے فوج کے کئی دستے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بصورت دیگر اکیلے کے سامنے جو بھی اکیلا آتا وہ ضرور قتل ہو جاتا۔

یزیدی فوج کے دائیں بازو کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یزیدیوں کو زیادہ تعداد میں قتل ہوتے دیکھا تو زور زور سے چلانے لگا۔ احمقو! پہلے یہ تو اندازہ کر لو کہ تم کن لوگوں سے لڑ رہے ہو۔ یہ ابن حیدر کے ساتھی اور خجان پر کھیلے ہوئے لوگ ہیں۔ ایک ایک کر کے ان سے مقابلہ کرتے رہو گے تو سب کے سب قتل ہو جاؤ گے۔

ایک کے مقابلہ میں ایک مت جاؤ اور لکٹھے ہو کر بھر پور حملہ کر دو۔ یہ مٹھی بھرا فرد ہیں تم تو انہیں پتھروں سے بھی مار سکتے ہو۔ عمرو بن سعد نے بھی اُس کی رائے کو پسند کیا اور مبارزت طلب کرنے سے فوج کو روک دیا اور اجتماعی حملے کا حکم دے دیا۔ دشمن نے اگرچہ پوری قوت سے حملہ کیا تھا۔ مگر حسینی جوانوں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ یزیدیوں کے چھٹکے چھوٹ گئے حسین علیہ السلام کے گنتی کے چند سپاہی سیسر بلائی ہوئی دیوار کی طرح چٹان بن کر سامنے کھڑے تھے اور بھر پور حملہ کرنے کے باوجود لشکر یزید کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ دشمن کی فوج پیچھے مٹی تو ان کے مقتولین کے ساتھ ایک حسینی جوان اور نامور بہادر حضرت مسلم بن عوشجہ بھی خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔ شہید علیہ السلام ان کے پاس پہنچے۔ چند سالن ابھی باقی تھے، آپ نے پُر حسرت نگاہوں سے دیکھا اور ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا۔ میرے رفیق و مہدم اللہ تجھ پر انوار رحمت کی بارش کرے۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ مَحَبَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا

اب دشمن کا بایاں بازو حرکت میں آیا۔ دشمنوں کا مقابلہ اب زبیر بن قین سے تھا۔ وہ اس سمت کے سپہ سالار تھے۔ آپ کے ساتھیوں نے پوری

جو انفرادی سے یزیدیوں کے دباؤ کو روکا اور بڑھ بڑھ کر حملے شروع کر دیے اور جناب زبیر بن

زلزلہ ہوا تھا۔

نہیر نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا: اے سید باپ کے شقی بیٹے اب بھی باز آ جاؤ اور
امام مظلوم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جہنم کی آگ تجھے اپنی پیٹ
میں لینے کے لئے بڑھ رہی ہے۔

عمر و سعد نے گھما کر ہر تم ایک بہادر آدمی ہو۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ اس لئے میرا
کہا مانو اور مجھے مشورہ دینے کے بجائے اپنے لئے صحیح راستے کا انتخاب کرو۔ تم نے کئی
سامتیوں کا حشر و مکہ لیا۔ اب چند لمحوں بعد تمہارا یہ گوم اور جوان جسم بھی ٹھنڈی لاش بن چکا ہوگا
میرا کہا مانو اور میرے ساتھ مل جاؤ نہ میرے کہنا تو پاگل ہو گیا ہے حکومت کے لالچ نے تمہیں
اندھا کر دیا ہے۔ ابھی آپ کی گشتگر یہاں تک پہنچی تھی کہ بزدلی لشکر کی طرف سے ایک تیر آیا اور
آپ کے جسم کو چھوٹا ہوا سن سے گذر گیا۔ اور پھر برابر تیر بڑھنے لگے۔ نہ ہر ڈھال سے
تیروں کو روکتے ہوئے اور ان کی زد سے بچتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور قریب جا کر
اس قدر زور سے حملہ کیا جیسے بھوکا باز شکار پر چھٹتا ہے۔ اور پھر متعدد دشمنوں کو فی القار
کرنے کے بعد داخل مہشت ہو گئے۔

دو جوان عبداللہ و عبدالرحمن بنو عفلہ کے دو جوان امام عالی مقام سے اجازت
طلب کر کے میدان فارز میں آ گئے۔ نعرۃ بکیر بلند کیا اور دشمنوں کو

تلوار کی بارہ پر رکھ لیا۔ جس طرف جاتے صفیں درہم برہم ہو جاتیں۔ دشمنوں کی طرف سے
تیر آیا اور ایک کی پشت میں پیوست ہو گیا۔ دوسرے نے گھوڑا بڑھا کر تیر کا پس پیچ کر ہٹک
دیا اور پھر جنگ میں مصروف ہو گئے اور پھر بڑی جرات و جوانمردی اور بہادری سے لڑتے
لڑتے راہی فر دوس برس ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ہ

دوسرے دن جناب سیف بن حارث اور مالک بن عبدیہ دونوں عہدہ ہاں کی
طرف سے لگے مجاڈ تھے۔ یہ دونوں امام عالی مقام سے جنگ کی اجازت لیکر میدان کارزار
میں نعرۃ بکیر بلند کرتے ہوئے پہنچے اور نہایت شجاعت و بہادری سے لڑتے
ہوئے شمع شبستان مصطفیٰ پر نثار ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ہ

حُریدانِ جنگ میں

بعد ازاں امام عالی مقام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر حضرت حُر نے عرض کی
یا امام! مجھے اجازت فرمائی جائے تاکہ میں آپ کے فدا یوں میں نام لکھوا سکوں۔
اور ان سعاد توں میں شرکت نصیب ہو جو ہمیں ملنے والی ہیں۔

عالی مقام نے حُر کو سینے سے لگایا اور اذنِ جہاد دے دیا۔ حُر نے شہزادہ رسولؑ کی یہ
شفقت و محبت دیکھی تو آنکھوں میں تشکر و امتنان کے آنسو آ گئے۔ امام کے قدموں کو
بوسہ دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آ گئے۔
ابن سعد نے صفوان کو بھیجا کہ دیرینہ تعلقات کی بنا پر پہلے حُر کو رام کر نیکی کی کوشش کرو
بصورت دیگر اس کی گردن اڑادو۔

صفوان بن حنظلہ میدان میں آ گیا۔ یہ بھی مانا ہوا شہزادہ زور تھا۔ حضرت حُر کے مقابل پہنچ کر
کہنے لگا۔ حُرتم حسینؑ کا ساتھ دے کر کیوں جان ضائع کر رہے ہو۔ تم ایک بہادر سپاہی ہو
جو ان ہوا شہزادہ زور ہو۔ ذرا غور کرو تمہارے بعد تمہاری بیوی کا کیا حال ہوگا۔ تمہارے
بچے یتیم ہو جائیں گے۔ حسینؑ کا خطبہ سن کر تم جذبات کی رو میں بہہ گئے ہو۔ جذبات پر
قابو پانے کی کوشش کرو آنے والے حالات پر غور کرو، حکومت تمہاری بغاوت کا غصہ تمہارے بوی بچوں
پر اتارے گی تم ایک اچھے ساتھی ہو اس لئے یہ مشورہ دیا گیا ہے میری بات مان لو اس میں تمہارا ہی
فائدہ ہے آؤ واپس چلیں، حسینؑ کا ساتھ دینے میں سوائے موت کے رکھا ہی کیا ہے جب کہ یزید کطیف
سے بھاری انعام ماہ ملی کریں گے۔

حضرت حُر نے فرمایا صفوان! تو سمجھا رہا آدمی ہے اور باوجود عقلمند ہونے کے
تو نے نادانوار حصہ گفنگ کر لیا۔

وہ فاسق و فاجر اور ذلیل و ناپاک ہے۔ اور امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑنے کا مشورہ دیتے ہو۔ حالانکہ وہ طیب و طاہر اور پاکیزہ ہیں۔ اور طیب و طاہر اور پاکیزہ والدین کے بیٹے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آیت لطمہ میں شامل فرمایا ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول خدا نے حسینؑ کو یحییٰ کو اپنے باغ کی خوشبو فرمایا ہے۔ کیا تم حسینؑ کے تقویٰ و طہارت اور علم و فضل کی مثال پیش کر سکتے ہو۔

صفوان نے کہا میں یہ سب کچھ جانتا ہوں مگر مال و دولت اور حکومت کے عہدے تو زبردستی مل سکتے ہیں۔ حسینؑ کا تقویٰ و طہارت اور علم و فضل ہمارے کس کام آسکتا ہے حرنے فرمایا صفوان! تمہیں دولت کے حصول کے نشہ نے بدست کر دیا ہے تمہیں جلب زر اور ہوس و لالچ نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ تم عقلمند ہوتے ہوئے بھی بیوقوف اور جاہل ہو گئے۔

حکام کا کہنا حق سنا تو صفوان غضبناک ہو گیا۔ آگ بگولہ ہو کر نیرے کا وار کر دیا۔ حضرت حرنے بھی نیزہ تان لیا۔ پہلا وار اُس کے نیرے پر کیا تو اُس کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ دوسرا وار سینے پر کیا تو نیزہ پشت کے پار تھا۔ حرنے اُس کے سینے سے پوری قوت سے نیزہ کھینچا اور تیسرا وار کرنا چاہا لیکن وہ بے روح ہو کر گھوڑے سے گر کر واپس جہنم ہو گیا تھا یزیدی عہدوں اور جاہ و حشم کا بھوکا۔ یہ سب کچھ حال کرنے سے پہلے ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

امام عالی مقام نے دُور سے یہ منظر دیکھا تو حُر کو تحسین و آفرین کہا۔ عمرو سعد نے اپنے بہادر کو اوندھے منہ گرے ہوئے دیکھا تو پریشان ہو گیا۔

صفوان کے تین حقیقی بھائی بھی یزیدی فوج میں شامل تھے۔ ایک کے مقابلہ میں ایک کے قانون کو توڑتے ہوئے تینوں ہی شور مچاتے اور داد دیتے ہوئے حضرت حُر پر چڑھ دیتے۔ خدا کے سپاہی اور شبیر کے غلام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور تینوں کی تلواروں کو بیک وقت ڈھال پر روکتے ہوئے ایک پر حملہ کر دیا۔ پہلے ہی وار سے دھڑا دھڑا گردن اُدھر جا پڑی۔ دوسرا وار دوسرے کے سر پہ کیا۔ تلوار سر کی ہڈیوں کاٹتے ہوئے پشت تک پہنچ گئی۔ تیسرے نے دونوں کی موت دیکھی تو اسے بھی اجل سلنے نظر آگئی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ اٹھا حرنے تلوار بائیں ہاتھ میں اور نیزہ دائیں ہاتھ میں لے لیا اور بھاگا

ہوئے کی پشت میں نیزہ پیست کر دیا۔ لاکھ نے کہا مرحبا، حملوں نے کہا واہ وا۔
 یزیدی فوج کے چاروں سواروں کو موت کی نیند سلا کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے
 واپس خدمتِ امام میں آگئے۔ گھوڑے سے اتر کر شاہ کے قدموں کو بوسہ دیا اور ہاتھ
 باندھ کر عرض کیا۔

یا ابنِ رسول اللہ! کیا آپ مجھ پر خوش ہو گئے۔
 امام عالی مقام نے فرمایا ہاں: حُریم تجھ پر پوری طرح خوش ہیں۔ تجھے مبارک ہو۔
 تیرے ماں نے تیرا نام حُر دِ اَزاد رکھا تھا۔ ہم تجھے بشارت دیتے ہیں کہ تو دوزخ کی آگ
 سے آزاد ہو گیا ہے۔

حُر نے امام کے قدموں کو بوسہ دیا اور پھر میدانِ جنگ میں آگئے۔ یزیدی فوج
 کے جوان ایک کر کے سامنے آتے رہے اور اصل جہنم ہوتے رہے۔ عمر و سعد نے یہ
 حالت دیکھی تو پریشان ہو گیا۔

بلند آواز سے پکار کر کہنے لگا کہ ایک ایک کر کے یہ پوری فوج ختم کر دے گا۔
 چند دستے اکٹھے ہو کر ٹوٹ پڑے اور گھیرے میں لے کر اس کے ٹکڑے اڑا دیے۔ سپاہِ یزید
 حسیق کے سپاہی پر حملہ کر رہی ہے اور پھر جنگ کا نقشہ کچھ اس طرح بن جاتا ہے کہ جیسے
 شہد کے چہتے پر مکھیوں نے یلغار کر دی ہو۔ نیزوں پر نیزے برس رہے ہیں۔ تلواروں
 پر تلواروں کے وار ہو رہے ہیں۔ یزیدیوں کے تیر اپنے ہی آدمیوں کو گھائل کرتے چلے جاتے
 ہیں اور اُدھر کی تلوار کا یہ عالم ہے:-

ابر دھاروں کا اٹھائیںخ در پیکر چمکی
 برق چھپتی ہے وہ چمکی تو برابر چمکی
 سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پہ چمکی
 کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی
 جس طرف آئی وہ ناگن اُسے دُستے دیکھا
 مینہ خون کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا
 دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہو دھارا جیسے
 گھاٹ وہ گھاٹ! کہ دریا کا کہ دریا

چمک ایسی کہ! سینوں کا اشارا جیسے

روشنی وہ! کہ گرسے ٹوٹ کے تارا جیسے

کوندنا برق کا شمشیر کی فوہیں دیکھا

کبھی ایسا نہیں دم خم میر کو میں دیکھا (میر انیس)

ادھر حر کی تلوار دشمنوں کا خون چاٹ رہی ہے ادھر حر کا جسم تیروں اور تلواروں کی
نیروں کی اینٹوں سے پھلنی ہو چکا ہے۔ زخموں سے جسم چور چور ہے۔ اسی حالت میں امام عالی مقام
کی جانب منہ کر کے آواز دی اَذِرْ كُنِّي يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ حسین میری مدد فرمائیے
جواب میں غیب سے ندا آئی۔ حر ادھر دیکھو حوریں جنت میں تیرا انتظار کر رہی ہیں۔ کسی
بد بخت کا نیزہ حر کے سینے میں پڑا۔ زخم گہرا تھا جسم گرم تھا، گرنے لگے، زین کو تھام لیا
گھوڑے کی باگ کو کھینچا، امام کے قدموں میں آگیا۔ شبیہ رسول کی طرف یاس بھری نظروں
سے دیکھ کر کہا۔

میرے آقا! آپ کے قدموں میں جا رہا ہوں کوئی پیغام دے دیں۔

امام عالی مقام نے گھوڑے سے مقام کراٹا اور فرمایا۔ حر! اس بکیں پناہ کے
حضور میں ہمارا سلام کہہ دینا۔ ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ حر کے آخری لمحات میں
آنکھیں بند ہوتی جا رہی ہیں۔ امام عالی مقام نے حر کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ حر کو دونوں جہان
کا آرام حاصل ہو گیا۔ حر نے حسرت بھری نگاہوں سے شہزادہ کو بین کو دیکھا۔ امام عالی مقام
کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

حالت پر میری! ان کے بھی آنسو نکل پڑے

دیکھا گیا نہ یاس میں عالم نگاہ کا! (آغا شاعر)

یہ حر کی خوش نصیبی کی انتہا تھی جگر گوشہ رسول کی آغوشِ راحت میں لیٹا ہوا ہے

اور امام عالی مقام اس کے چہرے کا غبارِ صاف کر رہے ہیں۔ حر نے آنکھیں کھول کر

عرض کیا یا امام! روح نکل جانے کے لئے بیقرار ہے۔ زخموں سے درد کے طوفان

اٹھ رہے ہیں لیکن میں نے سینے سے اٹھنے والی آہوں کو روک رکھا ہے۔ تاکہ

آپ کی آغوشِ راحت کا مقہور اساد مزہ لے لوں

اس واسطے تم تمم کے جاری ہے نفس میرا
 آہوں سے کہیں لوٹ نہ جائے یہ نفس میرا (آغا شاعر)
 اور پھر آخری بار حرنے در دیں دو بی سہری مسکراہٹ سے امام کی طرف دیکھ کر
 عرض کیا۔ یا ابن رسول! آپ مجھ پر راضی ہو گئے۔ امام نے فرمایا، حرم تم پر راضی ہیں
 خدا تجھ پر خوش ہو اور تجھے خوش رکھے۔
 یہ آخری گفتگو تھی۔ حرنے کلمہ شہادت پڑھا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر
 دی۔ امام نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ سَاجِدُونَ پڑھ کر حُرکی لاش
 کو دھانپ دیا۔

اُمّ وہب

اس خونیں معرکہ کے پہلے شہید عبداللہ بن عمیر کی بیوی اُمّ وہب بھی اُس کے
 ساتھ ہی آئی تھی۔ یہ دونوں میاں بیوی گوفہ سے آئے تھے۔ یہ پہلے بھی شوہر کی مدد کو لاکھی
 لیکر بڑھی تھی مگر امام عالی مقام کے مدد کرنے پر رُک گئی تھی اب شوہر شہید ہوا تھا اُس کی لاش
 پر دُئی گئی۔ یہ لاش کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ شمر لعین نے اُس کو بھی تلوار سے شہید کر دیا۔
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ سَاجِدُونَ

پردانہ شبیر

امام عالی مقام کے ایک ساتھی جناب حنفی تھے۔ اس پردانہ حسین نے اپنے
 جسم کو امام عالی مقام کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ دشمنوں کی توجہ کے مرکز خاص چونکہ نواسہ رسول
 تھے۔ اس لئے تیروں کی زیادہ بارش رادھر ہی ہو رہی تھی۔ تیروں کی اس برسات میں
 پردانہ شبیر جناب حنفی سپرین کے آپ کے آگے کھڑے تھے۔
 امام عالی مقام نے کئی بار اُسے بچے کرنا چاہا۔ مگر وہ آپ کے آگے کھڑا ہو
 جاتا۔ جناب حنفی کا پورا جسم تیروں میں پرویا جا چکا تھا۔ اور اسی طرح تیر کھاتا ہوا یہ پردانہ
 شبیر واصل فردوس بریں ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ سَاجِدُونَ

برادران عباس بن علی

یزیدی لشکر کی طرف سے ہل من مبارز کی صلے پیہم آرہی ہے۔ ادھر امام عالی مقام کے سمندر میں چار خوب و نوجوان دست بستہ کھڑے ہو کر میدان میں جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

یہ چاروں حضرت عباس ابن علی کے حقیقی بھائی حضرت عبداللہ، حضرت ابوبکر، حضرت محمد اور حضرت عثمان پسران علی ہیں۔ ان کی والدہ مکرمہ کا اسم گرامی اُمّ البنین ہے اور وہ ان سب کے ساتھ ہی کربلا میں موجود تھیں۔ شہر ملعون ان کے سکے بھائی کا لڑکا تھا۔ یہ اپنے اپنے مقدر کی بات ہے کہ بہن کے بیٹے امام عالی مقام پر جانیں نثار کر دینے کے لئے بقیاب ہیں اور بھائی کا بیٹا امام عالی مقام کو شہید کر دینے کے لئے بیقرار ہے۔ یہ آپ پر قربان ہوتے ہیں اور وہ آپ کا سیر اقدس کاٹتا ہے۔

یہ وہی چاروں شہزادے ہیں جن کی والدہ اور بھائی حضرت عباس سمیت چھ افراد کے لئے شمر ابن زیاد سے امان نامہ لکھوا کر لایا تھا اور انہوں نے وہ امان نامہ حقارت سے ٹھکرا دیا تھا اور کہا تھا۔ یہ قوف! ہمیں تو امان دیتا ہے، ابن رسول کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اور اب یہ اُس وقت کے منظر ہیں کہ شہزادہ گلگوں قبایہ جانیں نثار کر کے اپنے والد گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دربار میں سرخروئی حاصل کر لیں۔

امام عالی مقام نے فرمایا، اے شہزادگان حیدر! اللہ تعالیٰ تمہیں جزلے خیر عطا فرمائے تم سب ٹھیک ٹھیک حق اخوت ادا کر رہے ہو۔ تم سب میرے امتحان میں برابر کے شریک ہو۔ تمہاری مقدس قربانیاں لوح عالم پر نقش فی الحجر بن کر دنیا والوں کو ہمیشہ درس اخوت دیتی رہیں گی۔ ہم سب بہت جلد ایک ہی مقام پہنچ جائیں گے۔ مگر میرے لئے یہ امتحان کس قدر صبر آزما اور کٹھن ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو اپنے سامنے ذبح ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

مالی مقام کی شفقت امیر گفتگو سنی تو چاروں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

انہوں نے نہائی رقت سے دربار حسین میں عرض کیا۔ یا امام یہ آپ کا کرم ہے جو ہم غلاموں پر اس قدر شفقت فرما رہے ہیں۔ ہمارے حق غلامی کو حق اخوت کا نام دینا آپ کی سندہ پروری کے

ورنہ ہم تو اب بھی آپ کو امام اور خود کو غلام ہی سمجھتے ہیں۔ آپ ابن رسول ہیں، شہزادہ بتول ہیں، جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ہمارے تاجدار ہیں۔ ہمارے لئے یہ فخر ہی کیا کم ہے کہ آپ کے عزم پر فدا ہونے کے صلہ میں قیامت کے دن آپ کے پرچم کا سایہ نصیب ہوگا۔

یا امام دشمن بار بار آواز دے رہے ہیں۔ ہمیں اجازت مرحمت فرمائی جلتے تاکہ ہم آپ پر نثار ہونے میں سبقت حاصل کر سکیں۔ آپ نے سب کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور الوداع کہہ کر دلع کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا، یا اللہ! میرے بھائیوں کی جانوں کی نذر قبول فرما۔

شیر خدا کے شیر ایک ایک کر کے میدان میں جلتے ہیں اور زور ید اللہ سے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ حیدر کا ایک ایک شیر ببر یزید کی سینکڑوں کومڑیوں پر بھاری پڑے۔

ایک کے بعد دوسرا پھر تبیسرا اور چوتھا میدان جنگ میں قوت حیدری کے وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ دشمنوں کو پسینہ آجاتا ہے۔ حضرت عباس ایک ایک بھائی کا جنگی کارنامہ مشاہدہ کرتے جا رہے ہیں اور الحمد للہ کہتے جا رہے ہیں۔ چاروں بھائی یکے بعد دیگرے متعدد دشمنوں کو قتل اور زخمی کرنے کے بعد بارگاہ حیدر کمر میں پہنچ جاتے ہیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

وہ سالکانِ وادی اندیشہ و فتن

وہ عاشقانِ دلبر شاہنشاہِ زمن !

وہ گشتگانِ خنجر درد و غم و سخن

پوچھو پڑے تھے دشتِ مصیبت میں اس طرح

صحینِ چمن میں پھول بکھرتے ہیں جس طرح

ان چاروں کے بعد برادرانِ مسلم جناب عبداللہ بن عقیل، عبدالرحمن بن عقیل اور جعفر بن عقیل ایک ایک کر کے یوں دادِ شجاعت دیتے ہیں کہ یزید کے لشکر ہی شاخِ بید کی طرح کانپنے لگ جلتے ہیں۔ تلواریں چل رہی ہیں، تیروں کی بارش ہو رہی ہے، نیزے تنے ہو گئے ہیں، زمین شعلہ بار ہوتی جا رہی ہے، سورج مشتعل ہوتا جا رہا ہے، تلواروں کی جھنکار میں شبیر علیہ السلام کا ایک ایک مجاہد حق جہاد ادا کرتے ہوئے امتحانِ شبیر میں شریک ہوتا جا رہا ہے۔ جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور شبیر کے سپاہی ایک ایک کر کے اندر داخل ہونے جا رہے ہیں۔

حضرت قاسم کی شہادت

امام عالی مقام کے ساتھی ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کرتے جا رہے ہیں۔ میدانِ کارزار میں شہداء کرام کی لاشوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔ فاطمہ کلال اپنے امتحان کا ایک ایک پرچہ نہایت کامیابی اور کامرانی کے ساتھ حل کر کے ممکن حقیقی کے دربار میں پیش کرتا جا رہا ہے۔

اپنے کئی بار میدانِ کارزار میں جلنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر آپ کا کوئی خدائی آگے بڑھ کر حق جان نشاری ادا کر دیتا۔ اب اپنے پھر میدان میں جلنے کا ارادہ فرمایا تو ایک نوخیز بھول آپ کے سامنے آگیا۔ پندرہ سولہ سال کے خوب رو ہاشمی شہزادے کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہو۔ یہ چاند کا ٹکڑا قاسم ابن حسن ابن علی ہے جو علم محترم پر فدا ہونے کے لئے اجازت طلب کرتا ہے۔

امام عالی مقام نے فرمایا۔ قاسم! میں تجھے قتل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ مجھے اب کسی نئے امتحان میں نہ ڈالو اور واپس خیموں میں چلے جاؤ۔ میں تم سے پہلے ظالموں کے ہاتھوں بھیا حسن کی دو خوبصورت تصویروں کے ٹکڑے کروا چکا ہوں۔ اب یہ میرے بس ہیں نہیں کہ میں تجھے بھی موت کے منہ میں بھیج کر اپنے بھائی کی اولادِ زریہ کو ختم کروا دوں۔ میرے لال تمہیں سے تو میرے بھائی کی نسل شروع ہونا ہے۔

حضرت قاسم نے چچا جان کی یہ فیصلہ کن گفتگو سنی اور تپ کر رہ گئے رو کر عرض کیا غم محترم! کاش میرے والد اس وقت موجود ہوتے تو مجھے اس محرومی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ چچا جان میں چھوٹا ہی تھا کہ داعِ قیمتی لگ گیا۔ اور پھر آپ نے مجھے پناہ میں لے لیا۔ آپ کی پناہ میں آنے کے بعد مجھے کبھی محسوس نہیں ہو سکا کہ میں یتیم ہوں۔ میں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا ہے کہ میرا باپ زندہ ہے مگر آج اپنے مجھے میرے ابا جان کی یاد دلا ہی دی ہے۔ میں نے آج پہلی بار محسوس کیا ہے کہ میں یتیم ہوں۔ کاش اپنے مجھے اپنا بیٹا سمجھا ہوتا۔ چچا جان! میری جان، عون و محمد سے زیادہ قیمتی نہیں۔ اگر انہیں آپ پر فدا ہونے کی اجازت مل سکتی ہے تو پھر مجھ حراماں نصیب کو بھی محروم نہ کیا جائے۔

امام علی مقام نے بھیجے کا یہ جذبہ اشار اور دند میں ڈوبا ہوا کلام سنا تو آپ مضطرب ہو گئے اور فرمایا۔ میرے لال تمہاری گفتگو نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے ہیں۔ میں تو یہ سوچتا ہوں، میں بھیا حسن کو کیا جواب دوں گا۔ کہ اُس کی آخری نشانی بھی آنکھوں کے سامنے ذبح کروانی۔ تمہاری والدہ تمہارے فراق میں کیا کرے گی۔ تمہاری پھوپھی کا کیا حال ہوگا۔ قاسم نے عرض کیا چچا جان! اگر خدا نخواستہ مجھے آپ پر نثار ہونے کا موقع نہ مل سکا تو میں آبا جان کو کیا جواب دوں گا۔

رہا والدہ کا پریشان ہونا تو میں اُن سے اجازت لیکر آیا ہوں۔ پھوپھی جان سے بھی مل کر آیا ہوں۔ اُن دونوں نے تو میری کمر میں میرے آبا جان کا پٹکا باندھا ہے۔ اُمی جان نے تلوار میری گردن میں خود جمائل کی تھی اور پھوپھی جان نے خود فرمایا تھا کہ قاسم اب تم بھی مجھے بھائی جان کے سامنے سرخرو کرو۔

امام علی مقام نے چند لمحے خاموشی فرمائی اور پھر اجازت مرحمت فرمادی۔ ادھر فوج اشقیاء ہل من صہارز کے نعرے لگا رہی تھی۔ جب جناب قائم میدان کارزار میں تشریف لائے تو آفتاب نصف النہار پر آچکا تھا۔ علیؑ کے شیر کے شیر کا حلق پیاس کی شدت سے۔ سوکھ کر کاٹا ہو چکا ہے۔ بار بار لبوں پر زبان پھیرتے ہیں مگر لا حاصل زبانی لبوں سے زیادہ سوکھی ہوئی ہے اور لب زبان سے زیادہ خشک ہیں۔ باوجود اس شدت کی پیاس کے علیؑ کے لال کا لال میدان کارزار میں اس طرح چمک رہا تھا جیسے آفتاب زمین سے طلوع کر رہا ہو۔

چہرہ تھا ایسے خون کی حدت سے شعلہ دوش

سورج کا جیسے پھول اک طشت سحر میں ہو

عمر بن سعد کی طرف سے ایک جوان مقابلہ کے لئے نکلا تو اُس نے روک دیا اور سپاہ شام کے ایک اعلیٰ افسر کو حکم دیا۔ اُزق! اس جوان کا مقابلہ تم کرو گے۔ اُزق نے سنا تو اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور غصے پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگا! ابن سعد اگرچہ تم میرے سپہ سالار کی حیثیت سے ہو مگر تمہیں میرے مقام اور مرتبہ کو نہیں بھولنا چاہیئے۔ کیا تم میری حیثیت سے واقف نہیں ہو؟

ابن سعد:- کیوں نہیں میں جانتا ہوں کہ تم سپاہ شام کے ایک اعلیٰ افسر ہو۔ اس کے علاوہ فن سپہ گری میں پوری پوری مہارت بھی رکھتے ہو۔ اس فوجی تجربہ کے ساتھ ساتھ بہادری

میں بھی اپنی مثال آپ ہو۔ اور اپنی اس قوت، مافق اور تجربہ کے صلہ کی صورت میں میرے ہزاروں روپے تنخواہ بھی وصول کرتے ہو۔

آرزق :- حیران ہوں کہ میرے متعلق اس قدر وسیع معلومات کے باوجود مجھے ایک بچے کے مقابلہ میں بھیجنے کا مذاق کرتے ہو۔

ابن سعد :- آرزق تم نے غلط سمجھا۔ میں نے مذاق نہیں کیا۔ بلکہ اپنے تجربہ کی بنا پر تمہارا انتخاب کیا ہے۔ یہ بچہ کوئی عام بچہ نہیں۔ یہ قاسم ہے حسن کا بیٹا اور عیسیٰ کا پوتا اس کے مقابلہ کے لئے کسی تجربہ جیسے شہ زور کی ہی ضرورت ہے۔ تم اس سے پہلے کئی ہاشمیوں کے زوریکہ اللہی اور قوتِ خیر شکن کا مشاہدہ کر چکے ہو۔

آرزق :- ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہی ہو۔ مگر اس بچے کے مقابلہ میں جانا میری ٹوہن ہے۔ شام سے آئے ہوئے لشکر میں میرے چار بہادر اور نو جوان بیٹے ہیں میں ان میں سے کسی ایک کو اس کے مقابلہ میں بھیج دیتا ہوں۔ اور پھر اس نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو جلانے کا اشارہ کیا۔

اور یہ اس کا چھوٹا بیٹا کسی ہاتھی سے کم نہیں تھا۔ بڑا عظیم اور گر اندیل گھوڑا اس کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔ امام عالی مقام نے قاسم کے مقابلہ میں ایک عفریت کو دیکھا تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیے۔ اس نے آتے ہی اس انداز سے تلوار کا وار کیا جیسے کسی درخت کی پتی سی شاخ کو کاٹ کر زمین پر پھینک دینا ہوتا ہے۔ جناب قاسم نے اس کے وار کو ڈھال پر روکا، مگر ڈھال بیکار ہو گئی۔ امام عالی مقام زیادہ دور نہیں تھے آپ سب کچھ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک اور ڈھال دیکر محمد بن انس کو فرمایا کہ قاسم کو پہنچا دو۔ ادھر ایک دوسرے پر چند ایک وار ہو چکے تھے اور آرزق کے بیٹے کو محسوس ہو چکا تھا کہ اس کا اس لڑکے کے متعلق اندازہ غلط تھا۔

ڈھال مل گئی تو امام قاسم نے خود کو اچھی طرح سنبھال لیا۔ آرزق کے بیٹے نے نیزہ چلایا۔ آپ نے گھوڑے کو پیچھے کر لیا اور پچھلے گھوڑے کو تازیانہ لگا کر اتنی تیزی سے دشمن پر نیزے کا وار کر دیا کہ اُسے سچاؤ کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ قاسم کا نیزہ آرزق کے بیٹے کی زدہ کی گڑیوں کو توڑ کر سینے میں لگا اور پشت کے پار ہو گیا۔ آپ نے پوری قوت سے نیزہ کھینچا تو وہ مٹی کے تودے کی طرح زمین پر گر پڑا۔ آیدنے اس کے نرے اور تلوار پر قبضہ کر لیا اور گھوڑے کو موڑ کر امام

عالی مقام کے حضور میں آگئے۔

آپ نے پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا، میرے بھائی کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔
میرے چاند قاسم! خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔

جناب قاسم نے عرض کیا۔ چچا جان کاش اس وقت پانی کے چند گھونٹ بل جاتے تو پھر میں
آپ کو اپنی بہادری کے جوہر دکھاتا امام عالی مقام نے جذبات پر قابو پاتے ہوئے فرمایا میرے
لال پانی تو اب تمہارے دادا جان اور ابا جان چشمہ کو ترسے ہی پلا میں گئے۔ جناب قاسم نے الحمد للہ
کہا اور دوبارہ میدان میں تشریف لے گئے۔

اُدھر عمرو ابن سعد نے اُردق کو اُس کے بیٹے کی موت کا منظر دکھاتے ہوئے طنز کیا کہ
کاش تم کسی بچہ سے جنگ کرنے کو اپنی توہین نہ سمجھتے۔

اُردق کو تو بیٹے کی موت نے پہلے ہی آتش فشاں بنا رکھا تھا۔ اُوپر سے ابن سعد کے طنز
نے جلتی پرتیل کا کام کیا۔

اُس نے گھوڑا صف سے آگے بڑھایا ہی تھا کہ اُس کا دوسرا بیٹا میدان میں پہنچ گیا۔ یہ
پہلے سے بڑا تھا اس لئے قد و قامت میں بھی اُس سے بڑھا ہوا تھا۔ اُس نے آتے ہی امام قاسم
کی شان میں بکواس شروع کر دی۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتے
رہے۔ اُردق کا بیٹا ہڈیاں انداز میں بکے جا رہا تھا کہ تم نے میرے شیر حبیبے بہادر بھائی کو
قتل کیا ہے میں تیری ایک ایک بوٹی کے سوسوٹ کر کے کھڑے کر کے تیرا قیمہ بنا دوں گا۔ جناب قاسم نے
بڑے ہی پروقار انداز میں صرف اتنا فرمایا کہ تم چیختے کیوں ہو۔ اللہ اللہ تم بھی جلد ہی اپنے بھائی
سے ملاقات کر لو گے۔ وہ جلا ہوا تو تھا ہی اور بھی مشتعل ہو گیا۔ منہ سے جھاگ اُڑ رہی تھی اور
اندھا دھند وار پروار کئے جا رہا تھا۔ امام قاسم اُس کے ہر وار کو بیکار کرتے جا رہے تھے
جب اُس کے کئی وار ضائع ہو گئے اور پھر اُس نے زور سے ایک ایسا وار کیا جس کو جناب
قاسم نے روک تو لیا مگر شانے پر ہلکا سا زخم آگیا۔ پھر کیا تھا، حیدر کے شیر کا شیر بھر گیا
اور گھوڑے کو چکر دے کر دشمن کے گھوڑے کی گردن کے نیچے نیزہ بھونک دیا۔ گھوڑا
ترسپا اور گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ اُردق کا بیٹا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ جناب قاسم نے
گھوڑے سے پھلانگ لگائی اور اُس کے اُٹھنے سے پہلے ہی اُس کے شانے پر پوری قوت
سے تلوار کا وار کر دیا۔ زخم لگتے ہی اُس کے منہ سے ایک کڑھک نکل اوروہ پوری قوت سے

اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اُس کے جسم سے گردن کا بوجھ اتار دیا۔

مانندِ یو گرفتِ دشمنِ بلند تھا
بجلی سے بس چلی کہ حبدا بند بند تھا

عمر و سعد نے اُزق کو اس بار طنز نہیں کیا تھا۔ پھر اُزق کو بیٹوں کی موت نے وحشی بنا دیا۔ وہ غصہ سے کانپ رہا تھا اور میدان میں پہنچ جانے کیلئے بیقرار ہو رہا تھا کہ اُس کا تیسرا بیٹا جو پہلے دونوں سے بھی ڈیل ڈول میں زیادہ تھا جنابِ قاسم کے سامنے پہنچ چکا تھا اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ بھی واصلِ جہنم ہو چکا تھا۔ پھر اُزق سے پہلے ہی اُس کا چوتھا بیٹا بھی پہنچ گیا اور اُس کا حشر بھی پہلے تینوں سے مختلف نہیں تھا۔ اور جنابِ قاسم کی تلوار کا یہ حال تھا۔

ہر اک شقی کے سر پہ صفائی سے چل گئی آئی ادھر سے اُدھر سے نکل گئی
ناری پکارتے تھے کہ ہم سب کل گئی کشتِ امان و امن شریوں کی جل گئی

کس کس مزے سے خونِ عدو چاٹتی رہی

ہر عضوِ مشلِ حرفِ غلط کا تھی رہی (میرٹونس)

اب اُزق کا پیمانہ صبر بڑھ چکا تھا۔ غم و غصہ کے طے جلع جذبات نے اُسے پاگل بنا دیا اُس نے پوری قوت سے گھوڑے کو چاک رسید کیا اور چشمِ زدن میں شہزادہِ حسن کے سامنے آگیا امامِ عالی مقام نے دُود سے اُس کے تیور دیکھے۔ بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا، یا اللہ! قاسم کی اس درندے سے حفاظت فرما۔

ادھر اُس نے آتے ہی جنابِ قاسم کو للکارا۔ لڑکے تیار ہو جا۔ ملک الموت تیرے سر پہ آن پہنچا ہے۔ آپ غاندانی و قار کے ساتھ اُس کی طرف دیکھے جا رہے تھے اور وہ بڑے زور شور سے رجز پڑھتا جا رہا تھا۔ میں و شق کا پہلوان ہوں۔ شام و عراق کے بڑے بڑے بہادر میرانام سن کر کانپ جلتے ہیں۔ میری تلوار اٹھتی ہے تو پھر دشمنوں کا خون چاٹ کر ہی دم لیتی ہے۔

میرانامِ اُزق ہے۔ تم میرے چار بہادر اور شہر زور بیٹوں کے قاتل ہو۔ میری تلوار اب اُن کا خون بہا مانگتی ہے۔ تمہیں قتل کرنے کے بعد اہل بیت کے ایک ایک فرد کو موت کی نیند سلا کر بھی اس کا غصہ فرو نہیں ہوگا۔ میں جنگی چالوں کا سب سے زیادہ ماہر ہوں۔ بڑے بڑے سپہ سالار میرے مشوروں پر عمل کر کے دشمن پر فتوحات جیتتے ہیں۔

اُس کی خرافات ابھی یہاں تک پہنچی ہی تھی کہ حضرت امام قاسم نے اُسے فرمایا، غلط کہتے ہو تمہیں نہ تو جنگی چالوں سے کچھ واقفیت ہے اور نہ ہی تم جنگ کرنا جانتے ہو۔ اپنے گھوڑے کی طرف دیکھو۔ اس کا زین بند کھلا ہوا ہے اور تمہیں معلوم تک نہیں۔ ایک لمحہ بعد تم زین سمیت زمین پر ہو گے۔

ارزق کی نظر ایک لمحہ کے لئے زین کس کی طرف گئی اور اُسی لمحہ میں وہ واقعی زمین پر آ رہا حسین شیر کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی۔ ارزق زمین پر تڑپ رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ لڑکے تو نے مجھے دھوکے سے قتل کیا ہے۔

امام قاسم نے ایک بار اُس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ اس لئے کہ تم جنگی چالوں کے بہت ماہر ہو چند ہی لمحوں میں ارزق کو خاک و خون میں تھپتے دیکھا تو عمر و سعد کو بڑا تعجب ہوا۔ اب ایک کے مقابلہ میں ایک کو بھیجنے کا خیال ترک کر کے کئی دستوں کو حرکت میں لانا پڑا۔ ان حالات میں کیا ہو سکتا تھا۔ ہاشمی شہزادے کی تلوار اپنے جوہر دکھا رہی تھی اور دشمن کو کاٹ کاٹ کر پھینکتی رہی۔ لیکن کب تک ایک کا سینکڑوں سے مقابلہ تھا۔ آپ کے جسم نازنین پر ستائیس زخم آچکے۔ اور پھر ایک کاری زخم بھی لگ گیا۔ آپ گھوڑے کی زین سے گر پڑے۔ آپ زمین پر تڑپ رہے تھے اور رٹیاں رگڑتے ہوئے فریاد کر رہے تھے۔

یا ابن رسول اللہ ادرکنی۔ یا عتقا ادرکنی

اپنا کام کر کے سپاہِ یزید کا بادل چھٹ چکا تھا۔ امام عالی مقام بھی قریب پہنچ گئے۔ بیٹھے کی پُراٹم نڈا سنی تو تڑپ کر رہ گئے۔ اور فرمایا بیٹا! میرا تو امتحان ہے۔ میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ اور پھر عثم محرم کے ہاتھوں میں شہزادہ حسن نے دم توڑ دیا۔ آپ نے لاش کو کندھے پر

اٹھا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے والیں تشریف لے آئے۔

حضرت زینب کے دو پھول

حضرت عباس پرچم شبیر کو اٹھائے ہوئے اہل بیت اطہار کے غیموں کا پہرہ دے رہے ہیں۔ امام عالی مقام اُن سے ذرا دُور بچے کچھے چند ساتھیوں کو ترتیب دے رہے ہیں پردہ نشینوں نے حضرت عباس کو پیغام دیا کہ امام عالی مقام کو بلا دیں۔ عباس نے خدمتِ امام میں عرض کر دیا۔

آپ خیمے کے اندر تشریف لائے تو حضرت زینب نے عرض کیا۔ بھتیجا آپ کو اس شدید امتحان میں کامیاب فرمائے۔ بہن بے بس ہے۔ کاش عورتوں کو اذانِ جہاد ہوتا تو میں اپنے بھائی پر نشانہ ہو سکتی۔ فاطمہ کی بیٹی ہوں دوسری عورتوں کی طرح باہر بھی نہیں نکل سکتی غریبا وطن ہوں پردہ میں اپنے بھائی کا صدقہ بھی نہیں اُتار سکتی۔

آپ سخی ماں کے بیٹے ہیں۔ اس مشکل وقت میں بھی آپ سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔ میری التجا قبول فرمائیں۔ امام عالی مقام نے بہن کی درد میں ڈوبی ہوئی گفت گو سنی تو بے قرار ہو گئے۔ فرمایا پیاری بہن حکم فرمائیں۔ بیشک حسین غریب الدیار اور خود مشکلوں میں گرفتار رہے مگر اپنی ہمیشہ کے حکم کو نہیں مائل سکتا۔

حضرت زینب نے سنا تو لکڑی تازگی چہرے پر آگئی۔ آپ نے وہیں سے آواز دی بیٹے آجاؤ۔ آپ کی آواز سنی کر دو چھوٹے چھوٹے بچے اپنے قدم سے بگڑتی تلوار میں زینب تن کئے ہوتے حاضر ہو گئے۔

امام عالی مقام نے بچوں کو تلواریں لئے دیکھا تو فرمایا۔ زینب یہ کیا ہے! جناب زینب نے فرمایا۔ بس بھائی جان یہی التجا تھی کہ آپ میری اس چھوٹی سی نذر کو قبول فرمائیں۔ مجھ پر دلین کے پاس اس وقت بھائی کا صدقہ دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ بس یہی دو بچے ہیں سو بھائی کا صدقہ اُتار رہی ہوں۔ کچھ توروں بلا ہو ہی جاتے گا۔

امام عالی مقام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رو کر فرمایا۔ زینب، حسین کے دل کو اور زنجی نہ کرو۔ آپ تو میرے ساتھ ہر دکھ درد میں پہلے ہی شریک ہیں۔ اگر زیادہ آں جیانا ہے تو میں

انہیں قبول کر کے تمہیں واپس دیتا ہوں۔ ابھی تو ران غنچوں کو بھول بننا ہے۔ دیکھی حسین کی دعا ہے کہ یہ بڑھیں بچوں اور جوان ہوں۔ میرے چچا جعفر طیار کی اولاد بڑھے۔ نسل زینب میں اضافہ ہو سیدہ زینب نے روتے ہوئے ~~میں~~ گلے میں باپ ~~میں~~ پھر دامن حسین کو پکڑ کر عرض کرتی ہیں۔ بھیا! مجھے مایوس نہ کرو۔ میری یہ نذر ضرور قبول فرماؤ۔ میں آپ کو اپنی فاطمہ ماں کی پردہ داری کا واسطہ دیتی ہوں۔ باپ علی کی سخاوت کا واسطہ دیتی ہوں نانا جان کی نورانی دستار کا واسطہ دیتی ہوں۔ میرا یہ ناجیز بھید اور چھوٹا سا نذرانہ ضرور قبول فرماؤ۔

بھیا حسین! اگر آپ نے ان بچوں کو اذن شہادت نہ دیا تو یہ نانا علی اور نانی فاطمہ کو کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ذوالجناہین جعفر طیار دادا کے حضور میں کس طرح بائیں گے اور اپنی ماں کے نانا جان سرورِ دو عالم کے سامنے کس طرح پیش ہوں گے۔

پیارے بھیا! میں آپ کو اس خدا کا واسطہ دیتی ہوں جس کے حکم پر آپ یہ مصیبتیں اٹھا رہے ہیں۔ میری یہ قربانی قبول کر لو۔ بہنوں کا تو بھائیوں پر بہت حق ہوتا ہے۔ اور آپ تو سخی ماں اور سخی باپ کے بیٹے ہیں پھر مجھے محروم کیوں کرتے ہیں۔

امام عالی مقام نے بچوں کی طرف دیکھا۔ بچے دوڑ کر قدموں پر گر پڑے۔ ماموں جان! اتنی ٹھیک کہتی ہیں۔ ہم علی کے نواسے اور جعفر طیار کے پوتے ہیں۔ ہم میدان میں جا کر ابھی آپ کے سارے دشمنوں کو قتل کر دیں گے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ماموں جان! آپ اتنی کی بات ضرور مان لیں۔ ماموں جان! دیکھو ہماری تلواریں کتنی تیز ہیں۔ ہم نے انہیں ریت سے رگڑ رگڑ کر خوب چمکا لیا ہے۔ آپ ہمیں میدان میں جا لینے دیں پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

نواسہ رسول نے بچوں کی مجاہدانہ گفتگو سنی تو بہت متاثر ہوئے۔ بچوں نے ماں کی یاد کرائی ہوئی گفتگو دہرا دی تھی اور ماموں جان کو منالینے میں کامیاب ہو گئے۔

امام عالی مقام بچوں کو اجازت دے کر واپس تشریف لے آئے۔ سیدہ زینب نے بچوں کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا۔ پانی کے بغیر خشک زلفوں میں کنکھی کی سرمہ لگایا چھوٹے چھوٹے چٹکے باندھے۔ علی کی بیٹی نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر لہرا کر دکھائی کہ اس طرح جاتے ہی دشمنوں پر زور سے چلا دینا۔ اور پھر سینہ سے لگایا تو حبد بات رانگنہ۔ گئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا جسے ابھی باہر اٹھانے کا جلدی سے

دونوں کو علیحدہ کر دیا اور کہا جاؤ میرے شیر سہمی کرو کہیں تمہارے ماموں پھر نہ روک دیں۔
 بچے چلنے لگے تو پھر واپس بلا لیا۔ دونوں کو پھر آغوش بھینچ لیا۔ جلدی بندھا ان کی پیشانیوں کو چوما
 اور خیمے کی ادٹ میں کھڑی ہو گئیں۔ آپ جگر کے ٹکڑوں جلتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور فرما رہی تھیں
 میرے بیٹو مجھے معاف فرما دینا۔ میں تمہیں دزدوں میں بھیج رہی ہوں۔ مال کے دل کے ٹکڑے دانا مجبوس ہے
 خدا حافظ میرے جگر پار و خدا حافظ !

بچے تلواریں لہراتے ہوئے میدان میں گئے تو شمر نے ہمارے دی، حسین ! اب جوان
 ختم ہو گئے ہیں جو بچوں کو بھیج رہے ہو۔ امام عالی مقام خاموش رہے۔
 بڑے لڑکے حضرت عون نے فرمایا۔ بیوقوف ہم بچے نہیں ہیں۔ ہمارے ساتھ مقابلہ
 کر دے تو پھر پتہ چلے گا۔

چھوٹے بچے محمد نے کہا اگر بڑا بہادر ہے تو ہمارے سلسلے آ۔ ہم چیر کر رکھ دیں
 گے۔ شمر نے کہا میں جانتا ہوں تم زینب کے بیٹے ہو۔ مگر زیادہ بہادر نہ بنو۔ یہ علی کا گھر نہیں
 میدان جنگ ہے۔ پھر خند سپاہی ان کی طرف بڑھنے لگے۔ بے غیرت حاکم کے بے غیرت سپاہی
 بچوں کو دیکھ کر ویسے ہی شرم آجانا چاہیے تھی۔ مگر ان میں تو غیرت اور شرم کا نام بھی نہیں تھا۔ وہ تو
 وحشت و بربریت اور بدنہنگی کے پتکے تھے۔ ظالم سے ظالم دشمن بھی بچوں کو دیکھتا تو مزد سکتا
 کہ واپس چلے جاؤ۔ مگر شمر نے تو ان سے کہا تھا کہ اپنے ماموں اور امی کو چھوڑ کر ہمارے پاس
 آ جاؤ۔ اور بچوں نے کہا تھا تو مجنون ہے، پاگل ہے، احمق ہے۔ ہم کیوں ماں باپ کو چھوڑ کر تمہارے
 پاس آجائیں۔ تو ہمارا کہاں کا ہمدرد ہے۔ بہر حال بچوں نے جنگ کیا لڑنی تھی حتیٰ جہاد پورا کر دیا
 اپنے فرض کی تکمیل کر دی۔ اپنی ماں کا حکم مان لیا۔ پلنے والی نے جانیں مانگی تھیں انہوں نے بڑے
 ادب سے ہنسی خوشی پیش کر دیں۔ فاطمہ کے دودھ کی تاثیر ہی ایسی ہے۔ علی کے خون کا اثر ہی ایسا
 ہے۔ دونوں راہِ خدا میں شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

شمر نے کہا، حسین ! اپنے بھانجوں کے لاشے بھی اٹھائے۔ امام عالی مقام آگے
 بڑھے۔ بہن کے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے دونوں شانوں پر اٹھائے اور بہن کے سامنے
 جا کر لٹا دیئے۔ دل پر اس قدر رقت طاری تھی کہ بہن کو تسلی کے الفاظ بھی نہ کہے جاسکے۔
 فوراً ہی خیمے سے باہر تشریف لے آئے۔

لاشے بچن دے دینداں دے خیمیاں ورج پچا کے

سانہا امانت اپنی بھیناں لال گئے اتیرے
 کیوں دلا سا دیواں تینوں دس نہیں ہیں میرے
 کنگھی واہ جنہاں دی بھیناں توں سن وال سوارے
 خون سے بدلاں دیر جاوہ ڈبے سانہا لے نور کا تارے (مقام چشتی)

جناب سیدہ زینب نے بیٹوں کی شہادت کا منظر پردے کی اوٹ سے دیکھ لیا تھا۔ آپ
 پیکر صبر و رضا بن کر سب کچھ دیکھتی رہیں۔ بیٹوں کو بھیجا بھی پوری رضا و رغبت سے تھا۔ بچوں کی
 شہادت آپ کی اپنی خواہش سے ہوئی تھی۔ مگر جب لاشیں خیمہ میں آئیں تو مامتا جاگ اٹھی۔
 ماں ماں ہی ہوتی ہے۔ ماں نبی کی ہو یا ولی کی، غازی کی ہو یا شہید کی، ماں کی مامتا اپنا رنگ
 ضرور دکھاتی ہے۔ جناب زینب نے جب عون و محمد کو میدان میں بھیجا تو اُس وقت دختر علی
 کا روپ تھا اور جب بچے شہید ہو کر خیمے میں آئے تو آپ صرف عون و محمد کی ماں تھیں۔ ایسی ماں
 جس کی پردیس میں عمر کی کمائی لٹ جائے۔ جس کی آرزوؤں کا باغ اجڑ جائے۔ جس کی امیدوں
 کا خون ہو جائے۔ جس کی ہری بھری گود خالی ہو جائے، جس کی اُنگوں کا جنازہ نکل جائے۔
 جس کے گھر کی بہار چلی جائے۔ جس کا گھر اجڑ جائے۔

سیدہ زینب دونوں لاشوں کے درمیان لیٹ گئیں۔ خاک و خون میں ڈوبی ہوئی
 بچوں کی لاشوں کو دونوں باہوں میں لے لیا اور بیہوش ہو گئیں۔

پاکدامن کو پاکدامنیں پاکدامنوں سے ہوا دیکر ہوش میں لائیں۔ آپ نے آنکھیں کھول
 دیں۔ اب آپ پھر دختر علی کے روپ میں آگئیں۔ فرمایا ان کو ان کے ماموں جان کے پاس
 بھیج دیں وہ اپنے ہاتھوں سے انہیں دفن کر دیں۔

شہزادہ علی اکبر کی تیاری

کہ بلا کے میدان کی ریت آگ کے انگاروں میں تبدیل ہو چکی ہے۔ سورج اور چاند
زمین آگ آگ ل رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یزیدی فوج کے ظلم و تشدد کو دیکھ کر سورج
کو بھی جلال آ گیا ہے۔ اور وہ اپنی پوری حدت و تمازت کرۂ ارض پر پھینک کر آج ہی زمین
کو جلا دینا چاہتا ہے۔

لیکن جہاں ایک طرف یزیدی فوج پر آگ برس رہی ہے۔ تین دن کے پیلے بھی
اُسی کی زد میں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے نواسۂ رسول کو اسی حالت میں امتحان دینا ہے کہ میدان کر بلا
عرصہ محشر کا سماں پیش کرے۔ آفتاب آگ برسا رہا ہو۔ زمین تپ کر تلبے کی طرح ہو جیگی
ہو۔ اور کر بلا کی ریت کا یہ عالم ہو کہ اُس پر دل نہ بھون لے جائیں۔

اُسے نواسۂ رسول! تیرے امتحان کی بلندیوں کو کون چھو سکتا ہے۔ کون ہے جو
تیری طرح ان مصائب و مشکلات کو برداشت کرتا ہو! شکر خداوندی کرے۔ کون ہے جو
ہر صدمہ کو الحمد للہ کہہ کر سینے سے لگائے۔

اے امام عالی مقام! یہ تیرا ہی حوصلہ ہے، یہ تیرا ہی جگر ہے کہ پیکر تسلیم و رضا
بن کر بیٹلا اور ہر مصیبت کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ آج تیرے امتحان کا تصور کرتے ہوئے
بھی دل ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔

سلام ہو اے امام عالی مقام! تیرے صبر و تحمل کو۔ سلام ہو تیری جرات و جوانمردی کو
سلام ہو تیرے..... حوصلہ و بہد باری کو۔ سلام ہو تیری غیرت ایمانی کو اور سلام ہو
تیرے عزم و استقلال کو۔

اندازہ کریں اُس امام برحق پر آنے والی مصیبتوں کے طوفان کا جس کے ساتھیوں
کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا گیا اور اب اُسے میدان میں پکارا جا رہا ہو۔

ایک شیرِ ببر کی زندگی کو ختم کرنے کے لئے ہزاروں یزیدی خونخوار کتے
اپنے پنجے تیز کر رہے ہیں۔ فضا سے شہادت کے ایک شہباز کالا شہ نوچنے کیلئے یزیدی
فوجیں چلیں اور گتھوں کی طرح پرتول رہی ہیں۔

فاطمہؑ کے چاہنے کے گردن ستاروں کا ہجوم تھا وہ ایک ایک کپ کے شہادت کے
 آفت میں ڈوب رہے ہیں۔ خیموں کے باہر ناموس محمدؐ کا محافظ عباس علمدار ہاتھ میں تلوار لئے
 حق و صداقت کا پرچم لہرا رہا ہے اور خیموں کے اندر ناموس رسولؐ کا محافظ شبیرؑ رسول
 علی اکبرؑ تلوار لئے کھڑا ہے اور اپنی والدہ کے حضور میں عرض کر رہا ہے۔ اُمّی جان مجھے میدان
 میں جانے کی اجازت عطا کرو۔ میں آبا حضور سے بھی اجازت حاصل کر لوں گا۔ حضرت اُمّ لیلیٰ
 نے فرمایا تم نواسہ رسولؐ کو یہیں بلا لاؤ۔ امام عالی مقام نے پیغام سن کر دل پر ہاتھ رکھ لیا
 اور فرمایا الہی خیر ہو۔

علی اکبرؑ آپ سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ آپ آتے تو:-

حضرت بیاب اور جناب اُمّ لیلیٰ نے عرض کیا۔ سرتاج! علی اکبرؑ دیر سے ضد
 کر رہے ہیں کہ انہیں میدان میں جانے کی اجازت دی جائے۔ اب آپ کے فیصلہ پر بات
 طے ہوئی ہے۔ امام عالی مقام نے فرمایا ہماری اجازت کا سوال بعد میں پیدا ہوگا۔ علی اکبرؑ
 اپنی چھوچی سے تو اجازت حاصل کر لیں۔ انہوں نے اسے پالا ہے اُن کا حق ان پر ہم سے
 زیادہ ہے اُن سے اجازت حاصل کر کے پھر ہم سے پوچھنا۔

جناب زینبؑ تو قریب بیٹھی ہوئی یہ گفتگو خاموشی سے سن رہی تھیں۔ اپنا نام آیا
 تو علیؑ کی بیٹی پکار اُٹھی، علی اکبرؑ! میں تجھے اجازت نہیں دوں گی۔ میں نے تجھے اس دن
 کیلئے نہیں پالا تھا کہ تیری لاش سے چمٹ چمٹ کر روؤں۔ علی اکبرؑ تیرا صدقہ تو میں دے چکی
 ہوں۔ میں نے تجھے بچانے کے لئے تو عون و محمدؑ کو میدان میں بھیجا تھا۔

علی اکبرؑ! علیؑ کی بیٹی تجھ پر فدا تو ہو سکتی ہے لیکن تجھے میدان میں ہرگز نہیں جانے
 دے گی۔ میں جانتی ہوں جب تیری لاش کو میراں جایا اٹھائے گا تو اُس کی کمر ٹوٹ جائیگی
 بیٹا! اب مجھے اس امتحان میں نہ ڈالو۔ آپ کی گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ دل ڈوب گیا
 اور آپ بے ہوش ہو گئیں۔

علی اکبرؑ کی والدہ نے کہا بیٹا چھوچی کے منہ پر منہ رکھ دو۔ تمہاری زلفوں کی
 خوشبو سے انہیں ہوش آجائے گا۔

علی اکبرؑ نے فرماں مادرِ سنا تو بجلے منہ پر منہ رکھنے کے چھوچی کے قدموں پر
 منہ رکھ دیا اور اپنے رخساروں کو چھوچی کے پاؤں سے ملنا شروع کر دیا۔ رخسارہ

علی اکبر میں کھربائی اثرات تھے یا مسیحانہ اعجاز تھا۔ جناب زینب نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

بھتیجے کو پاؤں پر رخسار ملتے دیکھا تو متباب ہو گئیں۔ رو کر فرمایا میری جان علی اکبر چھو بھی تجھ پر تار، تیری خدمت کے قربان، تیری اطاعت پر فدا، اور پھر اٹھ کر گلے لگایا۔ چھو بھی ہوش میں آئیں تو علی اکبر نے ہاتھ جوڑ کر استدعا کی۔ چھو بھی جان خدا کے لئے مجھے اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مجھے آپ خود بھی اجازت دیں اور ابابا جان سے بھی اجازت لیکر دیں۔ بھتیجے کو ہاتھ جوڑے دیکھا تو آنکھیں بھر آئیں۔ حضرت علی اکبر کے اجازت طلب کرنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ سیدہ زینب جواب نہ دے سکیں۔

ایک لمحہ کے لئے کچھ سوچا اور فرمایا۔ جا میرے چاند ہیں تجھے اجازت دیتی ہوں اپنی مال سے اجازت لے لو۔ اور پھر امام حسینؑ کو کہا بھائی جان میری علی اکبر کو اجازت دے دی۔ آپ بھی سینے سے لگا کر آخری بار پیار کر لیں۔ امام عا، امام نے بیٹے کو سینے سے لگا کر فرمایا، بیٹے بڑا سخت امتحان ہے۔ تیری جوانی ایسا، یہ جسے تلواروں کے سپرد کر دیا جائے۔ میرے لال تو شبیہ رسولؐ ہے۔ ہمشکل، میرے۔ میرے چاند تو!

سرورِ جہاں ہے گلشنِ نہ ہرا کا پھول ہے

سب سے سوا ہے یہ کہ شبیہ رسولؐ ہے

مگر مجبوری ہے کہ میں تجھے قصابوں میں بھیج رہا ہوں۔ میرے امتحان کی مجبوری ہے ورنہ تمہیں کبھی خاک و خون میں ترپنے کی اجازت نہ دیتا۔

سُبْحَانَ اللَّهِ! اس زمین پر ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ باپ بیٹے کی رضا حاصل کر رہا تھا جناب خلیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں حکم فرمایا کہ پیارے خلیل ہماری رضا کے لئے بیٹے کی قربانی پیش کر دو۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے تو بیٹے کو فرمایا مجھے اس قسم کا حکم خداوندی ملا ہے تمہارا کیا مشورہ ہے۔

قَالَ يَبْنِيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَأْمُرُ

فرمایا بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ پس تم بھی سوچ لو کہ تمہاری

کیا رائے ہے۔

پیغمبر کا بیٹا تھا اور خود بھی پیغمبر تھا۔ نبی پیدا ہوتے ہی نبی ہوتا ہے۔ جیسے اقدس میں

نور محمدی جلوہ ریزہ تھا۔ عرض کیا ابا جان حکم خداوندی کو پورا کیجئے۔ التلا واللہ آپ مجھے صابروں میں پاتیں گے۔

قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ

اور پھر جب زنج کرنے کا وقت آیا تو بیٹے نے مشورہ دیا۔ ابا جان! مجھے اوندھے منہ لٹالیں تاکہ آپ کو میری صورت دیکھ کر رحم نہ آجائے۔ اور پھر کروٹ کے بل لٹا کر بھی جناب خلیلؑ نے اسی جذبہ کے تحت آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اور پھر چھری چل گئی حق قربانی ادا ہو گیا۔ اسمعیل کی جگہ جنت کا مینڈھا ذبح ہو گیا۔ حکم خداوندی ہوا، خلیل تم امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ ہم نے اسمعیل کا عظیم فدیہ دیدیا ہے۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۚ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَّاكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۚ وَفَدَيْنَاهُ بِذِي عَظِيمٍ ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۚ (الصفۃ)

پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹا دیا۔ اور ہم نے انہیں آواز دی۔ اے ابراہیم تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور وہ وقت ہی عجیب تھا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بیشک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبحہ اس کے بدلہ میں دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی۔

بلاشبہ منی کا یہ امتحان بھی عظیم تھا اور امتحان دینے والی شخصیتیں بھی عظیم تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے یہ رسم پیچھے آنے والوں میں رہنے دی۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۚ اور لوگ ہر سال اس رسم کو زندہ بھی کرتے ہیں۔ مگر جس طرح

جناب شبیر علیہ السلام نے اس رسم کو منایا ہے یہ ان ہی کا حق تھا۔ نور محمدی منتقل ہو چکا ہے یہی نور باپ کی پیشانی میں تھا تو اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے نارِ فرود میں چھلانگ لگا دی۔ پھر بیٹے کی پیشانی میں آیا تو بیٹے نے گردن چھری کے نیچے رکھ دی اور باپ کو آنکھوں پر پٹی باندھنی پڑی۔ اب وہی نور اولادِ فاطمہ میں منتقل ہو چکا ہے۔

اب باپ میں بھی وہی استقامت ہے اور بیٹے میں بھی وہی استقلال ہے۔

وہاں باپ نے پوچھا تھا بیٹا تمہاری کیا رائے ہے۔ یہاں بیٹا سوال کرتا ہے کہ ابا جان مجھے قربان ہونے کی اجازت دی جائے۔ وہاں باپ نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔

یہاں باپ کو سارا نظارہ آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ وہاں باپ کے ہاتھوں میں چھری تھی،
اور یہاں بیٹا قصابوں میں جا رہا ہے۔ وہاں جن فرائض کی ابتدا ہوئی تھی یہاں ان فرائض
کی انتہا ہو رہی ہے۔ ابراہیم کی قربانی کو اولادِ ابراہیم ہی پائیہ تکمیل تک پہنچا رہا ہے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم

نہایت اسکی حسین ابتدا ہے اسماعیل

وہ قربانی تھی پہلی امتحانِ گاہِ محبت میں
تھی اب تک مخرخی افسانہ خلت یہ قربانی
جہاں میں مذقوں کے بعد ہر اک انقلاب آیا
ہو انسل خلیل اللہ میں ابنِ علی پیدا
رضائے حق وہاں موقوف تھی بیٹے کی رضی پر
رہے دو محترم ثابت قدم راہِ محبت میں
مگر دیکھنے دیکھا کہ بلا میں منظرِ ثانی
اٹک کو بھر دی نورِ خلیل بے حجاب آیا
ہوئی گلزارِ ابراہیم میں تازہ کلی پیدا
وہاں تھی ثبت مہرِ نحتِ دلِ دل کی عرضی پر

یہاں بیٹا مگر ہے باپ سے اس بات کا خواہاں

پدر کر دے خدا کی راہ میں بیٹے کی شہادتِ سراں (حسنِ رضا)

اُدھر خلیل علیہ السلام نے جب بیٹے کو قربان ہونے کے لئے رضا مند دیکھا تو آپ
انہیں شہر سے دور باہر الگ ایک ایسی جگہ پر لے گئے جہاں اُس منظر کو ان کی ماں
اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے۔ مگر جب حضرت علی اکبر تیار ہوتے ہیں تو ان کی ماں خود ہتھیار
پہناتی ہے۔

اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کرنے والی پھوپھی جان خود تیار کرتی ہیں۔ اور
علی اکبر کے والد گرامی ان کے جسم پر اپنے ہاتھوں سے ہتھیار سجاتے ہیں۔ کیوں نہ ہو تکمیل
ذبحِ عظیم تو اسی کو کہتے ہیں۔

دہاں رسی سے باندھے ہاتھ پاؤں صبرِ فرما کر
یہاں اللہ اکبر اندرونِ خانہِ اطہر
شہادت کا پسر کو باپ خود جوڑا پہناتا ہے
عبائے سرورِ عالم تھی ڈالی جسمِ احمد پر
لٹایا خاک پر بیٹے کو بستی سے الگ جا کر
بنائے جا رہے ہیں خیر سے دواہا علی اکبر
لبا میں جنگ سے جسمِ منور کو سجاتا ہے
شہِ غیبر کے پٹے سے کرنا مذھی گئی کس کو
بڑھی کچھ اور بھی ہمشکل پیغمبر کی رعنا

مہرِ انور پہ رکھا نور۔ اپنی زرد پہناتی

سجائے دست و بازو نیزہ و شمشیر و خنجر سے
دُعا مانگی اٹھا کر دستِ رحمت ربِّ اکبر سے
(حسنِ رضا)

خداوندِ جہاں مقبول ہو میرا یہ نذرانہ
الہی تحفہ درویش ہے مقبول فرمانا
(صائمِ چشتی)
اُدھر پھر علی اکبر کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔ میرے لال! میں تیرے لئے
استقامت کی دُعا کرتا ہوں اور تو میرے لئے استقامت کی دُعا کر۔ مجھے تیری شہادت
کا سارا منظر آنکھوں سے دیکھنا پڑے گا اور یہ میرے لئے بہت بڑا امتحان ہے۔ اپنی
جان دے دینے سے بھی زیادہ سخت امتحان۔ خداوندِ کریم ہم دونوں کو اس امتحان
میں کامیاب کرے۔

میرے چاند! ہم دونوں ہی امتحان دے رہے ہیں۔ تو قربان ہو کر امتحان
دے گا اور میں تجھے قربان ہوتے ہوئے دیکھنے کا امتحان دوں گا۔ تیرا قربان ہونا بھی
بہت بڑا امتحان ہے اور تجھے قربان ہوتے دیکھنا بھی بہت بڑا امتحان ہے خدا حافظ
جاؤ، ناموسِ محمد کی حفاظت کے لئے جاؤ۔ بوڑھے باپ کے جوانِ عزم کی خاطر جاؤ
اللہ تعالیٰ تیری قربانی قبول فرمائے۔ میرے چاند تھوڑی دیر بعد ہم بھی آرہے ہیں۔
اور پھر ہم سب کی حوصلہ کو تیرے ملاقات ہوگی۔

دُعا دے کر کہا فیرِ نظر جاؤ خدا حافظ
رہِ حق میں عدو سے جنگ فرماؤ خدا حافظ
حضرت علی اکبر نے باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ماں کو سلام کیا، بھوپھی کے قدموں کو
چُومنا اور دیگر اہل بیت کو الوداعی سلام کہتے ہوئے خیمہ سے باہر آ گئے۔

علی اکبر کی شہادت

قدم باہر مٹوا خیمہ سے جب نور مجسم کا
حجاب مشرق انوار سے مہر مبین چمکا

علی کے لال کلال، شیر خدا کے شیر کا شیر، ہمشکل پیمبر شہزادہ علی اکبر جب نعرۂ تکبیر
بلند کرتے ہوئے میدانِ کارزار میں گیا تو عمر و سعد نے اپنے سواروں کو حملہ کرنے سے روک
دیا ساپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور جناب علی اکبر کے قریب آگیا۔

اور پھر شہزادہ حسینؑ کو اس طرح مخاطب کرتا ہے۔ علی اکبر مجھے تیری جوانی پہ ترس
آگیا ہے۔ اور تیری شکل بھی رسول اللہ سے ملتی ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تم اپنی اُمّت
جوانی پر رحم کرو۔ اور میرا ایک مشورہ مان لو بہت نفع میں رہو گے۔

حضرت علی اکبر نے فرمایا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ عمرو نے کہا کہنا یہ چاہتا ہوں کہ تم
اپنے باپ کا ساتھ چھوڑ کر میری طرف آ جاؤ۔ میں تمہیں مکمل امان دیتا ہوں۔ میں ابن زیاد وغیرہ
سے ہر قیمت پر تجھے بچاؤں گا۔ تم اہل بیت کے چشم و چراغ ہو۔ اس لئے جلد ہی لوگوں کی
نگاہوں میں اچھا مقام حاصل کرو گے۔ میں تمہیں بہت زیادہ مال و دولت بھی دوں گا۔ تم بہت
خوبصورت ہو اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تم قتل کئے جاؤ۔

شہزادہ علی اکبر نے فرمایا۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ شیطان تجھ میں
شیطانی روح تحلیل ہو گئی ہے۔ تو مجھے اسی طرح دھوکہ دینا چاہتا ہے جس طرح ابلیس نے
حضرت ذریعہ کو ٹھکانا چاہا تھا۔ مردود! مجھے ابن رسول کا ساتھ چھوڑنے کو کہتا ہے
بدطینت انسان جان رسول کو قتل کرنا چاہتا ہے اور تصویر رسول کو بچانا چاہتا ہے۔

سجید باپ کے شقی القلب بیٹے! میں تیری طرح نہیں ہوں کہ اپنے باپ کا دامن چھوڑ
دوں۔ تیرا باپ جان رسول کی ڈھال بنا ہوا تھا اور تو جان رسول پر تیرا سار ہا ہے۔
فطرت ظالمو! تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نواسہ رسول کو شہید کر کے حکومتوں کے مالک بن جاؤ گے

تمہارا یہ خیال بھی لغو ہے کہ تم ہمیں شہید کر کے فتحیاب ہو جاؤ گے۔
یاد رکھو! فتح حق کی ہوتی ہے اور حق ہمارے ساتھ ہے۔ ہم قتل ہو کر بھی انشاء اللہ
فاتح کہلائیے گے اور تم ہمیں شہید کر کے بھی اپنے دامن میں شکست کا سیاہی لے کر جاؤ گے۔
عمر و نے کہا جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں نے ایک اچھا مشورہ تمہیں دیا تھا قبول کرنا یا نہ کرنا
تمہاری مرضی ہے۔ کچھ تو تمہیں پیاس نے کس طرح ندھا کر رکھا ہے۔ ہمارے ساتھ مل جاؤ گے
تو ٹھنڈے پانی کے مشکیزے تمہارے سامنے ہوں گے۔ حضرت علی اکبر نے فرمایا خاموش ہو جاؤ
اب کوئی مشورہ نہ دینا اور سن لے کہ:-

خواہش یہ ہمیں ٹوٹ کے گونا نہیں آتا
پیاسے ہیں مگر چشمہ کوثر پہ کھڑے ہیں
اور پھر آپ نے بلند آواز سے فرمایا:-

افا علی بن حسین بن علی

محق و رب البیت اولی بالنبی

تا اللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

میں علی اکبر بن حسین بن علی ہوں۔ رب کعبہ کی قسم ہم قربت رسول کے زیادہ مستحق ہیں۔ خدا کی
قسم نامعلوم باپ کا لڑکا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا۔

اور پھر عمر و کو کہا اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ ہاں اگر مقابلہ کی بہت ہے تو
آگے بڑھاؤ۔ تاکہ تم پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ حق کس طرف ہے۔ عمر و سعد نے یہ مجاہدانہ
لکار سنی تو کانپ کر رہ گیا اور پھر اپنی فوج کو اشارہ کر دیا کہ آگے بڑھ کر حملہ کر دو۔

یزید یوں نے پوری شدت سے حملہ کیا تھا مگر سامنے تو عزم و یقین کی چٹان تھی طاقت و
حمات کا پہاڑ تھا، غیرت و ایمان کی سیسہ پلاٹی ہوئی دیوار تھی۔ حملہ آوروں کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ
مقابلہ کس سے ہے۔ علی اکبر کی تلوار تھی یا قہر خداوندی کشتوں کے پشتے لگا رہی تھی۔ جدھر
پڑتی خون کی برسات ہوتی جاتی۔

ہر غول میں بوجھاڑ سروں کی نظر آتی

دریا سے گہرا ابر سے تارے نکل آتے

بجلی سی وہ شمشیر جیستی بدھرا آتی

ٹپکا جو ہو منہ سے شرارے نکل آتے

بجلی نے پناہ مانگی یہ کام وہ کر آئی
خود رُوحوں کو سکتے تھا کب آئی کدھر آئی
راہوار کو کاٹا نہ رُکی جنانہ زبیں پر
گویا کہ گری چرخ سے اک برق زمین پر
(انیس)

غلّ تھا کہ تیر پھینک دے مچالوں کو ہٹاؤ
نزدیک سے چار آئینہ والوں کو ہٹاؤ
تادور زہرہ پوش رسالوں کو ہٹاؤ
ہے سر پہ بلا آہنی ڈھالوں کو ہٹاؤ

میدان میں تلوار بنی پھرتی ہے بجلی
سُسنے ہیں کہ لہے پہ بہت گرتی ہے بجلی
(میر انیس)
تیغ اکبر چل رہی ہے۔ جہاد اکبر ہو رہا ہے۔ رب اکبر دیکھ رہا ہے۔ فرشتے داد دے
رہے ہیں۔ خوریں واہ ذاکہ رہی ہیں۔ سورج حیدر کے پوتے کا جلال سمیٹ نہیٹ کر اور گرم
ہوتا جا رہا ہے۔

آثارِ قہر حضرت باری تھے دشت میں
دوزخ میں دوزخی تھے کہ ناری تھے دشت میں
جو نامور بڑے تھے جگر اُن کے مچھٹ گئے
باگیں جو ڈر کر کھینچ لیں گھوڑے اُلٹ گئے
(میر انیس)
شہداء کا خون چاٹ چاٹ کر دھوپ کا رنگ آگ کے شعلوں کی طرح سُرخ
ہو چکا ہے۔ جناب علی اکبر کی خیر شکن ضربیں برابر دشمنوں پہ پڑ رہی ہیں۔ یزیدی فوج
قمر بنی ہاشم کے آگے اس طرح دوڑ رہا ہے جیسے چاند کے آگے آئے ہوئے بادل
تیز ہوا کے زور سے اڑتے پھرتے ہیں۔ علی کا شیر حب یا علی کا نعرہ لگاتا ہے تو دشمنوں
کو ہنقرہ قری آجاتی ہے۔

ابو سیبہ سے برق کا حبوہ رُکا نہیں
موجوں کے دام سے کبھی دریا رُکا نہیں
(میر انس)
گھوڑے زخمی ہو رہے ہیں۔ سوار گہر رہے ہیں۔ حیدر کا شیر تین دن کا پیاسا ہے
پسینے میں شرابو رہے۔ مگر قوت پروردگار کا وہ مظاہرہ کرتا ہے کہ حیدر کو آہ کی یاد
ناکھ ہو جاتی ہے۔ دشمنوں کے سر بھجور کٹ کٹ کر گھر سے ہوا اور آواز کے مہم ہوا۔

ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ ریت کے بگوئے اڑ رہے ہیں۔ ہوا آتی بھی ہے تو آگ کی طرح گرم اور کربلا کی دوپہر الامان والحفظ

یوں کربلا کی دھوپ تھی گرد و غبار میں
ہو جس طرح کفن کی سفیدی مزار میں
اکبر کا جسم پیاس کی حدت سے گرم ہے
جنگل تمام دل کی حرارت سے گرم ہے
دامن پھٹے پڑے تھے نشانوں کے جا بجا
ٹکڑے چمک رہے تھے سناٹوں کے جا بجا

بے پناہ زور کا حملہ تھا۔ دشمنوں کو ہوش نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔
شبیر کے چاند نے شام کے بادلوں کا سینہ چیرتے ہوئے گھوڑے کی عنان موڑ لی۔
اور حشیم زدن میں امام عالی مقام کے حضور میں پہنچ گیا۔ ابن حیدر کے دربار میں ہدیہ سلام
پیش کیا اور عرض کیا، ابا حضور کاش دو گھونٹ پانی مل جاتا تو میں ان درندوں کو ختم کر کے
دم لیتا۔ شبیر نے آہ سرد بھر کر فرمایا، بیٹا! پانی تو اب حوض کوثر پر ہی ملے گا۔ آپ
کو یہ فرض پانی پئے بغیر ہی ادا کرنا ہے۔ علی اکبر نے سر نیاز چھکایا اور واپس مڑ گئے
دل میں کسی کی یاد نے انگڑائی لی تو گریخ انور مدینہ منورہ کی طرف کمر لیا اور کہا۔ پیاری بہن
مجھے معاف کر دینا۔ میں تیرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ صغریٰ! مجھے معلوم ہے
کہ اب بھی تو میرا انتظار کر رہی ہے۔ پیاری ہمشیر میں جانتا ہوں کہ تو علی اصغر سے ملنے
کے لئے کس قدر بے چین ہے۔ مگر قدرت کو یہی منظور تھا کہ میں تیری جدائی کے غم کا داغ
سینے میں لیکر دنیا سے جاؤں۔ پیاری بہن اگر تو میرے لئے بیقرار ہے تو میرا سینہ بھی
تیرے غم سے فگار ہے۔ پھر بھی میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا صغریٰ
بہن مجھے معاف کر دینا۔

اور پھر آپ میدان کارزار میں اسی طرح سیف حیدری کے جوہر دکھانے لگے
جس طرح پہلا حملہ حیدری کیا تھا۔

ہمشکل پیمبر حملے کر بھی رہا ہے اور حملے روک بھی رہا ہے۔ آپ پر تلواریں بھی برس
رہی ہیں اور تیر بھی برس رہے ہیں۔ برھیاں بھی اٹھ رہی ہیں اور نرے بھی مل رہے ہیں

جسم اقدس پر کئی زخم آچکے ہیں۔

وہ گلزارِ فاطمہ حاروں میں گھر گیا

تنہا علی کا لال ہزاروں میں گھر گیا (میر انس)

صغریٰ کو ہوا کے ہاتھوں پیغام بھیجنے والا علی اکبر زخموں سے چور چور ہو چکا ہے
موت حیاتِ ابدی کا پیغام لیکر آگے بڑھتی آتی ہے۔ حیاتِ ظاہری کا دائرہ تنگ سے
تنگ تر ہو جاتا ہے۔ موت بڑھتی آرہی ہے حیات سمٹتی جا رہی ہے۔ اکبر جا رہے ہیں
صغریٰ انتظار کو رہی ہے۔

ایدھر اکبر سے چل گئیاں ظلم دیاں شمشیراں

اودھر بھین اڈیاں کر دی خط نہیں گھلایا دیاں

نازک جسم جوان اکبر دا دیکھیا خونیاں تیراں !

چھیریاں خونیاں تیغاں قسام نبی دیاں تصویراں

حیدر کاشیر زخموں کے باوجود اسی دم غم سے تلوار چلا رہا ہے کہ مرہ بن منتقد عبدی
ملعون نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ شبیہ رسول لڑکھڑا کر گھوڑے سے پھینکے گئے۔

حیدر کے آفتاب کا رشک قمر گر

قریشے پکارا اٹھے زہرا کے نورِ عین کا نورِ نظر گر

ہم شکلِ پیہر کے چمکتے ہوئے منور سینے پر زخم اس طرح معلوم ہوتے تھے جیسے
ساحلِ سلسبیل پر سرخ جوڑے پہن کر محمد بن بھیجی ہوں۔ جیسے سنگِ مرمر پر یا قوت و مرجان
کی مینا کاری کر دی ہو۔ جیسے سورج کے چہرے پر افستاں چن دی ہو۔ جیسے لوحِ محفوظ
پر زعفران سے قرآن کی آیات لکھ دی ہوں۔ جیسے چاند پر گلاب کھل اٹھا ہو جیسے آئینے
پر بھول بکھیر دیئے ہوں۔

زخم اس شکل سے آتے تھے نظر سینے میں

جس طرح بھول بکھار دیتے ہیں آئینے میں

اور پھر عمرو بن سعد اور شمر کی مکروہ آوازیں فضا میں ابھریں۔ حسینؑ جوان بیٹے کی

لاش اٹھا لو۔ ابھی پینید کی اطاعت نہ کرنے کا مزہ اور بھی چکھنا پڑے گا۔ امامِ عالی مقام

گھڑیاں تھیں۔ ابھی آپ نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ جناب زینب خیمہ سے چبھتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ آپ کی فریاد پر کوبلا کا ذرہ ذرہ فریاد کرنے لگا۔ آپ نے آگے بڑھ کر بہن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پیاری بہن صبر کرو اور واپس خیمے میں تشریف لے جاؤ۔ تم علی کی دختر ہو علی کے حوصلے سے کام لو۔ تم فاطمہ کی بیٹی ہو فاطمہ کا صبر دکھاؤ۔ جاؤ میری ہمشیر حسین کو نئے امتحان میں نہ ڈالو۔ میری تو پہلے ہی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ جناب زینب روئی ہوئی واپس چلی گئیں۔

امام حسینؑ جوان بیٹے کی لاش پر پہنچے۔ صبح سے لاشیں اٹھا رہے تھے مگر یہ مشکل پیمبر کی لاش ہے، شبیرہ مصطفیٰ کی لاش ہے۔ انتہائی مشکل امتحان ہے۔ جناب خلیل سے ہم زیادہ مشکل۔ جب ان پر بیٹے کی لاش اٹھانے کا وقت آیا۔ تو بیٹا سامنے مسکرا رہا تھا اور مینڈھا ذبح ہو چکا تھا۔ مگر امام عالی مقام کے سامنے جوان بیٹا خون میں لت پت پڑا ہے۔

کس قدر شدید آزمائش کی گھڑی ہے۔ صبر کے دامن کو بھی داغدار ہونے سے بچانا ہے اور شبیرہ مصطفیٰ کی لاش کو بھی اٹھانا ہے۔ جوان بیٹے کی میت کو اٹھانا ہے انگوں اور آرزوؤں کے جنازہ کو اٹھانا ہے۔ کیسے اٹھاتے مگر تو ٹوٹ چکی تھی۔ کمانی تو ٹوٹ چکی تھی، ارمان تو اُجڑ چکے تھے۔ جان تو نکل چکی تھی، زور تو ختم ہو چکا تھا زینب کے گھر کی روشنی تو شام کے اندھیروں نے سچپن لی تھی۔

قوت تھی جس سے دل کو اُسی کا ہے دل پہ داغ
جو گھر کی روشنی تھا وہ تھا بھج چکا چرغ
دستِ الم سے جیب قنبا تارتا ہے

(میر موسیٰ)

لوٹی مہنی کا ہے ایک بوجھ کا ہے
امام عالی مقام کے دل پر گزرتے بیفت کو کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے

گھر جس شکستہ محل کا لٹے اُس سے پوچھئے

(انس)

اکبر سالال جس کا چھٹے اُس سے پوچھئے

اٹھارہ سال جس بوٹے کو آرزوؤں کا پانی دے دیکر پالا تھا وہ تو کٹ چکا ہے

جسے بڑھاپے کا سہارا بننا تھا وہ عصا تو ہاتھوں سے چھوٹ چکا ہے۔ آنکھوں کا نور

ہے آئی تصویرِ مصطفیٰ تو خون میں ڈوبی ہوئی ہے دنیا اندھیر کیوں نہ ہو جاتی۔

کاہش ہے جان کے لئے رشکِ فتر کا داغ
روزِ سیاہ دکھاتا ہے نورِ نظر کا داغ (میر انس)
پیری کا جو عصا تھا وہ ہاتھوں سے چھٹ گیا
اک عمر کا ریاضِ ضعیفی میں لٹ گیا
راحت کہاں کہ راحت چاند پر نہیں
بینائی کیوں نہ کم ہو کہ نورِ نظر نہیں
تصویرِ مٹ گئی جو رسالتِ پناہ کی
دنیا اندھیر ہو گئی آنکھوں میں شاہ کی

بہر کیف: قافلہ سالارِ عشق احمد کریم پر کاہِ عشق امتحانِ گاہِ عشق میں اپنی آرزوؤں کا لاشہ اٹھانے کے لئے
آگے بڑھے اور

جھک کر کبھی کی آہ - کبھی دل کو سنبھالا
بسمل نے ترپتے ہوئے بسمل کو سنبھالا (میر موسیٰ)

اور پھر سیکرِ صبر و رضا اور مجسمہ تسلیم و استقامت نے جوان بیٹے کی خاک و خون
میں لتھری ہوئی لاش کو کندھوں پر اٹھالیا - اٹھایا پراٹھایا نہ جاتا تھا - بارگاہِ خداوندی
میں عرض کیا :-

الہی میرا یہ نذرانہ بھی قبول فرما لے - حسین کے گھر میں سب سے پیاری چیز
یہی تھی جو تیری بارگاہ میں بعدِ عجز و خلوص پیش کر رہا ہوں - یا اللہ تو نے مجھ سے جو امانتیں
مانگی تھیں میں واپس کر رہا ہوں - میرا نام ارمینوں میں لکھ لینا - اے احکم الحاکمین مجھے
میرے نانا کے حضور میں سرخرو کر دینا - یا اللہ میری ماں فاطمہؓ کی رولٹے صبر و داغ نہ
آنے دینا - یا اللہ مجھے اور بھی صبر و استقامت عطا فرما - یہ دعا کرتے ہوئے لاشہ اکبر
کو لیکر شہیدوں کے سردار پاکدامنوں کے خیمہ کے اندر پہنچاتے ہیں۔

خندوں لاش اکبر دی خیمے پہ آئی
سکینہ و بدو کے پانی دہائی
ہوا گول مینوں وی دھین تے دیو
کیونکہ میرا ویر آگیا اے

تک ویرن دے لاشے تائیں ترپ گئی ہمیشہ
اک نئے گلِ اخیری کرے بھین لٹی دیا ویرا (صائم چشتی)

جناب سکینہ مہائی کی لاش سے چمٹ جاتی ہیں ادھائی کی لاش سے کل کل کر چہرہ
خون آلود کھینچتی ہیں - جناب ام لیلیٰ نے جوان بیٹے کا لاشہ دیکھا تو کلیجے سے ہاتھ رکھ کر ہونٹ

ہو گئیں۔ جناب زینبؓ بھتیجے کی لاش پر گری ہوئی فریاد و فغاں کو رہی ہیں۔ جناب شہر بانو الگ ٹرپ رہی ہیں۔ بیمار عابد کو بخار کی تیزی اور شدتِ پیاس نے بیہوش کر رکھا تھا۔ پاکدامنوں کی درد و اہم میں ڈوبی ہوئی فریاد نے بیہوشی کے جال کو توڑ دیا۔ بڑی مشکل سے سے اُمّھ کو بیٹھ گئے جو ان بھائی کا لاشہ دیکھا تو ہائے اکبر کہہ کر ترپنے لگے۔ امام عالی مقام نے آگے بڑھ کر تسلی دی۔ جناب زین العابدین نے باپ کی طرف دیکھا تو آنسو آگئے۔ سُرخ سُرخ آنسو بالکل خون کے قطرے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کلیجہ کٹ کٹ کر آنکھوں کے راستے بہنے لگا ہو۔ امام عالی مقام نے دستار مبارک کے پلڑے میں بیٹے کے آنسو جذب کئے تو کپڑے پر بھی جناب سجاد کے آنسوؤں کے سُرخ دھبے آگئے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ امام عالی مقام نے بیٹے کی آنکھوں سے بہنے والے خون کا صد مکس طرح برداشت کیا ہو گا۔ آپ نے بیٹے کو سہارا دے کر لٹایا، پاکدامنوں کو صبر کی تلقین فرمائی، علی اکبر کی لاش کو اٹھایا اور سپردِ خاک کر دیا۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

یارب کسی کا نخلِ متنا قلم نہ ہو !
سب دکھ ہوں پر فراقی پسر کا اَلَم نہ ہو

حضرت علی اصغر کی شہادت

کون اندازہ کر سکتا ہے اس المناک منظر کا اور کون قلمبند کر سکتا ہے اس دردناک نظارے کو کہ ادھر تو امام عالی مقام کے ساتھی ایک ایک کر کے داغِ مفارقت دیتے جا رہے ہیں۔ اور ان شہیدانِ وفا کی لاشوں کے ٹکڑے میدانِ جفا میں بکھرے پڑے ہیں اور دوسری طرف محمد مصطفیٰ کی بہو بیٹیاں اس وحشتناک اور ہولناک نظارے کا پردوں کی اوٹ میں مشاہدہ کر رہی ہیں۔ ان میں کئی شہید ہو جانے والوں کی مائیں بھی ہیں، بہنیں بھی ہیں، بیویاں بھی ہیں اور بیٹیاں بھی۔ ان کے دلوں پر چلنے والی غم کی پھریلوں کے زخم کتنے گہرے تھے۔ ان کو وہی پاکہ امنیں جان سکتی ہیں۔ ان کی مصیبت کا تو تصور کرتے ہوئے بھی دل ٹپ جاتے ہیں۔ بدن کا رُواں رُواں کانپ اٹھتا ہے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔

اور پھر محمد عربی کے نواسے کے دل کی کیفیت کو کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے جس کے ساتھی بھی ایک ایک کر کے پھڑپھڑتے جا رہے ہیں۔ اور جس کو ان پر وہ نشینوں کا بھی غم ہے۔ جن کی ربی دبی چنچیں اور سسکیاں خیموں سے بار بار ابھرتی ہیں اور کو بلا کی فضا کو غم آلود کر کے دم توڑ دیتی ہیں۔

اب پھر ال بیت کے خیمہ سے ایک چیخ بلند ہوتی ہے اور ساتھ ہی ایک نسوانی آواز آتی ہے یا امام ادھر بھی دیکھئے! امام اپنے ایک رفیق کو میدانِ کارزار میں بھیج کر خیمہ کے اندر تشریف لے جاتے ہیں۔

حکیم کا اندرونی منظر میدانِ کربلا سے بھی زیادہ برقت انگیز اور دردناک ہے۔ تمام بیٹیاں زار و قطار رو رہی ہیں اور حسرت و یاس سے ایک دوسری کا منہ دیکھ رہی ہیں۔ سیدہ زینب الگ تڑپ رہی ہیں، جناب اُمّ لیلیٰ اور جناب شہر بانو الگ فریاد و فغاں کر رہی ہیں۔ سب کے لب سوکھے ہوئے اور رو کر آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ جناب شہر بانو نے ایک ننھا سا بچہ ہاتھوں پر اٹھایا ہوا ہے اور اُس بچے کی حالت یہ ہے کہ:-

تھا فرطِ غم سے نتھاسا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوئے تھا مٹھیاں اور منہ کھلا ہوا

جناب ام لیل اس کو دامن سے ہوا دے رہی تھیں اور جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا
ابنہا خشک زبانی پر انگلی پھیر پھیر کر اس کے لبوں پر پھیر رہی تھیں۔

امام عالی مقام نے ننھے سے پھول کو اس طرح مرجھایا ہوا دیکھا تو شدتِ غم سے آپ کی
آنکھوں پر آنسو آئے۔ اور پھر جذبات پر قابو پاتے ہوئے فرمایا:۔ خدا آپ سب کو صبر کی
توفیق بخا کرے، مجھے کیوں بلایا ہے؟

ناب شہر بانو نے عرض کیا۔ یا امام! ایک طرف میرے زین العابدین کو شدت کا بخار
جڑھا ہوا ہے۔ اور وہ جب بخار کی بیہوشی میں پانی کا سوال کرتا ہے تو ہم سب سوپ کر رہ جاتی
ہیں۔ دوسری طرف اس ننھی سی جان کا یہ عالم ہے کہ شدتِ پیار سے بار بار بیہوش
ہو رہا ہے۔

بچے اپنے غیور سرتاج کی غیرت کا مقام سمجھتے ہوئے خبی یہ التجا کروں گی کہ آپ بچے
کیلئے دو گھونٹ پانی کا ضرور انتظام فرمائیں۔

عمر چلتو سے زیادہ تو یہ پیاسا نہ پئے گا (مرفس)
امام عالی مقام نے فرمایا۔ اے میری رفیقہ حیات کاش! تو مجھے اس احسان میں نہ دالتی
میں نے تو آج تک کسی کے آگے دست سوال دراز ہی نہیں کیا۔ پھر میں کس طرح قومِ اشقیاء سے
پانی مانگ سکوں گا، مجھے تو سوال کرنے کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ میں تو سخی ابنِ سخی ہوں۔ ہم تو دوسروں
کے سوال پورے کرنے اور سانپوں کی جھولیاں بھرنے کے لئے دنیا میں آئے ہیں۔ اور پھر ان
ادنیٰ اور شقی القلب لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا نا تو میرے لئے نہایت ہی دشوار ہے۔
جناب رباب ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئیں اور کہا:۔ سرتاج میں جانتی ہوں کہ آپ سخی ابنِ سخی ہیں اور
اس لئے ہی آپ کے درِ اقدس پر ساگل بن کر کھڑی ہوں۔ آپ نے کبھی کسی سائل کا سوال مسترد نہیں فرمایا
میں آپ کو خدا و رسول کا واسطہ دیتی ہوں۔ جناب علی شیر خدا کی سخا کا صدقہ مانگتی ہوں اور جناب ہر
بتول کی ردا کا صدقہ مانگتی ہوں۔ مجھے محروم نہ فرمانا۔ اے گلِ ریاضِ بتول اور شمعِ شبستانِ رسول
مجھے مایوس نہ کرنا۔ میں اپنے لئے نہیں، اپنے بیمار عابد کے لئے نہیں، بناتِ بتول اور پیاس
کی شدت سے تڑپتی ہوئی سکینہ کے لئے نہیں صرف اور صرف اس بچہ کے لئے ایک گھونٹ پانی مانگتی ہوں

اپ اسے گودی میں اٹھا کر لے جائیے اور دشمنوں کو فرما دیجئے کہ ہم اپنے لئے نہیں مانگتے صرف اس دم توڑتے ہوئے بچہ کے لئے دو گھونٹ پانی دے دو۔ اس نے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا۔ جناب زینب و کلثوم، جناب اُمّ لیلیٰ نے بھی رو کر جناب رباب کی تائید کی۔ حضرت سلیمہ کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور وہ خود بھی پانی کے ایک گھونٹ کے لئے بیتاب ہو رہی تھی۔ گلا بھی خشک اور زبان بھی خشک تھی شدت پیاس سے لنگھیں اہل پڑھی تھیں اور بار بار غش آ رہا تھا۔ مگر ہمت کر کے آگے بڑھتی ہیں اور والدِ گرامی کے قدموں پر سر رکھ دیتی ہیں، گلے پر ہاتھ پھیر پھیر کر گلا صاف کر کے مشکل تمام یہ عرض کرتی ہیں۔ ابا جان! اُمّی سچ کہتی ہیں، چھو بھی ٹھیک کہتی ہیں۔ میں اپنے لئے آپ سے پانی کا ہرگز سوال نہیں کروں گی آپ میرے ننھے ماں جلنے کے لئے دو گھونٹ پانی مانگ لائیں۔ جس کے بھیا تاقم اور اکبر پانی پئے بغیر شہید ہو گئے ہوں وہ پانی کیا مانگے گی مجھے نہیں۔ آپ میرے اصغر چاند کو ایک گھونٹ پانی پلا دیں۔ اسے خوش دیکھ کر میری پیاس خود ہی اتر جائے گی۔

بچی کی گفتگو نے امام مظلوم کو لرزاکر رکھ دیا اور پھر آپ نے ٹھنڈی آہ بھر کر معصوم کو گود میں لیکر بارگاہِ ایزدی پر عرض کیا۔ یا اللہ مجھے ناموس محمدؐ نے تیرا واسطہ دے کر مجبور کر دیا ہے۔ یا اللہ تو نے مجھے دوسروں کا سائل بننے سے ہمیشہ محفوظ رکھا ہے۔ یا اللہ مجھے استقامت نصیب فرما۔ اور پُرپ خیمے سے باہر آگئے۔ اصغر کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔

اصغر تھا ایسے سبطِ پیغمبر کی گود میں
قرآن ہو جسے ہاتھ میں قرآن لئے ہوئے (صائمِ چشتی)
پھر آپ ننھے اصغر کے لبوں پر انگلی پھیرتے ہوئے اُسے اس طرح مخاطب کرتے ہیں
فرماتے ہیں اے غنچہ دہن اے میرا سے؟ تیرا وہ مجھے کیا میں کہوں اہل جفا سے؟
کھلتی نہیں میری زباں فرطِ حیا سے میں نے تو جو مانگا ہے مانگا ہے خدا سے
ادنیٰ سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہے

اب صبر کرو نہر کہیں دور نہیں ہے (انیت)

اور پھر آپ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یزیدی فوج

سے دیکھ رہا ہے۔ شدت کی گرمی ہے۔ آگ برساتی ہوئی ہوا جسموں کو مچھلتی جا رہی ہے
 نتھاسا پھول اور بھی مرجھایا جاتا ہے۔ آپ نے اُس پر دامن کا سایہ کیا ہوا ہے۔
 شاہ روکتے ہیں دھوپ دامنِ عبا سے
 ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بدن گرم ہوا سے (انیس)
 امام عالی مقام کے ہاتھوں میں محصوم علی اصغر کو دیکھ کر رضوانِ جنت ایک دوسرے کو
 یوں کہتے تھے۔

وہ دیکھو ادھر شہر والا کے پسر کو
 خورشید نے ہاتھوں پر اٹھایا ہے قمر کو
 حُوریں اور فرشتے دم بخود ہو کر اس منظر کو دیکھ رہے ہیں کہ دیکھیں فاطمہ کالال کس
 طرح سوال کرتا ہے۔ یہ سب کے لئے انوکھی بات تھی۔ جس نے کبھی سوال نہیں کیا تھا وہ سوال
 کرنے کے لئے جا رہا ہے۔ جو کوثر و سلسبیل کے چشموں کا مالک ہے وہ ایک گھونٹ پانی اُن
 سے طلب کرنے کے لئے جا رہا ہے جو اُس کے جواں بھائیوں، بھتیجیوں، بھانجیوں اور بیٹیوں
 کو خون میں نہلا چکے ہیں۔

پسیر سخاوت نے سوال کیا کہ نا تھا تصویرِ شہادت کے خاکہ کو مکمل فرمانا تھا۔ خدا
 تعالیٰ کی امانت کو دربارِ خداوندی میں واپس کرنا تھا۔ خدا تعالیٰ نے امانتیں واپس مانگی تھیں
 شبیرِ بصرِ خلوص و نیازِ پیش کو رہے تھے۔ آپ اصغر کے لئے پانی کا سوال کر کے بھی
 کسی کا سوال پورا کر رہے تھے، حضرت زینب کا سوال، جنابِ رباب کا سوال، جناب
 امّ لیلیٰ کا سوال، جنابِ سکینہ کا سوال۔ سخی ابنِ سخی تھا، سخیہ کا بیٹا تھا کیسے سوال رد کرتا
 اُن کا سوال تو پورا کر دیا۔ مگر خود سوال کرنا کب آتا ہے۔ سوال کرنے کے عادی ہوتے تو
 یزیدیوں سے ضرور پانی حاصل کر لیتے۔ مگر حسینؑ تو صرف اور صرف خداوندِ ذوالجلال کا سالک تھے
 آپ قومِ اشقیاء سے ذرا ہٹ کر رک جاتے ہیں۔ علی اصغر کو دامن میں چھپایا ہوا ہے
 اور فرماتے ہیں۔

ان پھول سے رخساروں کے کملانے کو دیکھو گوارے سے میدان میں چلے آنے کو تو دیکھو
 ان سوسکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو تو دیکھو
 غش آنے اور بالنس اُلٹ جانے کو تو دیکھو

ناحق ہے عداوت تمہیں نازوں کے لیے سے
 پھر دو گے تو پانی بھی نہ اترے گا گلے سے
 صدائے سروش آئی، حسین! اپنے معصوم کو دامن کی ہوا سے لو۔ اس کے خشک
 ہونٹوں پر اپنی خشک زبان بھر لو۔ اس کی جبین کو بوسہ دے لو۔ اس کی گردن کو چوم لو، اس
 سے پیار کر لو، اس کو سینے سے لگا لو۔ تیرے دشمن شریف نہیں ہیں حسین! یہ بد معاش لوگ ہیں۔
 بے ضمیر اور بے حیا لوگ ہیں، بے غیرت اور بد فطرت انسان ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ جنگوں میں عورتوں
 اور بچوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ غیرت مند دشمن ہوتے تو تیری اہل بیت پر پانی بھی
 بند نہ کرتے۔ اب بھی یہ آبِ شیریں کے بدلے تیرے معصوم اصغر کو زہر کی آب دے دے
 ہوئے تیرے کا تحفہ دیں گے۔ علی اصغر کے چاند سے سینے پر اپنا ماتھہ رکھ دے گا کہ اس کی
 بیقراری ختم ہو جائے۔ تیرے دشمنوں کے سینوں میں بغض اور کینہ کی غلاظت ہے اور تیر
 لال کا سینہ تیری ہی طرح طیب و طاہر اور پاک ہے۔

اس ننھے سے کُرتے کے تلے چاند سا سینہ
 سینہ نہیں، اک درِ نجف کا ہے نگینہ
 اب خون میں یہ ڈوب کے یا قوت بنے گا
 جس جھوٹے میں یہ پلٹتے تھے تابوت بنے گا
 صدائے سروش کے ساتھ ہی یزیدیوں کے لشکر سے شمر ملعون کی آواز آئی:-
 سن کر یہ سخن کہنے لگا شمر بد اختر
 اچھا یہ بہانہ ہے کہ ہو پیاس سے مضطر
 ہم سمجھے کہ جیلے سے طلب کرتے ہو پانی
 بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی (انیس)

شمر نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کافی پتے ہیں۔ اب تم ایک ایک کو ایسے ہی
 اٹھا کر لاتے جاؤ گے اور پانی حاصل کر کے اپنی پیاس بجھا لو گے۔ مگر یہ تمہارا خواب کبھی
 شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ہم تمہیں ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دے سکتے۔ اور پھر اپنے
 سپاہیوں کو تیر چلانے کا اشارہ کر دیا۔

ملعون و مردود و حرام نے زہر میں بجھا ہوا تیر چلتے پر چڑھایا اور پھر سنسناتا ہوا تیر

شیر خوار بچہ کی گردن کے پار سو کر ادم مظلوم کے بازو کو بھی زخمی کر گیا۔

زخمی جگر لعینوں نے توڑا حسین کا

بچہ بھی شیر خوار نہ چھوڑا حسین کا (مرزا عشق)

امام مظلوم نے ایک ہاتھ سے معصوم کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے تیر کا پھل اُس کی گردن سے کھینچ کر نکال دیا۔ باپ نے بیٹے کی گردن سے تیر کس طرح کھینچا ہوگا۔ یہ محسوس تو کیا جاسکتا ہے مگر الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تیر کا پھل کھینچا تو خون کی دھارا امام کے چہرے کی طرف گئی۔ آپ نے اُس خون کو چہرے پر ہی مل لیا اور اصغر نے بے آواز ہچکی سے کر دم توڑ دیا۔

اصغر کی ہچکی آخری گرجہ تھی بے صدا

پھر بھی زمین و آسمان کے دل دہل گئے (صائم چشتی)

نہتے سے پھول پر یہ ظلم و ستم دیکھا تو کائنات لرز اُٹھی، آسمان کی چیمیں نکل گئیں۔ زمین کانپ اُٹھا، فرشتوں کے سینے چر گئے، حوروں کے کلیجے کٹ گئے، عرش ہر تھرا اُٹھا آپ کوثر نے ننھے سے پیاسے کی آمد دیکھی تو پارے کی طرح ترپنے لگا اور جوش میں آکر کناروں سے بہہ نکلا۔ انسانیت لرزنے لگی، محصومیت کی شہ رگ کٹ گئی۔

خدا اصغر دے نازک حلقوں چھٹا خون فوارا

محمد اں تر فیاں جنت اندر کنب گیا جگ سارا

مدتے صبر تیرے قون قائم سید شاہ اسوارا

جان دتی پر آن ناں دتی حیدر دے دلدارا (صائم چشتی)

امام عالی مقام نے معصوم شہزادے کی لاش کو ہاتھوں پر اٹھایا ہوا ہے اور بارگاہِ انبیا میں دعا کرتے ہیں، بار الہا! میری یہ معصوم قربانی قبول فرما۔ یا اللہ یہ معصوم بھی ذوقِ شہادت سے سرشار تھا۔ خداوند تیرا شکر ہے کہ اسے بھی سرفرازی حاصل ہو گئی۔ الہی یہ تیرا احسان ہے کہ تو نے مجھے صبر و استقامت کی دولت سے نواز رکھا ہے۔ الہی یہ ننھا شہید تیری امانت تھی۔ یہ چل کر میدان میں نہیں آسکتا تھا۔ میں نے اسے ہاتھوں پر اٹھا کر تیرے دربار میں پیش کر دیا ہے۔

یا اللہ! حسین کی طرف سے یہ ننھی سی نذر قبول فرما لے۔

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے اے بارِ خدا خلق سے اصغر بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے میرے سب کام سوارے کچھ اور پتے نذر نہ تھا پاس ہمارے

یہ ہے پسر صاحبِ معراج کا ہدیہ

مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ (انیس)

آپ اسی طرح شکرِ خداوندی کرتے ہوئے واپس ہونے لگے تو قومِ اشقیاء کی طرف سے
آواز آئی۔ ”کیا اب بھی بہانے سے پانی حاصل کرنے آؤ گے۔ اب تو تمہارے بچہ کی پیاس
بجھ ہی چکی ہوگی۔“

کہتے تھے عدو غیر ہے کیوں حال تمہارا

سیراب ہوا یا کہ نہیں لال تمہارا (مرزا قشق)

آپ کیا جواب دیتے آپ تو اپنے امتحان کا پرچہ پوری کامیابی کے ساتھ حل کر چکے
تھے۔ اُن ملعونوں کے طعنوں کو آپ کیا اہمیت دے سکتے تھے۔ مگر جب تک دنیا میں انسانیت
کا نام باقی رہے گا دنیا زید و ابن زیاد کے بھیجے ہوئے وحشی درندوں پر ضرور لعنت
برساتی رہے گی اور اُن کے انسانیت سوز مظالم اور درندگی کو وحشت و بربریت کی انتہا
کا نام دیتی رہے گی۔

اماں عالی مقام ننھے اصغر کی لاش کو اٹھاتے ہوئے خمیدہ گردن چلے آ رہے ہیں،
خیموں کے قریب آئے تو فقہ کنیز کو علی اصغر کا انتظار کرتے دیکھا۔ وہ آگے بڑھی کہ ننھے کو
گود میں اٹھا کر لے جاؤں۔ مگر

لاش اُس کی دکھا کے شہِ مظلوم پکارے فقہ تو بس اب جا! علی اصغر تو سدھارے
کہہ دینا یہ بانو سے کہ پیاسے گئے مارے ہم ساتھ ہیں اب ان کے یہی ساتھ ہمارے

تاختر نہ جو نیکیں گے نہ اب روئیں گے اصغر

آرام سے پہلو میں میرے سوئیں گے اصغر (انیس)

فقہ یہ دردناک خبر سن کر اندر کو دوڑی اور اماں مظلوم خیموں کے باہر کھڑے
سوچ رہے ہیں کہ اب اصغر کو اس حالت میں اندر بھیجا گیا تو کیا ہوگا۔ ناموس محمدؐ تو اس
انتظار میں ہوں گی کہ اصغر یانی بی کر آ رہے ہیں۔

لہو میں غرق کھڑے تھے کمر جھکاتے ہوئے
پسر کی ننھی سی میت گلے لگاتے ہوئے
لہو بھرا ہوا دامن اُسے اڑھاتے ہوئے
کفن کی فکر میں منہ خیمہ کو پھرا لے ہوئے

(دبیر)

تو اسی عالم میں خیموں کے اندر سے دردِ اَلَم میں ڈوبی ہوئی بچیوں کی آوازیں آجاتی
ہیں۔ فِضہ تڑپتی ہوئی پھر باہر آئی۔ امام عالی مقام کی گود سے شہزادہ علی اصغر کا ہاتھ لاشہ
اٹھایا اور اندر لے گئی۔ اور پھر معصوم کو خون میں ڈوبا ہوا دیکھ کر پاکدامنوں کا جو حال ہوا وہ
بیان سے باہر ہے۔ آپ بھی اندر تشریف لے گئے۔ جا کر دیکھا تو حضرت سکینہ نے علی اصغر
کی لاش کو سینے سے چمٹایا ہوا ہے اور فریاد پر فریاد کئے جا رہی ہے۔ سید زادیاں یہ حالت
دیکھتی ہیں تو اور بھی بیقرار ہو جاتی ہیں۔

لاشِ اصغری دیکھ سکینہ غم دے نعرے لاوے
اصغر اصغر کر دی جاوے گھڑی گھڑی غش آوے
چک گو دی وچ لاش ویرن دی ترختے کر لائے
رور و دھی سید دی صائم عرش نوں رونا پاوے

(صائم چشتی)

امام عالی مقام نے سینے پر مضبوط و تحمل کی سہل رکھ کر پاکدامنوں کو صبر کی تلقین فرمائی اور لاشہ
علی اصغر کو گود میں اٹھا کر باہر آگئے۔

اصغر دے لاشے نوں سید جد و فنا ون آیا
پاٹ گیا دھرتی دا سینہ خون فلک بر سا یا
آخر وار حسینِ اصغر نوں گسٹ کھلجے لایا !
صفتے لال میرے آج جگ چوں ٹھہلیوں ترہایا
شکوہ کریں ہند سو منیا پانی کیوں نہیں آساں پلایا
دادی کول ناں دیں بکے جو جو حال دہایا
لائق نہیں سی امیرِ تبرے بے دیناں داپانی
جگ رو دیگا سن سن صائم تسیری درد کمانی

(صائم چشتی)

سے ہٹا کر ننھی سی قبر تیار کر لیتے ہیں اور پھر !

وہ اپنے چاند کو جب خاک میں چھپانے لگے
جگر ترپنے لگا، ہاتھ تھر تھرانے لگے
آپ تصور ہی میں علی اصغر سے باتیں کرتے ہیں۔ اے میرے چاند !
(صائمِ حشری)

اس وقت کلیجہ کھکے حال سناؤں
اے چاند تجھے خاک میں کس طرح ملاؤں
ہاتھوں میرے خاک گرائی نہیں جاتی
صورت تیری مٹی میں ملائی نہیں جاتی

یہ کہتے ہی پھر گردن تسلیم بجائی !

پھر خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی

فرمایا کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغر

ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغر
(انیس)

امام عالی مقام نے جب کربلا کے اس ننھے شہید کو سپردِ خاک کیا اُس وقت سورج کی
گرمی دم بہ دم بڑھتی جا رہی تھی۔ ریت آگ کے انگاروں کی طرح گرم ہو چکی تھی۔ امام مظلوم اِنَّا
لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ہ پڑھ رہے تھے اور قبرِ شہید کو آشکوں کی بارش سے
ٹھنڈی کر رہے تھے۔

ننتی ریت، میٹھاں جدِ سید اصغر نول دفنایا

ترُفیاں خورائِ جنت اندر عرشِ وادِ تھرایا

کہ منجواں دی بارش شاہ نے قبر تے مینہ برسایا

کوثر مار اُچھالا صابنِ حشموں باہر آیا !

(صائمِ حشری)

قاصدِ مدینہ

اصغر، اکبر، قاسم ایدھر لگ گئے رب دے لیکھے
چک چک اڑیاں ٹھنری اودھرا راہ ویراں دا دیکھے
ایدھر بابل لال اپنے دی ڈھیری پیا بنا دے
ورج خیالاں اوہ اصغر دا جھولا پٹی جھلا دے (تمام چشتی)

حضرت علی اصغر کو دفن کرنے کے بعد امام عالی مقام اب خود ہی میدانِ کارزار کا رخ کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ اب آپ کو روکنے والا کوئی بھی نہیں۔ تمام ساتھی ایک ایک کر کے آپ پر فدا ہو چکے ہیں۔ آپ نے ایک نظر میدانِ کارزار کو دیکھا۔ پشت پر ویران اور جلے ہوئے خیمے ہیں۔ اہل بیت کے ایک دو بڑے خیمے ہیں جن میں چیموں اور آہوں کی صورت میں زندگی کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔ دائیں بائیں اور سامنے جہاں تک بھی نظر جاتی ہے یزیدی فوجوں کے پرے کے پرے نظر آتے ہیں۔ سورج کی تیش میں مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ خیمے کے اندر جا کر اہل بیت کو آخری وصیت کر کے دربارِ خداوندی میں حاضر ہو جاؤں۔ ابھی آپ نے یہ خیال فرما کر خیموں کی طرف رخ کیا ہی تھا کہ سلمنے ریت کا ایک بگولا سا اٹھتا ہوا نظر آیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بگولے کے اندر ایک ناقہ سوار نظر آیا۔ آپ کو بھی شاید اسی کا انتظار تھا اس لئے کہ کربلا کی ٹوٹی تصویر میں یہ خاکہ خالی تھا۔ ناقہ سوار آپ کے سلمنے پہنچ چکا تھا۔ اونٹ بھی پسینہ پسینہ تھا اور ناقہ سوار بھی پسینہ میں شرابور تھا۔ اُس نے اونٹ کو بٹھایا اور آپ کے قدموں کو بوسہ دیا اور پھر میدانِ کارزار کو دیکھ کر مضطرب اور پریشان ہو گیا۔

وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں آپ کو دیکھے جا رہا تھا۔ آپ نے خاموشی کو توڑتے ہوئے فرمایا۔ دوست ہم نہیں جانتے کہ تم کون ہو پھر کس مقصد کے تحت یہاں آئے ہو۔ اگر کوئی کام ہے تو بتاؤ، ورنہ خدا حافظ۔ مجھے ذہن بار بار آواز دے رہے ہیں اور پھر خیموں کی طرف بڑھنے لگے تو وہ شخص پکارا اٹھا، یا امام! میری بات سن لیجئے۔

آپ رک گئے تو اُس نے کہا حضور، میں آپ کی بٹی کا قاصد ہوں۔ آپ حنظلہ

سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے تھے تو میں وہاں پر موجود تھا۔ حج کرنے کے بعد میں مدینہ منورہ میں زیارت رسول کے لئے حاضر ہوا تو وہاں میں نے ایک پردہ نشین بچی کو دیکھا جو روضہ رسول کے ساتھ ہی روضہ بتول کے باہر بلند آواز سے رو رہی تھی۔ لوگ جا کر اُس کے رونے کی وجہ پوچھتے اور پھر اُس کا سوال پوچھ کر واپس آ جاتے۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ اس بچی سے پوچھوں کہ اسے کیا ضرورت ہے۔ شاید میں ہی اس کے کسی کام آسکوں۔ اور پھر جب میں نے پوچھا کہ بٹیا کیا بات ہے آپ اس طرح روتی کیوں ہیں اور آپ کون ہیں۔

معصومہ نے میری بات سنی تو اور زیادہ رونے لگی اور فرمایا: یا عمّ میں صغریٰ بنت حسین ہوں۔ میرے آبا جان مکہ معظمہ سے کوفہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ مجھے چچا عبداللہ بن جعفر نے بتایا تھا۔ کوفہ گئے ہوئے بھی انہیں کئی روز ہو چکے ہیں ان کا خیریت نامہ نہیں آیا میں بیمار تھی اس لئے وہ مجھے پھوڑ کر مکہ معظمہ میں چلے گئے تھے اور وہیں سے کوفہ چلے گئے ہیں مجھے اُن سے بچھڑے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ چچا جان! میرا دل ڈوب ڈوب جاتا ہے۔ میرے آبا جان نے فرمایا تھا ہم تمہیں جلد ہی اپنے پاس بلوا لیں گے۔

میرے بھائی جان علی اکبر نے میرے ساتھ بٹیا پکا وعدہ کیا تھا کہ میری پیاری بہن میں تمہیں خود آکرے جاؤں گا مگر نہ آبا جان نے کسی کو لینے بھیجا ہے اور نہ ہی بھائی جان علی اکبر ابھی تک آئے ہیں۔

چچا! میں بے حد اداں ہو گئی ہوں مجھے ننھے علی اصغر کی یاد بہت سناتی ہے میں نے اُس کے لئے کئی جوڑے کپڑے سیا کر رکھے ہوئے ہیں۔ اُس کے خالی جھوٹے کو مھلاتی رہتی ہوں۔

یا عمّ! اگر آپ نے کوفہ کی طرف جانا ہو تو میرا خط میرے آبا جان کے نام لے جائیں۔ بس میرا صرف یہ کام ہے۔ اس کام کے عوض میں آپ کو کئی چیزیں پیش کر دوں گی اور پھر وہ بچا حجرہ کے اندر چلی گئی اور میرے روتے روتے ایک ایک کر کے کئی چیزیں اٹھا لائی۔ جن میں کچھ برتن اور ایک جانناڑ تھا۔ ایک دو کپڑے کی چادریں تھیں اور ایک پونلی میں چند چھوٹی چیزیں اور کچھ دیگر ہتھیار تھے۔

میں نے بچی کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا لاؤ بیٹی اپنا خط مجھے دے دو۔ میں اُسی غرف کار رہنے والا ہوں۔ میں تمہارا خط ضرور پہنچا دوں گا اور یہ اپنی چیزیں اٹھا لو۔ میں

اہل بیت رسول کا خادم ہوں اور یہی ہے کہ ابن رسول کی بیٹی کا تعلق جباروں
بھی بضد تھی کہ یہ سامان تم ضرور ہے۔ تم یہ سامان تنہو را مجھ کو نہیں دے رہے۔ یہ سامان
دیکھنے میں ضرور تنہو را لگتا ہے لیکن بہت قیمتی سامان ہے بابا۔ اس میں میری دادی فاطمہ الزہرا
کے ہاتھوں کی کئی چیزیں ہیں۔

یہ تنہو را سا سامان قبول کر لو۔ میرے بابا کو جب تم میرا خط دو گے تو وہ اور بھی بہت
مال و دولت دیں گے۔ میرے آبا جان بڑے سخی ہیں۔ وہ تو سالوں کو ویسے ہی بہت کچھ دے
دیتے ہیں تم تو ان کی بیٹی کے قاصد بن کر جاؤ گے۔ پھر تمہاری تو بہت ہی قدر کریں گے
اس کے علاوہ ہم سب کے حق میں دعا بھی کریں گے اور اپنے نانا جان سے جنت بھی
لیکر دیں گے۔ اُس معصومہ نے درد و فراق کی اور بھی بہت سی باتیں کی تھیں جن کے بیان
کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ میں نے منت سماجت کر کے وہ سامان واپس کر دیا تھا اور
یہ خط لیکر آپ تک پہنچا ہوں۔ میں نے دور سے اس طرف فوجوں کو دیکھ لیا تھا اس لئے راستہ
بدل کر ادھر آیا تھا کہ دیکھا جاؤں کہ یہ لشکر کدھر جا رہا ہے۔ مگر یہاں آکر دیکھا تو آپ کو اس
حال میں پایا۔

امام عالی مقام نے ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا کہ لاؤ میری بیٹی کا خط دے دو۔ میری
بیٹی نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میرے آبا جان تمہیں بہت کچھ دیں گے۔ اب تم ہمیں ملے ہی
ایسے عالم میں ہو کہ ہم تمہیں دنیاوی مال سے وہ کچھ نہیں دے سکتے جو تمہارا حق بنتا ہے
البتہ ہم اپنی بیٹی کا دوسرا وعدہ ضرور پورا کریں گے کہ تمہیں اپنے ساتھ لیکر جنت میں جائیں گے
پھر بھی ٹھہرو۔ ہمیں اہل بیت کے خیموں سے جو کچھ بھی ملتا رہا اسکا تمہیں لا کر دیتے ہیں۔ قاصد
نے سنا تو چیخیں نکل گئیں۔ عرض کیا۔ یا امام! میرے لئے وعدہ آخرت ہی بہت بڑا دولت ہے
خدا کے لئے اپنی یہ امانت بھی لیتے جاؤ۔ پھر وہ کجاوے سے ایک چھوٹی سی پوٹلی نکال لایا
آپ نے فرمایا یہ کیا ہے۔ عرض کی اس میں علی اصغر کے کپڑے ہیں۔

امام مظلوم نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پوٹلی سنبھالی اور دل ہی دل میں
کہا۔ ”صغرا بیٹی! اب تیرے اصغر کو کیسے یہ تیرا تحفہ پیش کیا جائے۔ اصغر کی ننھی سی قبر قریب
ہی تھی۔ آپ نے وہ پوٹلی اُس پر کھ کر فرمایا۔ اصغر بہن کا تحفہ قبول کر لو۔ اور پھر وہ کپڑے
اور خط لیکر خیموں میں تشریف لے گئے۔

خط کیا تھا تلہ بھی جو بیک وقت سب کے دلوں پر پھر رہی تھی۔ شکوے ہی شکوے
 شکایتیں ہی شکایتیں، درد ہی درد، فراق ہی فراق۔ آبا جان سے شکوے، بھو بھی
 سے شکوے، اُمّی سے شکوے، علی اکبر سے شکایتیں، سجاد سے شکوے، اصغر
 کی یادیں، سکینہ کے سلام۔ ایک ایک لفظ دلوں کو چیرتا جا رہا تھا۔ ایک ایک جملے پر چھین
 بلند ہو رہی تھیں۔ پیکرِ تسلیم و رضا امام مظلوم کی آنکھوں میں بھی اشکوں کا سیلاب آ گیا تھا۔
 درد و فراق کے آنسو بہے جا رہے تھے۔ دکھ ہوئے دل کے آنسو۔ گرم گرم اور آتشیں
 آنسو۔ بٹی کٹے سے غمِ آلود آنسو۔

دشمنوں کے امت دے جے ہتھوں ہوئے قتلِ امامت کی ہندا
 اصغر تائیں دفناؤندیاں آجاوے جیٹھی اصغر دے ناکتے کی ہندا
 پئے پچاؤنابجے اکبر دی لاش تائیں شکوایاں بھریا سلامتے کی ہندا
 گھیلے مصغری دے قاصدوں موڑ صام دس کے حالت تمامتے کی ہندا

حضرت عباسؓ کی شہادت

ناموس محمدؐ کے خیموں کا محافظ اور پرچم حسینیؑ کا حامل حضرت عباسؓ علمدار حق و باطل۔ اس جنگ میں کئی بار حصّہ لے چکا ہے۔ یزیدی فوج کا ریلہ جب میمنہ کی طرف بڑھتا ہے تو حضرت عباسؓ پرچم ایمان لہراتے ہوئے اُس پر حملہ آور ہو کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اگر مسیرہ کی طرف یزیدیوں کا دباؤ بڑھتا ہے تو اُس طرف شیر کی طرح بڑھتے ہیں اور زورِ حیدری کے جوہر دکھا کر کچھ کو کاٹ دیتے ہیں اور کچھ کو بھگا دیتے ہیں۔ شیطانی فوجوں نے کئی بار اہلیت اطہار کے خیموں کی طرف بڑھنے کی کوشش کی مگر وہاں تو عباسؓ کا پہرہ تھا۔ اللہ کے شیر کے شیر کا پہرہ شبیر علیہ السلام کے علمدار کا پہرہ۔ جو بھی آگے بڑھتا یا کٹ جاتا یا پیچھے ہٹ جاتا۔

امام عالی مقامؑ کے تمام ساتھی اپنی جانوں کی نذریں دربارِ خداوندی میں پیش کر کے سرخرو ہو چکے ہیں۔ ابنِ بٹول اب خود عزمِ جہاد کرنے والے ہیں۔ علمدار حسینؑ آگے بڑھے سپہ سالارِ اعظم کو سلامی پیش کی اور عرض کیا۔ اے شہنشاہِ مملکت تقدس و طہارت! ابھی غلام موجود ہے۔ خیموں کی حفاظت کا فریضہ ادا ہو چکا ہے اب مجھے فدا ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ امامِ مظلومؑ نے آخری ساتھی کو بھی میدانِ جنگ کو جلتے دیکھا تو آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر موجزن ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ رَحْمَتُنَا بِاَلْقَصَا۔ ہم تقدیر پر راضی ہیں۔

حضرت عباسؓ نے امام عالی مقام کے دستِ اقدس کو چومنا اور میدان میں آگے۔ ایک کے مقابلہ میں ایک کیا آنا یزید کی پودی فوج کا نب رہی تھی۔ آپ شیر کی طرح گرج رہے تھے اور باز کی طرح جھپٹ رہے تھے۔ زورِ یکدال لکھی پورے جاہ و جلال کے ساتھ ظہور میں آچکا تھا۔ قوتِ خیر شکن پورے جلال و جبروت کے ساتھ ظاہر ہو چکی تھی۔ جلالِ حیدری پوری شوکت و تمکنت کے ساتھ میدان میں جلوہ افروز ہے۔ وقت کے مرجھوں اور غمت و دکھوں کا نب رہی ہیں۔ علمدار حسینؑ، حسینیؑ پرچم کو لہراتا ہو

جدھر سے گذرتا ہے کشتوں کے کشتے لگا دیتا ہے۔ آپ کی تلوار کی کاٹ کا یہ عالم ہے

لوہے کی سپر کاٹ کے رستے میں پہنچی دکر کے سپر خود کے پیمانے میں پہنچی

رہا کہ سر و گردن سے چلی شانے میں پہنچی شانے سے بر صبحی صبح کے کاشانے میں پہنچی

سرکش کا لہو خاک پہ بر خدا دیا اُس نے

تب نکلی کہ جب خانہ تن دھا دیا اُس نے

برسی جدھر کو رخ کیا۔ جس پر پڑی! پڑی غوطے لگا رہی تھی لہو میں گھڑی گھڑی

چوٹیں جو دشمنوں پہ پڑی تھیں کڑی کڑی کٹ کے ہرزہ کی جدا تھی کڑی کڑی

تلوار تھی کہ قوت پروردگار تھی

کشتوں سے باغیوں کے زمیں لالہ زار تھی (انہیں)

علیہ السلام کا حملہ اس قدر زوردار تھا کہ دشمنوں کو سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ چٹوں پہ

تیر چڑھے کے چڑھے رہ گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بکریوں کی صفوں پر شیر نے چڑھائی

کر دی ہو۔ سب اپنی اپنی جانیں بچانے کی فکر میں ایک دوسرے پر گور رہے تھے۔ اگر کوئی

حوصلہ کر کے تیر چلاتا بھی ہے تو وہ ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے خطا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی افسانہ

نہیں بلکہ اُس مجاہد کی جرات کی داستان ہے جس کے باپ نے درخیر کو اکھاڑ کر ایک ہاتھ

پراٹھا کہ اُس کی ڈھال بنائی تھی اور پھر اُس دروازہ کو چالیس مجاہدین اسلام کا جیش بھی

نہ رے سکے۔

ہاں ہاں! یہ اُسی فتاحی مرحب و عنتر کا بیٹا عباس علیہ السلام ہے جو اکیلا دشمنوں

کی صفیں درہم برہم کر رہا ہے۔

آفتاب آگ برسا رہا ہے، زمین جل رہی ہے۔ تین دن کی پیاس ہے۔ جسم پسینہ

میں شرابور ہے۔ مگر حسین مجاہد اس شان سے حملہ آور ہو رہا ہے جیسے ابھی تازہ دم ہو کر

آیا ہے۔ لڑتے لڑتے خیال آیا آخری بار ابن رسول کی زیارت کو لوں۔ گھوڑے کو ہمیز

لگائی اور حق و صداقت کے پرچم کو بلند کرتا ہوا بارگاہ امام میں آگیا۔ شہ کو سلامی پیش کی

فاطمہ کے لال کی زیارت کرنی تو بدن میں ایک نئی قوت آگئی۔ نیا جوش اور نیا دلولہ

پیدا ہو گیا۔

والیوں نے لگے تو خیموں سے صدائے اعطش بلند ہوئی۔ آپ خیمہ کی

جانب بڑھے۔ بی بی سکینہ نے عرض کیا چچا دو گھونٹ پانی پلا دو۔

درد کو دی عرض سکینہ چچا کرم کما دیں
نال ترہہ دے مریخی آں پانی گھٹ پلا دیں
کی دستان یا حضرت اپنے غم دی درد کہاں
اکھیاں چوں وی درد سارا لگ گیا اسے پانی
اکرا دند نہیں مٹدا اتوں ہور مصیبت پبندی
اتھرو دی نہیں اوندے نہیں تے حبیبہ گلی کر لندی
علم تیرے دیاں خیراں ہوں من سوال آج میرا

(عالم چشمہ)

چچا یاد مشترک رکھساں میں احسان ایہہ تیرا

جناب علی داس نے بچہ کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ کر رہ گئے۔ غصے کے ستون کے
ساتھ مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپ نے خشک مشکیزے کو اتار کر زین کے ساتھ لٹکایا۔ جھک کر نبی
کے سر پر ہاتھ بھرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا! میں پہلے تمہارے حکم کی تعمیل کرتا ہوں میرا انتظار کرو
چچا اب واپس آئے گا تو اپنا بیٹی کے لئے پانی لیکر ہی آئے گا۔ اور پھر آپ حسینہ پریم کو لہراتے
ہوئے اسی طرف حملہ آور ہو گئے جدھر فرات تھا۔ اس طرف فوجوں کا درد بھی زیادہ تھا اور پہرہ
بھی سخت تھا۔ مگر علی کالال اس طرح فوج یزید سے گذر رہا ہے جس طرح بادلوں کا سینہ چیر کر
بھلی گذر جاتی ہے۔ آپ نعرہ شبیر لگا رہے تھے اور فوج اشقیاء کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے
نواہر حیدری کی زد میں جو بھی آتا جہنم میں پہنچ جاتا۔

لگایا نعرہ شبیر اور سوئے فرات آئے
قطع کرتے ہوئے اشرار کا دور حیات آئے
سپاہی فوج دشمن کے جو غازی سے اُلجھتے تھے
وہ تیغ تیغ کے ہاتھوں جہنم میں پہنچتے تھے!
کئے کاٹی کی صورت ملنے لگے
ہوئے فی النار خنجر سے ست سے دشمن
سپاہ شام پر غاب امیر کا ست آیا
دلاور تیغ زن عباس غازی تا فرات رہا

(حسن رضا)

آپ ساحل فرات پر پہنچے تو گھوڑے کو نہر میں داخل کر دیا۔ مھوڑا سا بھکے اور مشکیزہ کو پانی سے بھر کر دور سے اچھی طرح منہ باندھ لیا۔

یاقی حاصل کر کے یوں معلوم ہوا جیسے پوری کائنات پر قبضہ ہو گیا ہو۔ ذہن میں خیال آیا نواسہ رسول کی بیٹی پانی بکھے گی تو کتنی دعائیں دے گی۔ خدا کرے تو یہ پانی اُس تک پہنچ جائے وہ کتنی شدت سے میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ آپ جلد از جلد پانی لے کر پہنچ جانا چاہتے تھے کہ گھوڑے کا خیال آگیا۔ یہ بیچارہ بھی تین دن کا پیاسا ہے۔ آپ نے لگام ڈھیلی چھوڑ دی گھوڑے نے پانی پر منہ رکھا اور پھر بڑی بے نیازی اور رعنائی سے گردن اُپر اٹھالی۔ صابروں کا گھوڑا تھا کیسے پانی پی لیتا۔ کوئی انسان تھے مگر بے وفا تھے۔ یہ جانور تھا مگر با وفا تھا۔ بے وفا انسان با وفا جانوروں سے بدتر ہوتا ہے۔ اصحاب کہف کا کیا وفادار تھا۔ وہ جنت میں جائے گا۔ یزید نے خدا و رسول سے بے وفائی کی تھی وہ اور اُس کے ساتھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

بے جان مٹی پھولوں کی ہم نشینی سے خوشبودار ہو گئی۔ صابروں کا گھوڑا صابروں کے ساتھ رہ کر صابر ہو گیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ میرے سوار نے پانی نہیں پیا۔ اُس کے جذبہ وفاداری نے اُسے سکھا دیا تھا کہ جب تک مالک پانی نہ پینا۔

اشارا اُسپ تازی کو کیا پانی کے پینے کا
پیا سا گر چہ تھا گھوڑا تھا واقف پر قرینے کا
لگا جب منہ سے پانی ہونٹوں تک جس دم تر قافائی
ہٹائی خود ہی سطح آب سے گردن بہ رعنائی

مقام کرب راز داں بے شبہ مہر داس کو کہتے ہیں
جمال ہمنشین درمن اثر کرد۔ اس کو کہتے ہیں : (حسن رضا)

جناب علمدار نے خیال فرمایا کہ ایک گھونٹ پانی پی لوں تو تلوار زیادہ چلا سکوں گا۔ آپ نے پانی چلو میں بھر لیا۔ منہ تک لائے تو تشنہ لبوں کا یاد آگئی۔ ابن رسول کی یاد آگئی۔ ابن رسول اللہ کی پیاس یاد آگئی۔ سکینہ کا ترپنا یاد آگیا۔ پاکدامنوں کے خشک ہونٹ یاد آ گئے۔ بیمار عابد کا جلتا ہوا سینہ سامنے آگیا۔ علی اصغر کا سستا ہوا معصوم چہرہ یاد آگیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اور پانی زمین پر پھینک دیا۔ پانی ایسے لگا جیسے

زہرِ ہلاہل ہو۔ تشنہ لبوں کی یاد نے دل کو گھائل کر دیا۔

نبی کے خاندانِ وائے پیلے یاد آتے ہیں
پڑھا لا حول پانی ہاتھ سے سارا گراتے ہیں
تصور سامنے اصغر کو لایا تو ترپ اٹھے
سکینہ کا ترپنا یاد آیا تو ترپ اٹھے
خیال آیا جناب اکبر و قاسم کی پیاسوں کا
جناب زینب کبریٰ کا۔ حیدر کے نواسوں کا
خیال آیا جناب فاطمہ کا لال پیاسا ہے
میں کیوں پانی پیوں پیاسا محمد کا نواسا ہے
یہ سوچا تو اسی لمحے پلٹ عباس آتے ہیں
لب دریا یہ جا کر بھی وہ لیکر پیاس آتے ہیں

(صائمِ چشتی)

جیکدس کا شیر جس شان و شکوہ کے ساتھ ساحلِ فرات پر پہنچا تھا اسی جلال و جبروت
اور مجاہدانہ کرد و فر کے ساتھ پانی لے کر واپس آ رہا ہے۔ راستے میں یزیدی فوج اُسی طرح
حائل ہے۔ عمرو ابن سعد پکار اٹھا۔ ساتھیو! بزدلی نہ دکھاؤ۔ اگر یہ پانی لے جانے میں
میاب ہو گئے تو پھر ان پر قابو نہ پاسکو گے۔ علی کے ان دونوں بیٹوں عباس اور حسین
نے پانی پی لیا تو یہ تمہیں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے۔ ابھی وقت ہے پورے زور
سے حملہ کر دو۔ اور اس اکیلے کو پانی پینے سے پہلے ہی پہلے زید کو۔

مسلح عمرو ابن سعد محوِ شور و شیون تھا
لے جاتے ہیں پانی مشک میں عباس دریا سے
تو روج تازہ پھر آجائگی ابنا تے حیدر میں
نئی قوت ابھر آئیگی پھر سبیلِ پیماں میں

پھر ان سے یہ شکستہ فوج ہرگز لڑ نہ پائے گی
سپاہِ شام سر پہ پاؤ رکھ کر بھاگ جائے گی
بار بار غیرت دلانے پر فوجِ یزید کے کچھ حواس درست ہوئے اور انہوں نے چو طرف

اے جنابِ عون و محمد

حملہ کر دیا۔ ابن جید اکیلا ہے اور اس پر بیروں، تلواروں، نیزوں اور بھالوں اور بھیجوں کی بارش چاروں طرف سے ہو رہی ہے۔ آپ پوری جوانمردی اور بہادری سے لڑتے ہوئے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ جو بھی تلوار کی زدیں آتے ہیں کٹ جاتا ہے۔

علمدار کا گھوڑا بھی بڑھ رہا ہے اور دشمن کا گھیل بھی بڑھ رہا ہے۔ آپ پوری شدت سے معروف جنگ میں کہ عقب سے نفل نامی لعین نے آپ کے دلہنے بازو پر بھر پور وار کر دیا۔ آپ کا بازو کٹ گیا۔ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ آپ نے بائیں ہاتھ سے تلوار سنبھالی اور چند قدم لڑتے ہوئے اور آگے بڑھ آئے۔ اب چہرہ پر جلال پہلے سے بھی بڑھ چکا ہے۔ تلوار برابر چل رہی ہے کہ کسی شقی نے پیچھے سے بایاں بازو بھی کاٹ دیا۔ اب شہزادہ رسول کے پرچم بردار کے دونوں بازو کٹے ہوئے ہیں۔ پانی کی مشک بھی نیچے گری ہوئی ہے اور تلوار بھی نہیں چل سکتی۔ سکینہ کی پیاس یاد آگئی، دل خون ہو کر رہ گیا۔ جسم سے شرارے پھوٹ نکلے اپنی بے بسی پر رونا آگیا اور ایک تجور نہ سامنے آگئی۔ سقائے سکینہ نے مشک کو دانتوں میں اٹھالیا۔

اس منظر کو خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو۔ قلم میں تو طاقت نہیں کہ اس نظارہ کی تصویر کشی کرسکے

آپے اے سوچو شباب سے وہی عالم وقتِ نزع ہے دھکتے تے کی ہندا
قبضہ جنہاں دھو سے سمندر ال تے پانی او نہاں لئی گئے تے کی ہندا
بچے و لکن ترہائے تے ددھ او دھرا ناواں تسیاں داسکتے تے کی ہندا
پچھو بازو کٹو عباس صائم مشک نذاں نال چکے تے کی ہندا (صائم ہشتہ)
آپ نے دانتوں میں لیکر حسینی پرچم کو گلے سے لگایا اور پھر دانتوں میں مشک اٹھا کر اس سے پرچم کو بھی سہارا دیا اور چند قدم مزید آگے بڑھ آئے۔ دشمنوں کی طرف سے ایک تیر سناٹا ہوا آیا۔ اور مشکیزہ میں بیوست ہو گیا اور پانی کو بلا کی پیتی ہوئی زمین نے جذب کر لیا۔

پانی کو تو پہنچنا ہی نہیں تھا۔ امام عالی مقام کا امتحان تو مکمل ہی اس طرح ہونا تھا کہ آپ پیاس سے تڑپتی ہوئی اہل بیت کے سامنے تین دن کی پیاس لیکر ہی حوض کوثر پہنچیں۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ ساتی حجاج حضرت ابوطالب کے پوتے ساتی کوثر حضرت علی کے بیٹے اور سقائے سکینہ حضرت عباس کے جذبات کیا تھے آپ کا اندازِ خدمت گزاری کیا تھا۔ آپ کھد لیں اہل بیت رسول کا مقام کیا تھا۔ آپ کے سینے میں حسین علیہ السلام کی عظمت کے نقشہ

کیا تھے۔ ذرا تصور تو کریں اس دردناک منظر کا۔ کہ اپنے دونوں بازو کٹ کر زمین پر گرے پڑے ہیں۔ دونوں شانوں سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ ایسی حالت میں تو انسان غم سے ہی مر جاتا ہے۔ مگر حضرت عباس کو اپنے بازو کٹ جانے کا غم نہیں سکینہ کی پیاس کا غم ہے اپنے اُس وعدے کا غم ہے جو سکینہ کو پانی پلانے کا کر کے آئے تھے۔

پانی لے کر پہنچنے کی اُس بھی ٹوٹ چکی ہے اور سیف حیدری بھی چھوٹ چکی ہے۔ اور کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ گری ہوئی ہے۔ اہل بیت کے پانی نہ پی سکنے کا بھی غم ہے اور امام عالی مقام کے لکیلے رہ جانے کا بھی صدمہ ہے۔ خالی مشک اُسی طرح دانتوں میں دبئی ہوئی ہے کہ سامنے سے کسی شقی القلب کا تیر آتا ہے اور آپ کے سینہ بے کینہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ ریر سینے کے آبر پار ہو چکا ہے، بازو ساتھ ہوتے تو شاید کھینچ بھی لیا جاتا۔ مگر اب تو بازو بھی ساتھ نہیں اور شبیر بھی دور ہیں۔ حیدر کے لال کے سینے سے تیر کون کھینچتا۔ وہاں تو تیر چلانے والے تھے۔

آپ کو پوری طرح بے بس دیکھ کر فوجِ اشقیاء کا حوصلہ بڑھ گیا اور بڑھ بڑھ کر غازی نامدار کے کٹے پٹے سینے پر تلواروں کے وار کرنے لگے۔

آپ شہید ہو گئے تو پھر بھی باز نہ آئے اور جسم نازنیں پر تلواریں برساتے رہے بزدل کہیں گئے۔ جب حیدری شیر تلوار لے کر سامنے آیا تھا تو ٹوٹریوں کی طرح چھپتے پھرتے تھے۔ اب وہ شہید ہو گیا ہے تو اُس کی لاش پر تلواریں برساکر اپنا جوش ٹھنڈا کرتے ہیں۔ کینہ توڑ اور کینہ انسانِ آدابِ دشمنی سے بھی واقف نہیں ہوتا۔ امام عالی مقام نے حضرت عباس کی یہ حالت دیکھی تو گھوڑا دوڑاتے ہوئے فوراً وہاں پہنچ گئے۔ چند لمحوں کی تو بات تھی۔ حضرت عباس تو ساحلِ فرات سے حوضِ کوثر کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ امام عالی مقام کو سامنے آتے دیکھا تو زبردستی لاشِ عباس سے پیچھے ہٹ گئے۔ آپ نے فرمایا ظالمو! تم نے میرے بھائی کی لاش پر بھی تلواریں چلائی؟ خدا تمہیں کبھی سرخروئی نصیب نہ کرے۔

ٹوٹا اجل نے شیرِ الہی کے باغ کو
(میر موسیٰ) بھائی کے دل سے پوچھتے بھائی کے دانغ کو

شہید عظیم کی شہادت

ناقہ سوار جاچکا ہے۔ صغرا کا قاصد افسانہ کرب و بلا میں درد و غم کی آخری سُرخ بھر کر
نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ میدان صاف ہو چکا ہے۔ اب کوئی نہیں جو محمد عربی کے نواسے
پر نثار ہونے کے لئے آگے بڑھتا۔ فاطمہ کالال، صابروں کا شہنشاہ، شہیدوں کا امام
مجاہدوں کا تاجدار، دوشِ رسول کا راکب، امامِ مظلوم حسین ابنِ حیدر کے راکب اکیلے رہ گیا ہے۔
قہر و غضب کی گرمی پڑ رہی تھی اور

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شاہِ اُمم
نہ دامنِ رسول ہے نہ سایہِ عِلم
علی اکبر بھی جاچکا ہے۔ قاسم بھی شہید ہو چکا ہے۔ عباس علمدار بھی کٹے ہوئے
پڑے ہیں۔ اب تو عون و محمد جیسا کوئی بچہ بھی نہیں جو آگے بڑھ کر امامِ مظلوم کو تلوار ہی پکڑا
دیتا۔ ایک بیٹا ہے اور وہ بھی بخار سے جل رہا ہے۔ لٹی پٹی سیڑیاں ہیں اور وہ بھی تین دن
کی پیاسی ہیں۔ زندہ ہیں مگر زندگی اُن کے حال پر رو رہی ہے۔
شمر کی آواز آئی۔ حسین آگے بڑھو۔ اب کس کا انتظار ہے۔ اب تمہارے لئے
جان ضائع کرنے والا کوئی باقی نہیں۔ اب سہارے نہ تلاش کرو اور میدان میں نکل آؤ۔
امامِ مظلوم نے شمر کی مکروہ گفتگو سنی تو خون کھولنے لگا۔ آپ نے میدان کی
طرف گھوڑے کا رخ کیا اور پیچھے مڑ کر اہل بیت کے جیہوں کو اداس اداس نظروں سے دیکھ کر
فرمایا، خدا حافظ!

بددے کے پیچھے سے ایک ذبی ذبی چیخ نکلی یا امام رُک جائیے۔ یہ آواز جناب
شہر بانوں کی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ اے شیعِ بستانِ رسول اب اس غریب الوطن مسافر کو کسی
نئے امتحان میں نہ ڈالنا جو زندگی اور موت کی سرحدوں پر پہنچ چکا ہے۔ میں تم سب کو خدا کے
سہم کو دیتا ہوں۔ میرے صرف چند سال بس باقی ہیں۔ مجھے یقینی دلاؤ کہ تم میرے بعد بھی بولیں

پورے صبر و استقامت کا ثبوت دو گی۔ ایسی حالت میں میں اپنی ہمشیر کا سامنا نہیں کر سکتا۔ اُسے میرا سلام کہہ دینا۔ جناب شہر بانو کا کلیجہ منہ کو آگیا اور عرض کیا میرے سر تاج گھوڑے سے اتر کر میری صرف ایک بات سن لیں۔ میں آپ کو خاتونِ قیامت کا واسطہ دیتی ہوں۔

کر بلا کا دولہا مال کے نام کا واسطہ مسترد نہ کر سکا۔ آپ گھوڑے سے اترے اور خیمے میں آگئے۔ سیدہ شہر بانو آپ کو بیمار بیٹے کے قریب لے گئیں۔ آپ آگے بڑھے بیمار کو بخار کی شدت نے بہوش کر رکھا تھا۔ حضرت سجاد بیمار تو پہلے ہی تھے مگر جب اکبر کا لاشہ دیکھا ہے کلیجہ خون ہو کر رہ گیا ہے۔ جسم انگارہ بن چکا ہے، سینہ چلنی ہو گیا ہے اور دل ٹوٹ چکا ہے۔ تپ روزہ سے جسم پر رعشہ طاری ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بوٹی بوٹی کانپ رہی ہو۔ صبح سے نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے بیمار کا رنگ زعفران کی طرح زرد تھا۔ لیکن لاشہ اکبر کو دیکھنے کے بعد جو بخار چڑھا اُس نے چہرے کو لندن کی طرح سرخ کر دیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جسم کا سارا خون سمٹ کر رُخساروں میں جمع ہو گیا ہو۔ بدن کی ساری حرارت چہرے میں سمٹ آئی ہو۔ امام عالی مقام نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اپنے جگر کی چوٹیں یاد آ گئیں۔ دل ہی دل میں بیمار کو مخاطب کر کے فرمایا۔

دوا جازت تو کلیجے سے لگاؤں رُخسار

سینک ٹوں چوٹ جگر کی ان انگاروں پر

ابد پھر آپ نے بیمار بیٹے کے جلتے ہوئے جسم پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ فاطمہ کے لال کا ہاتھ تھا۔ ہاتھ کا لمس ملتے ہی بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ باپ کے یاس و اَلَم میں دُوبے ہوئے رُخ انور کو دیکھا تو ماہی بے آب کی طرح ترپنے لگا۔ غم کی آگ میں جلتی ہوئی جھیلوں میں روانی آگئی۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے سُرخ اورالتیں آنسو۔

آبا کی حالت دیکھ کر آنسو نکل پڑے

دیکھا گیا نہ یاس میں عاَلَم نگاہ کا

امام عالی مقام نے بیٹے کے سُرخ آنسو پہلے بھی دیکھے تھے اب دوبارہ بیٹے کا کلیجہ کُٹا دیکھا تو آپ کا کلیجہ بھی کٹنے لگا۔ جگر پر چھریاں چلنے لگیں۔

گو قصرِ دل سے چشم تک آئے تھے سچاؤں میں

لیکن بڑے تھے آبلے اشکوں کے پاؤں میں

سلطنتِ صبر و رضا کے تاجدار نے دل کو سنبھالا۔ بیمار کو تسلی دی۔ گدے ہوتے حالات سے آگاہ کیا اور فرمایا بیٹا یہ بابہ سے آخری ملاقات ہے۔

تمام ساتھی اپنی منزل پہنچ چکے ہیں اور اب تیرے بابا کو میدان میں طلب کیا جا رہا ہے بیٹا! اب میرا وقت آچکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس دنیا سے جا چکے ہوں گے۔ میرے چاند! اللہ تعالیٰ تمہیں بہت جلد صحتیاب فرمائے۔ مجھے اب جانے دو۔ دشمن بار بار بلا رہے ہیں۔

جنابِ سجاد نے باپ کی جنگ کو تیاری کا سنا تو ٹپ اُٹھے۔ بخار کی شدت کو جذبات کی شدت نے دبا دیا۔ عرض کی ابا جان آپ کا عابد بھی زندہ ہے۔ ابا جان پہلے مجھے خود پر فدا ہو لینے دیں پھر آپ کی باری آئے گی۔ میں بخار سے بھی جنگ کروں گا اور دشمنوں سے بھی لڑوں گا۔ حیدری خون تھا مچل گیا۔ بخار کی حدت میں جلالِ حیدری کی شدت بھی شامل ہو گئی۔ لوزہ اور بھی بڑھ گیا۔ جسم اور بھی زور زور سے کانپنے لگا۔ علی کا پوتا لالٹھی ٹیک کر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شبیر پکار اُٹھے، میرے چاند بیٹھ جاؤ۔ نہیں تو گھر جاؤ گے۔ باپ تیری محبت اور تیرے جذبے پر قربان، تو نے حقِ فرزند ادا کر دیا ہے۔ زین العابدین تیرا اس شہادت میں پورا پورا حصہ شامل ہے۔ مگر تم شہید نہیں کئے جاؤ گے۔ میرے لال تمہیں ابھی زندہ رہنا ہے نسلِ شبیر چلانے کے لئے، اولادِ مصطفیٰ کو قائم رکھنے کے لئے، خاندانِ نبوت کی بقا کے لئے، پردہ نشینوں کی حفاظت کے لئے، شہیدوں کی لاشوں کے ٹکڑے جمع کرنے کے لئے، شہیدوں کے لاشے دفنانے کے لئے، ہاتھوں میں زنجیروں اور پاؤں میں بیڑیاں پہننے کے لئے، خون کے آنسو برسائے کے لئے تمہیں زندہ رہنا ہے میرے لال تم اس امتحان میں برابر کے شریک ہو۔ تمہیں رانِ شہادتوں سے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا علی اکبر کو ملے گا، جتنا قائم کو ملے گا، جتنا عباس اور عون و محمد کو ملے گا، جتنا مسلم اور ان کے بیٹوں کو ملے گا، جتنا مسلم کے بھائیوں کو ملے گا، جتنا عباس کے بھائیوں کو ملے گا۔

باپ تم پر خوش ہے میرے چاند۔ میں اس لئے تم پر خوش ہوں کہ تجھ میں باپ کا جذبہ موجود ہے، عزمِ شبیری کی حرارت موجود ہے، تجھے تو مجھ سے بھی زیادہ صبر برداشت کرنا ہے۔ تو زندہ بھی رہے گا اور خون کے آنسوؤں کی برسات بھی کرتا رہے گا۔ خدا حافظ میرے لال۔ میری طرح صبر و استقامت سے رہنا۔ اپنی چھوٹی کوسلی دینا، اپنی اُمی کو مبرکی تلقین کرنا۔ خدا

حافظ میرے بیمار بیٹے خدا حافظ !

حضرت زین العابدین نے باپ کے ارشادات سُننے تو اود شدت سے رونے سے
اپنی بیماری پر رونا آگیا، اپنی بے بسی پر رونا آگیا۔ خون کے آنسو گرتے جا رہے ہیں،
جسم بید کی طرح لرز رہا ہے اور غش ہوتا جا رہا ہے۔ امام عالی مقام ابھی وہیں تھے۔ کہ
زین العابدین پھر بے ہوش ہو گئے۔

آپ بیمار عابد کے سر پر ہاتھ پھیر کر اُٹھے، مُڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ اور ہی منظر نہا
ہوا تھا۔

سیدہ زینب کے سر سے چادر اُتری ہوئی ہے۔ بال بکھرے ہوئے ہیں، نظر
پتھرائی ہوئی ہے، آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے پلوں سے نیچے آکر ٹھہرے
ہوئے ہیں۔ حضرت شہر بانو کا رنگ اس طرح زرد ہو چکا ہے جیسے خون کا ایک قطرہ بھی
جسم میں موجود نہ ہو۔ جناب اُمّ یسٰی کے سامنے سکینہ بیہوش پڑی ہے اور آپ اپنے مرتاج
کی طرف دیکھ دیکھ کر روتی جا رہی ہیں۔

امام عالی مقام جناب زین العابدین سے اتنے زیادہ محو گفتگو تھے کہ اپنے پیچھے بپا
ہوئی والی قیامت کو نہ دیکھ سکے سب جو دیکھا تو دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

کوئی بات کرتا تو آپ جواب بھی دیتے، خاموش فریادوں کا کیا جواب تھا۔ آنسوؤں کے
سیلاب کو کس طرح روکا جاتا۔ باہر کی آگ ہوتی تو بجھا بھی لیتے۔ سینوں کی آگ کو کیسے ٹھنڈا
کرتے۔ نالہ و شیون ہر تو صبر کی تلفیق بھی فرماتے جگر کو چیر دینے والی آہوں کو کیسے
روکتے۔ دشمن کی فوج ہوتی تو اور بھی چلاتے حسرت بھری نگاہوں کا مقابلہ کیسے کرتے۔
گھٹے جاتے تھے دل صبطِ فغان سے

بنے جاتے تھے نالے ہچکیاں سے

صابروں کا امام بھی یہ منظر دیکھ کر تڑپ کر رہ گیا۔ حوصلہ کر کے آگے بڑھے
بہن کی گری ہوئی چادر کو اٹھایا اور علی کی بیٹی کا سر ڈھانپ دیا۔ جناب سکینہ کو گود میں لیا
علی اکبر کے سینے کے خون سے لتھڑے ہوئے سکینہ کے چہرے کو اپنے عمامے سے
صاف کیا۔ آنکھوں میں پڑی ہوئی ریت کو عمامے کا پلٹرا پھیر کر نکالا۔ بکھرے ہوئے
بالوں کو انگلیوں سے درست کیا اور فرمایا سکینہ ہوش میں آؤ۔ آبا کی آخری زیارت کر لو۔ پھر

ساری عمر آبا کا چہرہ دیکھنے کے لئے ترس جاؤ گی۔ بیٹی سکیئہ اٹھو جلدی کرو۔ آخری ملاقات تو کر لو۔ آخری بار بابا کے سینہ سے تو لپٹ لو۔ پھر تو تمہیں بھی صغریٰ کی طرح ساری زندگی رو رو کر اور تڑپ تڑپ کر ہی گزارنا ہے۔ اٹھو بیٹا اب بابا بھی علی اکبر کے پاس جا رہا ہے۔ آپ دامن سے پنکھا بھی کر رہے تھے اور بیہوش بیٹی سے گفتگو بھی فرما رہے تھے جلد ہی معصومہ نے آنکھیں کھول دیں۔ خود کو بابا کی گود میں دیکھا تو لپٹ گئی۔ تین دن کی پیاسی پی تین دن کے پیاسے بابا سے گلے مل رہی ہے۔ بابا کی گود میں کچھ سکون ملا تو بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آپ نے تسلی دیکر فرمایا۔ صبر کرو میری بیٹی تو صابروں کی اولاد ہے۔ مجھے دشمن پکار رہے ہیں۔ توبے ہو شقی اور میری خواہش تھی کہ تو مجھے آخری بار گلے مل لے۔ اب مجھے جلنے دو۔ افسوس کہ محوڑی دیر بعد تم یتیم ہو جاؤ گی۔ مگر صابرہ بن کر رہنا تو حسین کی بیٹی ہے۔ امام عالی مقام دوسروں کو صبر کی تلقین فرماتے جا رہے ہیں لیکن اپنے سینے میں غم کے ہزاروں طوفان اٹھے ہوئے ہیں جن کو اپنی قوت صبر سے دبا رکھا ہے۔

چلا کرتی ہیں ان کے دل میں لاکھوں آندھیاں غم کی

بظاہر جن کے چہروں پر غبار غم نہیں ہوتا

سکیئہ نے اب داغ قیمی کو سر پر دیکھا تو فریاد پر فریاد کرنے لگی۔ آبا کے پاؤں سے لپٹ کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر عرض کرتی ہے۔ بابا سارا گھر اُجڑ چکا ہے اب آپ تو نہ جائیں۔ آپ کے بغیر تو ہم مرجائیں گے بابا۔

بابا آپ نہ جائیں۔ نہ جائیں میرے آبا جان آپ نہ جائیں۔ آپ چلے گئے تو میں بابا کس کو کہوں گی بابا۔ مجھے بیٹی کہن کہے گا میرے بابا۔ میں اس طرح کہن کہنے لگیں کہ میں لپٹوں گا اور پھر باپ کے سینہ سے لپٹ کر کہا بابا مانا ہے تو مجھے اسی طرح اپنے ساتھ لے جاؤ۔ آپ پر چلنے والی نکوار پہلے سکیئہ پر چلے گی بابا۔ مجھے اپنی ڈھال بنا دو آبا جان! آپ نہیں ہوں گے تو زندگی عذاب بن جائے گی۔

بچی کی فریاد سنی تو امام عالی مقام کا دل بھر آیا۔ آنکھیں تو پہلے ہی آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں پیار کا سومہ مہر نکلا۔ شفقت پدری کا چشمہ رواں ہو گیا۔ صبر تو کرنا ہی تھا۔ اور یہ صبر ہی تو تھا اور صبر کسے کہتے ہیں۔ صبر کا دامن چھوڑ دیتے تو اب بھی اطاعتِ یزید کر کے زندگی بچا سکتے تھے۔

یہی تو چیز تھی جس نے ملائکہ سے اشرف کر دیا۔ باپ کی محبت کا جذبہ بھی موجود ہے
شفقتِ پدری سے سینہ بھی معمور ہے۔ اولاد کی محبت بھی دل میں طوفان برپا کر رہی ہے مگر
فرمان پھر بھی ادا ہو رہا ہے۔ جیسے بھی ہو سکا آپ نے روتی تڑپتی بچی کو پاک دامنوں کے سپرد
کر کے صبر کی تلقین فرمائی۔

آخری بار ہمشیرہ کی پتھرائی ہوئی نظروں کا نظارہ کیا اور نظریں جھکا لیں۔ حضرت
شہر بانو اور جناب اُمّ لیلیٰ کی طرف درد میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ دیگر بیویوں کو
الوداعی سلام کہا۔

امام مظلوم جیسے نکلنے لگے تو جناب زینبؓ کی حالت بدل گئی۔ درد و غم میں ڈوبی
ہوئی امام مظلوم کی ہمت پر پھر دختر علیؓ کا روپ آگیا۔ آپ رزقی اور کاپیتی ہوئی اٹھی تھیں مگر
اب صبر و استقامت کا پیکر بن چکی تھیں۔ آپ نے فرایا بھیا جسم سے ہتھیار اتار دیں میں آپ کو
خود شہادت کا دواہا بناؤں گی۔ مجھے اپنا فرمان پورا کر لینے دیں پھر میدان میں تشریف لے جائیں
اور پھر آپ نے رسول کریمؐ کا عمامہ اپنے دوپٹے سے صاف کر کے بھائی کے سر پہ رکھا۔
قبلے رسول پہنا کپڑوں کی ایک گٹھری کو کھولا اور اس سے ایک ٹکنا نکالا۔ یہ بنتِ رسول
کا دوپٹہ تھا۔ وہ بنتِ رسول کے بیٹے کی کمر سے باندھ دیا۔ جناب جعفر طیار کا نیزہ اور جناب
سید الشہداء امیر حمزہؓ کی ڈھال پشتِ انور پر سجائی۔ بھیا حسنؓ کی زرہ پہنا کر ہاتھوں میں ذوالفقار
جیدری تھا کر کہا، ناموسِ رسول کے محافظ باہر چلو تاکہ میں آپ کی رکاب تمام کر گھوڑے پر سوار
کراؤں۔ نانا مصطفیٰ معراج کو گئے تھے تو آپ کے گھوڑے کی رکاب جبریلؑ نے تھامی تھی۔
میرے ابا جان جنگ کو جاتے تھے تو ان کی رکاب میں بھائی حسنؓ اور آپ تھا متے تھے۔ علی اکبرؓ
جنگ کو جانے لگے تو ان کی رکاب کو علمدار نے سہارا دیا۔ اب آپ جانے لگے ہیں تو اہلبیت
کا کوئی مرد بھی موجود نہیں اس لئے یہ فریضہ بھی علیؑ کی بیٹی ادا کرے گی۔

آپ نے فرمایا نہیں بہن! میں آپ کا یہ فرمان نہیں مان سکتا۔ حسینؓ کی غیرت یہ گوارا نہیں
کر سکتی کہ اس کی زندگی میں اس کی ہمشیرہ دے سے باہر نکلے۔ آپ سیدہ کی بیٹی ہیں۔ میرے
بعد جو آپ کا حال ہونا ہے وہ تو میں دیکھ رہا ہوں مگر ابھی حسینؓ زندہ ہے۔ اور پھر آپ باہر نکل
آئے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ آپ نے گھوڑے کو چلا نا چاہا مگر وہ ہل نہیں رہا تھا۔ آپ
نے نگاہیں مجھ پر کر دیکھیں تو جناب سکند گھوڑے کے پاؤں سے لٹی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا بہن!

ان معصومانہ کوششوں سے باپ کے دل پر پھریاں نہ چلاؤ۔ سکینہ میں تیرے دل میں لگی ہوئی آگ کے شعلے دیکھ رہا ہوں۔ مگر کیا کروں مجھے میرا فرض پکار رہا ہے۔ صبر کرو سکینہ تم صابروں کی بیٹی ہو۔ پھر آپ نے گھوڑے سے اتر کر بڑی مشکل سے بچی کو خیمے میں پہنچا کر جناب اُمّ لیلیٰ کے سپرد کیا اور دعا دے کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ جناب فاطمہ کی بہوؤں نے اپنا اُجڑا ہوا سہاگ کس طرح دیکھا تھا یہ قلم میں طاقت نہیں کہ بتا سکے۔

امام عالی مقام نے گھوڑا میدان کی طرف پھیرا تو آواز آئی شبیر بیچے پلٹ جاؤ، میں موت ہوں۔

امام عالی مقام نے فرمایا۔ مت فکر کرو۔ میں بھی حق و صداقت کی صورت ہوں۔ آواز آئی میں طوفان ہوں۔ فرمایا میں چٹان ہوں۔ آواز آئی میں تقدیر ہوں۔ فرمایا میں شبیر ہوں۔ آواز آئی میں خون ہوں۔ فرمایا میں دین کا ستون ہوں۔ آواز آئی میں تلوار ہوں فرمایا میں سراپا ایشار ہوں۔ آواز آئی میرا کام خون بہانا ہے۔ فرمایا میرا کام دین کو بچانا ہے۔ آواز آئی میں خوفی دین ہوں۔ فرمایا میں حسین ہوں۔ آواز آئی تو ہو لہان ہو جائے گا۔ فرمایا میرا امتحان ہو جائے گا۔ آواز آئی تو کوٹ جائے گا۔ فرمایا ظلم کا بادل چھٹ جائے گا۔ آواز آئی میں اجل کا تیر ہوں۔ فرمایا میں نبی کی تصویر ہوں۔ آواز آئی تیرا سینہ فگار ہو جائے گا۔ فرمایا دین کا بیڑا پار ہو جائے گا۔

آواز آئی میں بڑی سخت ہوں۔ فرمایا! میں جہدِ کرب کا تخت ہوں۔ آواز آئی میں تجھے فنا کر دوں گی۔ فرمایا مجھے بقاء مل جائے گی۔ آواز آئی زندگی کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ فرمایا ماننے کا دین قید سے چھوٹ جائے گا۔ آواز آئی تیرا گھر زیاد ہو جائے گا۔ فرمایا ماننے کا دین آزاد ہو جائیگا آواز آئی تو پیاسا ہے۔ فرمایا میرے ہاتھوں میں کوثر کا کاسہ ہے۔ آواز آئی تو اکیلا ہے۔ فرمایا میرا خدا بھی اکیلا ہے۔ آواز آئی.....

یہ جان بڑی چیز ہے یہ حبان بچاؤ
فرمایا مجھے حکم ہے شران بچاؤ
(تمام چشمہ)

شبیر ہوں ابرو پر نہ بل ڈالوں گا
اس قدم سے نہ کو کھار ڈالوں گا

کیا موت سے ڈر۔ موت کی سختی کیسی

میلی ہے یہ پوشاک بدل ڈالوں گا! (تعلیق)

اور پھر علی کا شیر جلالِ حیدری کی تصویر بن کر ہزاروں دشمنوں کے سامنے پہنچ گیا۔ شمر نے کہا کیا موت سے ڈر گئے تھے جو اتنی دیر کو دی؟ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں۔

شمر نے کہا ہم شیر سے مشورہ کر رہے تھے کہ یزید کی اطاعت کر کے جان بچاؤں۔ اور اگر یہ مشورہ تم کر چکے ہو تو ہمیں اب بھی قبول ہے کہ تم اطاعتِ یزید کر لو۔ ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔

فاطمہ کالال غضبناک ہو گیا۔ چہرے پر خون اتر آیا۔ آنکھوں میں قہر کے آثار پیدا ہو گئے۔ آپ نے فرمایا ناہنجار خاموش ہو جا۔

چٹکبر سے کہتے! اگر مجھے جان بچانا ہوتی تو میں قاسم کی زندگی بچاتا، علی اکبر کی جوانی بچاتا، عباس علیہ السلام کی جان بچاتا۔

بیوقوف! اگر مجھے جان بچانا ہوتی تو علی اصغر معصوم کی جان بچاتا، عون و محمد کی معصوم زندگیاں بچاتا۔ پسرانِ عقیل و علی کی جانیں بچاتا۔ اپنے وفادار ساتھیوں کی جانیں بچاتا۔

آحق کے بچے! محمد مصطفیٰ کا سارا باغ ویران کر لینے کے بعد بھی محمد مصطفیٰ کے باغی اور خدا کے دشمن کی اطاعت کر لینے کا مشورہ دیتا ہے۔

اور پھر آپ نے عمرو سعد کو مخاطب کر کے فرمایا۔ سید باپ کے شوق بیٹے تو بھی سن رہے! ہم نے اپنے خطبہ میں تم سب کو بتا دیا تھا۔

”کہ ہمارا حق پہچانو! ہم اہل بیت رسول ہیں۔ نبی علیہ السلام کی بیٹی کے بیٹے ہیں اور اس وقت ہمارے سوا دنیا بھر میں کسی نبی کی بیٹی کا بیٹا موجود نہیں! اور یہ بھی بتایا تھا کہ میرے سر پر عمامہ رسول ہے اور دیکھ یہ میری کمر میں خاتونِ قیامت کا پٹکا ہے۔ یہ ڈھال سید الشہداء امیر حمزہ کی ہے۔ یہ نیزہ جعفر طیار کا ہے۔ یہ تلوار حیدرِ کداری کی ہے۔ مگر تم میری بات کب سنتے ہو تمہیں تو حکومت کرنے کے نشہ نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ بد نصیب ظالمو! تم نے دنیا بھی تباہ کر لی اور آخرت بھی برباد کر لی۔

شمر نے کہا ہم نے تمہارا وعظ سننے کے لئے نہیں بلایا۔ دل کی کوئی حسرت سے نکال لو پھر نہ

کہتا تھا کہ کاموقعہ نہیں دیا گیا۔ کوفیوں کا خیال تھا کہ اب حسینؑ میں لڑنے کی ذرا بھی سکت نہیں ہوگی
 تین دن کا پیاسا ہے اور بھر صبح سے آنکھوں کے سامنے پورا خاندان کٹواتا رہا ہے۔ لاشیں اٹھا
 اٹھا کر دوسری ہو گئی ہے اب کیا مقابلہ کرے گا۔ ان کے ایک آدمی ابن سنان نے بڑھ کر وار کیا
 اپنے وار خالی دے کر ایسا نیزہ مارا کہ سینے کے آ پار ہو گیا۔ عمرو نے اپنا آدمی یوں کٹا دیکھا
 تو عام حملے کا حکم دے دیا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ جلد از جلد امام عالی مقام کا کام تمام کر کے فتح کے
 شادیاں بجاتے ہوئے ابن زیاد کے پاس پہنچ جائیں۔ یزید سے انعام حاصل کریں۔ ابن زیاد
 سے شاباش وصول کریں۔ علی کے لکے شیر پر ہزاروں دشمنوں نے حملہ کر دیا تھا۔ سینکڑوں
 تلواریں بیک وقت چمک رہی تھیں۔ ہزاروں تیر بیک وقت کمانوں سے پھوٹ رہے تھے
 بیسیوں نیزے بیک وقت ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ یزیدیوں کے نیزے اپنے ہی
 نیزوں میں الجھ رہے تھے۔ امام عالی مقام پر برسے والے تیر ان کے اپنے گھوڑوں کو بھی زخمی
 کر رہے تھے۔ حیدر کا شیر ذوالفقار حیدری کو میدان میں اس طرح گردش دے رہا تھا جیسے
 سینکڑوں بجلیاں بیک وقت کوئند کوئند جاتی ہوں۔ تلوار کی کاٹ تھی یا بجلیوں کا رقص جو کفر
 کے نشیمن کو جلا دینے پر تل گئی ہوں۔ ابن حیدر کی تلوار جلال حیدری کی تصویر اور لاسیف
 الاذوالفقار کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ سخت دوپہر ہو چکی تھی۔ زمین آگ اگل رہی تھی۔ آسمان
 آگ برسا رہا تھا۔ میدان کو بلا میں چلنے والی بادِ سموم اس قدر گرم تھی جیسے آگ کے شعلوں کو چاٹ
 چاٹ کر آرہی ہو۔ اور تیغ امام بھی گرم ہو چکی تھی جس کو چھو جاتی اُسے آگ لگا دیتی۔ اودھ آگ
 آگ کی پکار کرتا واصل جہنم ہو جاتا۔

کیا جنگ میں تھی تیغ شہنشاہِ زمین گرم سرگرم، ہوا گرم، زبان گرم، دہن گرم
 پڑ جاتا تھا سایہ بھی تو ہو جکتے تن گرم مرنے پہ بھی خو غواروں کے تھے زخم بدن گرم

ظاہر تھا جلالِ شہِ عالم کا نمونہ
 آنچ اُس کی دکھاتی تھی جہنم کا نمونہ
 (میریٹس)

شمشیر چل رہی تھی شبیر بڑھ رہے تھے۔ شریہ کٹ رہے تھے زمین کانپ رہی تھی۔
 آسمان لرز رہا تھا، میدان بلبلا رہا تھا، خون برس رہا تھا، فضا کا سینہ دھڑک رہا تھا۔ شریہوں
 کی فوج کی تعداد بائیس ہزار سے ششہ اکیلا رہا

فی النار کفر ہو گیا۔ مردود حبل گئے

لیکن نہ ذوالفقار کے ابرو سے بل گئے

ایک بد بخت نے اشارہ کیا حسینؑ اُدھر دیکھو وہ فرات کا ٹھنڈا پانی چمک رہا ہے مگر تمہیں اس سے ایک قطرہ پینا بھی نصیب نہیں ہوگا اور تم پیاسے ہی قتل کر دیئے جاؤ گے۔ امام عالی مقام نے فرمایا اللہ تمہیں پیاسا ہی قتل کرے۔ پھر وہ فوراً ہی العطش العطش پکارنے لگا۔ پانی بھی پئے جا رہا تھا مگر پیاس اور زیادہ بھڑکتی جاتی تھی۔ آخر پیاسا ہی مر گیا دآپ جدال و قتال کرتے ہوئے بھی یہ ارشاد بار بار دہرا رہے تھے۔ جفا کار ظالمو! تم میرے قتل پر جمع ہو چکے ہو۔

یَا دُرُکھو! خدا کی قسم میرے قتل کے بعد کسی کو قتل نہیں کرو گے جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور ناخوشی کا باعث ہو۔ مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں حسینؑ کی جان ہے۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ تمہاری ذلت سے مجھے عزت ملے گی مگر تم وہ بدلہ پانے والے ہو جو تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں۔ اللہ تم میں پھوٹ ڈال دیگا۔ تمہارا خون بہائے گا اور پھر تم پر عذاب الیم مسلط کر دے گا۔ میرے ایک قتل کے بدلے تم لاکھوں قتل ہو جاؤ گے مگر میرے خون کا انتقام ابھی باقی رہے گا۔

آپ ایک دفعہ زبردست جدال و قتال کرتے ہوئے ساحل فرات پر بھی پہنچ گئے۔ مگر آپ تو پانی کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔

سودھ میں مگر شکوہ اعدا نہیں کرتے تکلیف میں راحت کی تمنا نہیں کرتے
پانی کی طلب سیدر والا نہیں کرتے رغبت سے نظر جانب دریا نہیں کرتے

صد مہر ہے کہ عباس یہاں قتل ہوا ہے

سقائے سکینہ کا یہاں خون بہا ہے

پانی تو پینا ہی نہیں تھا۔ علی اصغر کے پیاسے چلے جانے کے بعد پانی کیا پینا تھا۔ جس کا علی اکبر پیاسا شہید ہو۔ جس کے بخار میں جلتے ہوئے عابد کو ایک گھونٹ پانی نہ مل سکا ہو۔ جس کی معصوم سکینہ پانی کے بغیر تڑپ رہی ہو۔ جس کی گھروالیاں پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہی ہوں۔ جس کی ہمشیر کا خلق سوکھ کر کاٹا بن چکا ہو وہ پانی کیا چھتا۔

پانی تو پینا ہی نہیں تھا صرف دشمنوں کو بتانا مقصود تھا کہ فرات شہتیر کی زد میں ہے

فرات ہی کیا اگر آپ چاہتے تو کوثر کا چشمہ کناروں سے بہتا ہوا کربلا کے میدان میں آجاتا مگر آپ کو تو پیاسی امتحان دینا تھا یہ تمام مصیبتیں، تمام بلائیں اور تمام دکھ درد تو آپ کے اختیاری تھے۔ آپ نے تمام مصائب و مشکلات کا مشاہدہ کر کے ان کو قبول کیا تھا اور پوری پوری رضامندی سے ہر مصیبت کو برداشت کرنا گوارا کیا تھا پھر آپ کو شکوہ کیا کرنا تھا۔

اس بلائے عظیم کو برداشت کر کے ہی تو تکمیل ذبح عظیم ہونا تھی۔ جنوں کا سردار زعفر حضرت علی کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا تھا۔ اُس نے اگر پور خواست پیش کی۔ حضور والا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے ساتھیوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے اور دشمن بہت زیادہ ہیں۔ مجھے حکم فرمایا جائے کہ میں آپ کے دشمنوں کو چند لمحوں میں تھیں نہیں کر دوں۔ مگر آپ نے اُس کی درخواست مسترد فرمادی۔ جنوں کا سردار ہی کیا آپ خود امام الاولیاء اور محمد عربی کے نواسے تھے ذرا سا اشارہ فرمادیتے تو فوج یزیدہ بکلیا میٹ ہو جاتی مگر آپ کو تو اپنا امتحان دینا تھا۔ طغیان و سرکشی سے خود مقابلہ کرنا تھا۔ ورنہ کربلا میں کتنے ہی ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے۔ کہ جو بھی جناب شبیر کے منہ سے نکلا وہ ہو کر رہا۔ کسی نے آگ کا طعنہ دیا تو وہ آگ میں جل گیا۔ کسی نے قطع نسل کا طعن کیا تو اُس کی نسل قطع ہو گئی کسی نے پانی کے لئے متخیر کیا تو وہ پیاسا مر گیا۔ ان سب واقعات کا ماہصل یہی تھا کہ اگر امام مظلوم چاہتے تو وہ ان بلاؤں کا بیک جنبش لب خاتمہ فرما سکتے تھے مگر اہل بیت سے نانا کے لئے شہادتِ جلیلہ کے منصب کا اہتمام کس طرح ہوتا۔

آپ کو تلوار بھی چلانا تھی اور شہید بھی ہونا تھا۔ آپ کا منصب یہی تھا کہ آپ کو مجاہدانہ شہادت نصیب ہوتی۔ بے بسی کی شہادت کا رنگ اتنا گہرا کیسے ہو سکتا تھا۔ اگر آپ قوتِ روحانی سے فوجِ یزید کو ختم کر دیتے تو آپ کو شہیدِ عظیم کون تسلیم کرتا۔ اور اگر آپ تلوار نہ اٹھاتے تو آپ کو مجاہدِ عظیم کون ماننا۔

بہر صورت دنیا کو یہ بھی دیکھنا تھا اور تاریخ میں یہ بھی آنا تھا کہ ناموسِ رسالت کے اکیلے محافظ نے خداؤ رسول کے بائیس ہزار دشمنوں سے مردانہ وار مقابلہ کیا اور یہ مقابلہ جاری ہے۔ محمد عربی کا ستارا اکیلا ہے۔ جہنم کے شرار سے ہزاروں ہیں فاطمہؑ کا لال اکیلا ہے۔ ہندہ کے پوتے کے ساتھی ریت کے ذروں کی طرح لا تعداد ہیں مدینے کا چاند اکیلا ہے اور شام کے بادل تھر تھر برہنہ اُڈے چلے آتے ہیں۔ حیدرِ کرار کا شیر اکیلا ہے اور دنیا کے گتے ہزاروں ہیں۔

ضیغم علی کاظم کے جنگل میں گھر گیا
 زہرا کا چاند شام کے بادل میں گھر گیا
 امام مظلوم کو جیسے جیسے بے گناہ شہیدوں کی یاد آتی جاتی ہے آپ پیکرِ حلال و جبروت
 بنتے جلتے ہیں۔ آپ کا چہرہ اقدس شدتِ جذبات سے رُخِ وافغمی کا عکس جمیل بن کر چمک رہا ہے
 اس طرح انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے جیسے شفقِ ہمدردوں سے آفتاب طلوع ہو رہا ہو۔
 چہرہ تھا ایسے خون کی حدت سے شعلہ دوش
 سورج کا جیسے پھول اک طشتِ سحر میں ہو
 آپ کے جسمِ نازنین پر جب دشمنوں کے تیرا کر لگتے ہیں تو آپ اس طرح نکال کر پھینک دیتے
 ہیں جیسے کوئی کانٹا چبھ گیا ہو۔ محبوبِ جبر و کون سے جہانک جہانک کر عاشق کا دل بڑھا رہا ہو تو
 پھر احساسِ اذیت کہاں۔ لذت وصالِ محبوب ہو تو تکلیف کی شدت کیسی یہی تو شہیدوں کا اعزاز
 ہوتا ہے۔ یہی تو عشق کی شان ہے کہ حسن کو بے نقاب دیکھ کر ہاتھوں پر پھیریاں چل جائیں۔ اور
 انگلیوں کے کٹ جانے کا پتہ نہ چل سکے۔

امام مظلوم کے جسمِ انور پر تیروں کے کئی زخم آچکے ہیں مگر ذوالفقارِ حیدری قوتِ خیر شکن
 کا لوہا منوار ہی ہے۔ دشمن ٹوٹریوں کی طرح آگے پیچھے چھپتے ہیں مگر ذوالفقارِ علی تو ان پر
 قہرِ خداوندی اور غضبِ الہی بن کر برس رہی ہے۔ رعد کی طرح کڑکتی ہے اور برق کی طرح جسموں
 سے پار ہوتی جاتی ہے۔ کسی کا سر نہیں تو کسی کا دھڑ نہیں۔ کسی کا بازو نہیں اور کسی کی
 پند لی نہیں۔

بجلی سی جو گور و صفِ جنگ سے نکلی فریاد کی آواز دلِ سنگ سے نکلی
 اسوار کے سر پر جو پڑی تنگ سے نکلی سینے میں اتر آئی عجب رنگ سے نکلی
 چھوڑا جسے مقتل میں لہو چاٹ کے چھوڑا
 پایا جسے اس تیغ نے سر کاٹ کے چھوڑا
 سر اڑ رہے تھے چلتی تھتی سن سے جو ذوالفقار چلتے تھے وار تیغ دھپکے کے بار بار
 دھالوں کو روکتے تھے جو مردودِ نابکار بجلی کی طرح کوندنی تھی تیغِ شعلہ بار
 مرنے لگے در سے دُوبد کے ناری فرات میں

باز دُکھ، کاتن سے جدِ تنہا کسی کا سر
کوئی تڑپ رہا تھا ادھر اور کوئی ادھر

آفت، کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا
گویا کہ عزرائیل پھری لئے ساتھ تھا

(انیس)

رتیلو چل رہے ہیں، تلواریں برس رہی ہیں، نیزے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ حیدر کا شیر بھی نعرۂ بکیر
لگاتا ہے اور کبھی نعرۂ حیدری لگا کر رجز پڑھتا ہوا مجاہدانہ شان سے دشمنوں کی صفوں کی صفوں کو
اُلٹ رہا ہے۔ تیغِ امام چل رہی ہے دشمن جہنم میں جا رہے ہیں۔ عمرو سعد برابر اپنے سپاہیوں کو
غیرت دلاتا جا رہا ہے۔ سپاہِ یزید بڑھ بڑھ کر حملے کو رہی ہے۔ محمد کا نواسہ ترین دن کا پیاسا
اپنے فرض منصبی کو پورا کر رہا ہے۔ ذوالفقار حیدری کی عصمت کا بھی تحفظ ہو رہا ہے اور فرائض
ذبحِ عظیم کی تکمیل کا بھی وقت قریب آتا جاتا ہے۔ کہ بلا کے دوہا کے رخِ منور کی تابانیوں سے
ریت کے ذرے اس طرح چمک رہے ہیں جیسے آفتاب زمین پر اُتر آیا ہو۔

منوہی یقیناً حسن و سہات کی

ذرروں سے ٹکس جاتی تھی آنکھ آفتاب کی ! (تغیث)

عارض کی ضو سے دیدۂ انجم جھپک گئے

نکلا جو آفتاب تو ذرے چمک گئے (انیس)

امامِ مظلوم کے جسمِ انور پر تیروں، تلواروں، نیزوں اور برہمچیوں کے بے شمار زخم
آچکے ہیں۔ زخموں سے خون بہہ بہہ کر فاطمہ کے لال کا لباس سرخ ہو چکا ہے۔ تصویرِ مصطفیٰ کے
ساتھ ساتھ قبلے مصطفیٰ بھی تار تار ہو چکی ہے۔

بے چین رُوحِ سیدِ لولاک ہو گئی

تیغوں سے مصطفیٰ کی قبا چاک ہو گئی

گھوڑے کی زین بھی خونِ حسین سے تہ ہو چکی ہے اور گھوڑا بھی گردن سے لے کر

پاؤں تک تیروں تلواروں سے پھلنی ہو چکا ہے۔ مگر شہتیر کا مرکب تھا پیکرِ استقامت بن کر
سوار کا ساتھ نبھار رہا تھا۔ صابروں کے امام کی سواری بھی صبر و شکر کا کامل نمونہ پیش کر
رہی تھی۔

امام مظلوم کے جسم اوزر سے خون بہت زیادہ نکل چکا ہے۔ نقابیت جسمانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی ہے مگر قوتِ عزم و اعتماد اور ایمان و یقین پورے جاہ و جلال کے ساتھ مصروفِ کارزار ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح سے میدانِ کربلا میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور امامِ عالی مقام کے ساتھیوں کا مقدس خون ایک شیشے میں جمع فرماتے جا رہے ہیں۔ تاجدارِ انبیاء کا نورانی جسم گرد و غبار سے آٹا پڑا ہے۔ دستارِ اقدس پر ریت کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔ ریش مبارک کے بال بکھرے ہوئے اور غبارِ آلودہ ہو چکے ہیں۔

امام الانبیاء صبح سے نواسے کا امتحان ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ خون کا شیشہ ہاتھوں میں پکڑا ہوا ہے اور نواسے کے مقدس خون کا انتظار ہے اور اب یہ انتظار ختم ہونے والا ہے۔ کربلا کے دوسرے کے لئے جنت سنواری جا چکی ہے۔ حُجُوبِ صف بہ صف فاطمہ کے لال کے استقبال کے لئے استاد ہو چکی ہیں۔ چشمہ کوثر تین دن کے پیسے کے لئے بار بار حُوش میں آکر کناروں کے اوپر سے بہہ نکلتا ہے۔ جبریل ہاتھوں میں ذبیحِ عظیم کی سند لئے بڑی شدت سے انتظار کر رہا ہے کہ وارثِ ذبیحِ عظیم آجائے تو یہ تحفہ پیشِ خدمت کر دوں۔ تمام ملائکہ صف بہ صف محمدِ عربی کے نواسے کا انتظار کر رہے ہیں۔

کہ ایک مروجہ ملعون کا تیرا کر امام مظلوم کے حلق میں پیوست ہو جانا ہے۔ حلقومِ حسین سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ آپ نے دستِ اقدس آگے بڑھا دیئے اور خون کو چلوں لیکر آسمان کی طرف اُچھال دیا۔ امینِ صادق پورے خلوص کے ساتھ اپنی جان کی امانت بھی بارگاہِ خداوندِ قدوس میں پیش کر رہا ہے۔ نانا جان بھی اپنے عظیم ذبیحے کا خون شیشے میں ڈال لیا اور اب نواسے کے آخری سجدہ کا انتظار ہے۔

خونِ امامِ آسمان کی طرف اُچھلا تو فرشتوں نے اٹھا کر اُفق پر پھینک دیا۔ اور پھر وہ خونِ مقدس اُفق سے شفق بن کر ابھرا یا جو قیامت تک شفق کی سرخی بن کر نمودار ہوتا رہے گا اور محمدِ عربی کے نواسے کے بیگناہ قتل کی گواہی دیتا رہے گا۔

جد توں سید مظلوم شہید ہو یا شفق صبح دی اودوں توں رتی ہو گئی
گلستانِ محمد دریاں غنچیاں تے نہیری ادہ چسلی پتی پتی ہو گئی !
گرم اکبر جوان دا خونِ دہلا۔ ریت کربلا دی ہو رتی ہو گئی
ایدھر ذہرا دا بجھیا چراغ صابرا اودھر گل سی گھنری پتی ہو گئی (صائمِ چشتی)
آپ کو اس دردناک حالت میں دیکھا تو شمر نے خیموں کو ٹوٹنے کا اعلان کر دیا۔ امام مظلوم

نے فرمایا ظالمو! بے غیرتی کی یہ انتہا تو نہ کرو۔ ناموسِ مصطفیٰ کو بھی ٹوٹنا چاہتے ہو! وہ پھر وہ رک گئے۔ امامِ مظلوم کے حلق کا خون منہ کے راستے بھی جاری ہے اور اسی حالت میں زرعہ بن شریک ملعون و مردود نے آپ کے بائیں شانے پر تلوار جلا دی۔ امامِ مظلوم کا بایاں بازو لٹک رہا تھا اور دائیں ہاتھ میں تلوار تھامی ہوئی تھی کہ سنان بن انس مردود و ملعون نے آپ کے سینہ اقدس پر نیزے کا وار کر دیا اور نیزہ سینہ کے پار ہو گیا۔ امامِ مظلوم حتیٰ جہاد ادا کر چکے ہیں سارا جسم ماہِ انور سے بدل کر گلاب کا پھول بن چکا ہے۔

دیدارِ الہی کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ امامِ الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیور نواسے کو بارگاہِ خداوندی پیش کرنے والے ہیں۔ وصال کی گھڑیاں اور بھی قریب آجاتی ہیں سنان بن انس حرامی نے سینہ منور میں کھپا ہوا نیزہ کھینچا تو قرآن رحلِ زین سے نیچے گر پڑا۔ فاطمہ کا لال گرم گرم ریت میں مل گیا۔ ہلا یہ ہے کہ

تینوں سے بند بند جدا تھا جناب کا!

شیرازہ کھل گیا تھا خدا کی کتاب کا

جنابِ زینب نے بھائی کو گھوڑے سے گرتے دیکھا تو بیتاب ہو کر خمیوں سے نکل آئیں

آپ فریاد پر فریاد کرتی اور دوڑتی ہوئی مظلوم برادر کی طرف آہی تھیں

دیکھا تو جانِ اہلِ حرم کی نیکل گئی غم کی چھری کلیجہ زینب پر چل گئی

چہرے کا رنگ اڑ گیا صورت بدل گئی اُمِّ اُتھادل کہ اشکوں کی ندی اُبل گئی

چلائیں یا رسول، بلاؤں کو رد کرو

یا شیر کو دگا رہسری کی — مدد کرو (میرمنس)

امامِ مظلوم گھوڑے سے گرے تو گرتی ہوئی انسانیت سنبھل گئی۔ فاطمہ کا لال خون میں

دوب گیا تو اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کنارے پہنچ گئی۔ امامِ مظلوم کیا گرے کفر کی دیواروں کو

لرزہ آگیا۔ جبر و تشدد کے محلات پر لرزہ طاری ہو گیا۔ خونِ حسین کی سرخ لکیر نے حتی و باطل کی

حدوں میں امتیاز کر دیا۔

ریاں ریت و بچ بوٹیاں پر دیاں پر نہیں حتی و باطل رلاؤں دیتا

نانے پاک دی پاک دستار اُتے ماسہ دافعِ حسین نہیں اُون دیتا

رُخِ اُمتِ دا نانے دی شرع و یوں ذرا جتاں شبیر نہیں بھون دیتا

مرکزِ عشق دی لاش دے ہوئے ٹکڑے قائم مرکز نہیں ٹکڑے بناؤں دیتا (مقامِ حشری)

قرآن ناطق گر پڑا ہے اور شمر نے گردن پر پاؤں رکھا ہوا ہے۔ سنان بن انس شور مچا ہے کہ اس کا سر کاٹ دو۔ امام عالی مقام اٹھا ہونے کے لئے زور لگا رہے ہیں۔ آخری سجدہ کرنے کے لئے آخری قوت صرف کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا شمر میری گردن سے پاؤں اٹھا لے تاکہ میں اپنے رب کے حضور میں آخری سجدہ کر لوں اور پھر آپ نے اس حالت میں بھی زور یدِ الہی سے اپنا رخ بدل کر سر نیاز بارگاہِ خداوندی میں رکھ دیا۔

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے

اک ضرب یدِ الہی، اک سجدہ شتیری

یہی سجدہ نیاز تھا جس نے انسان کو کَرَمَتاً بنی آدم کا تاج پہنا کر فرشتوں سے اشرف اور تمام مخلوقات سے ممتاز کر دیا۔ شمر گردن پر خنجر پھیر رہا ہے اور سجدہ محبت ادا ہو رہا ہے اور ملائکہ کی صفیں کر بلا کے شہنشاہ کو سلامی پیش کر رہی ہیں۔ پھر سنان بن انس نے اس سرِ انور کو جسم مقدس سے جدا کر دیا جسے رسولوں کے سردار بوسے دیا کرتے تھے۔ فاطمہ کالال اپنے امتحان میں پوری کامیابی کے ساتھ پاس ہو کر بارگاہِ ربِّ جلیل میں پہنچ گیا۔ وصلى الله تعالى على جدك الكريم وعليه واصحابه وانصاره وابنائهم واخوانهم وازواجه واهل بيته وعترته وبناته۔ اُدھر جنابِ سکینہ فریاد کر رہی تھیں:-

میرے باہا کو کوئی زنج کئے جاتا ہے

کالیں پکڑے سیر پاک لئے جاتا ہے

یزید کے خونخوار گتوں نے شتیری علیہ السلام کا سر کیا قلم کیا پوری انسانیت کا سر قلم کر دیا۔ حق و انصاف کا سر قلم کر دیا۔ عدل و انصاف کا سر قلم کر دیا اور پھر آپ کے کئے ہوئے سِرِّ اقدس کو نیزے پر چڑھا کر بلند کر دیا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلا سر تھا جسے نیزوں پر بلند کیا گیا۔ یہ بحث تو اس کتاب کے دوسرے حصہ میں ہوگی کہ آپ کا سر کاٹ کر نیزوں پر بلند کرنے والے مسلمان رہ بھی گئے تھے یا کافروں سے بھی بدتر تھے۔

البتہ اس بات کو قلم انداز نہیں کیا جاسکتا کہ امام عالی مقام کا سر اقدس جسم سے علیحدہ ہو کر بھی سر بلند و سرفراز ہی رہا۔

اور اس سرفرازی کا اظہار بھی دشمنانِ دین اور ظالموں کے ہاتھوں سے ہوا۔ جنہوں

نے اس سر اقدس کو جسم سے علیحدہ کیا تھا۔

سرشتیر نے نیزے پر بلند ہو کر یہ حقیقت دنیا والوں پر پورے طور پر ظاہر کر دی کہ حق ہمیشہ سر بلند رہتا ہے۔ صداقت کو ہمیشہ سرفرازی نصیب ہوتی ہے جو زبان سے اقرار نہیں کرتے وہ عملی طور پر دنیا کے سامنے حسین علیہ السلام کی سربلندی کا اظہار کر رہے تھے۔ سرفرازی تو نواسۂ رسول کی ملکیت تھی۔

پھر یزیدیوں نے راکب دوش رسول کے لاشۂ اقدس پر گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ لعنت ہو خدا کی اور فرشتوں کی ان ملعونوں پر۔

خمیے جلادیے

جس نے بجایا خلق کو دوزخ کی آگ سے
افسوس اُس کی آل کے خمیے بھی جل گئے (صائم چشتی)

ادھر گلستانِ فاطمہ کا ایک ایک پھول بکھر چکا ہے اور ادھر یزدیدیئے جشنِ فتح منارہیں
آفتاب کی تمازت بھی کم ہوتی جا رہی ہے اور شامِ غریباں بھی نزدیک آتی جا رہی ہے۔ آگ برسلنے
والی دھوپ بھی غمِ حسین میں افسردہ ہو کر زرد ہو چکی ہے۔

آتش جو دھوپ کی تھی وہ افسردہ ہو گئی
لاشوں کا بوجھ تھا کہ زمیں مردہ ہو گئی (میرونس)

جنابِ زینب بھائی کی لاش کو کپڑے سے ڈھانپ کر خمیوں میں واپس آگئیں۔ ازدواج
حسین کا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ جن کا سہاگ اُجڑ جائے، جن کی تمناؤں کا خون ہو جا
جن کے بیٹے خاک کی ڈھیری بن جائیں، جن کے شیرخواروں کے بھوے خالی ہو جائیں، جن کی
ہری بھری گود خالی ہو جائے، جن کے سر کی ردا چھن جائے ان کا درد کون بیان کر سکتا ہے۔
جن کی حرمت کا محافظ چلا جائے، جن کے سر کا دوپٹہ اتر جائے ان کا حال کیسے لکھا
جاسکتا ہے۔

عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ کوفیوں کے چند لٹیرے شمر کی معیت میں آگے بڑھے
تمام اہل بیت کو ایک خیمہ میں جمع کر کے باقی خمیوں کو آگ لگا دی۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے
تھے اور آلِ رسول کے دل ڈوب رہے تھے۔ شیطان کے ساتھی مالِ غنیمت اکٹھا کرنے
میں مصروف تھے۔ وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ شبیر کے گھر سے بہت مال ملے گا۔
مگر وہاں تو اللہ کا نام تھا۔ فاطمہ کے بیٹے سے دنیاوی مال و منال کیا ملتا۔ مایوس ہوئے تو
کپڑے ہی اکٹھا کرنے شروع کر دیئے۔ جنابِ سکینہ کے کانوں کی بالیاں کھینچنے لگے۔ بچی نے
احتجاج کیا تو تھپڑ لگا دیا۔

اس سے بڑھ کر ظلم و ستم کی داستان اور کیا ہوگی۔ کتنے بے حیا تھے وہ ہاتھ جو

حسینؑ کی بچی پر اُٹھے۔ کتنے بے غیرت تھے وہ ہاتھ جو علیؑ کی پوتی پر اُٹھے۔ کتنا گدل اور ملعون تھا وہ شخص جس کا طمانچہ رُخ سکینہ پر پڑا۔

جس ہاتھ سے تھپڑ پڑا وہ ہاتھ بدکردار تھا
عارض سکینہ کے نہ تھے تاریخ کا رخسار تھا۔

اب ایک بیمار کی باری تھی۔ بے ہوش زین العابدینؑ کو شمر نے یورے زور سے گھسیٹا کہ بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ سر پر ظالموں کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ ان خیموں کا محافظ بھی شہید ہو چکا ہے۔ شمر نے ساتھیوں کو کہا کہ اس کا منہ بھی قتل کر دو جناب سجادؑ سن بھل کر اُٹھنے لگے تو علیؑ کی بیٹی کو جلال آگیا۔ جناب زینبؑ نے غضب میں آکر فرمایا۔ بے غیرت انسانو! کچھ تو شرم کرو۔ اب بیمار کو بھی قتل کر دو گے۔ اُد پہلے ہمیں قتل کر لو۔ پھر اسے بھی قتل کر لینا۔ بات یہیں تک پہنچی تھی کہ عمرو سعدؓ بھی آگیا۔ اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اب ٹوٹ کھسوت ختم کر کے یہاں سے چلے جاؤ اور بیمار کو قتل نہ کرو۔

اہل بیت ایک ہی خیمے میں پڑے ہوئے اپنی حالتِ زار پر درو رہے ہیں کہ شام کا وقت ہو جاتا ہے اور پھر نمازِ مغرب کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

شام غریباں

اب شام غریباں آتی ہے دردِ عالم میں ڈوبی ہوئی شام، خونِ شہیداں میں لت پت شام
افسردہ اور نڈھال شام، لٹی پیٹی اور کٹی پٹی شام، تڑپتی اور پھٹکتی شام، اندھی اندکالی شام
غمگین اور المناک شام، گھٹی گھٹی چیخوں والی شام، دبی دبی آہوں والی شام، خون کے آنسو
برساتی شام، جاں سوز و دلدوز شام، سوز و گداز میں لپیٹی ہوئی شام، فریاد کرتی ہوئی
شام، نہ سناتی ہوئی شام، مرثیے پڑھتی ہوئی شام، سسنان اور ویران شام، حیران و
پریشان شام۔

شام کالی شام، اندھی شام، خوف انگیز شام بے ضیاء بے فہم، وحشتناک، عبرت خیز شام
شاخونی شام، سوئی شام، ظلمت بارشام خونچکاں، خونریز، خون انگیز اور خونخوار شام
قہر آگین، ماتی، غمگین، بلا اندوز شام پُرالم، پردہ، پرغم، پرلم و پُہ سوز شام
دوستے سوز کی قاش گرم سے لپٹی ہوئی
یوم عاشورہ کی لاش گرم سے لپٹی ہوئی (سحاب)

یزیدی اپنے مرداروں کو دفن کرنے کے بعد اپنے پڑاویں شام فتح منار ہے ہیں
اور خاندانِ رسول کی لٹی پٹی شہزادیاں ایک بیمار کے سرانے بیٹھی ہوئی اپنی حالت پر رو رہی ہیں۔
پیا سوں کو چوتھی رات ہو گئی اوداب تو بھوک پیاس کا احساس ہی ختم ہو چکا ہے کہتے ہیں کہ تم
وقت بھوک زیادہ لگتی ہے مگر غم کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے۔ صبح عاشورہ آئی تھی تو ان پاکدامنوں
کے ساتھ کتنے لوگ تسلیاں دینے والے تھے۔ مگر اب تو ایک بھی نہیں، کون سا بیمار دیتا
کرہ کے وحشتناک جنگل میں کون تسلی دینے آتا۔ اپنا وطن ہو، اپنا شہر ہو، اپنا گھر ہو، تو کچھ
دھارس بھی بندھتی۔ مگر یہاں تو نہ وطن اپنا ہے نہ شہر اپنا اور نہ گھر اپنا۔ گھر سے کوئی بلہا ہوا
تو اس کے انتظار میں ہی وقت گند جاتا ہے۔ مگر یہاں کون آتا، کس کا انتظار کیا جاتا، غی کب کا؟
ان کاخوت میں دوبا ہوا شہ تو گرم ریت کے نیچے دفن ہے۔

عباس علیہ السلام کا؟ ناموس محمد کے پہریدار کا؟ پہریدار کی تو لاش کے بھی کئی ٹکڑے
ہو چکے ہیں۔ اس کے بازو اگے پڑے ہیں۔ سر اگے پڑا ہوا ہے۔ گھٹیا ہے۔

پھر کس کے انتظار میں دقت کُلتا، کس کا راستہ دیکھا جاتا، قاسم کا؟ وہ تو علی اکبر کے پہلو میں تیروں تلواروں سے چھلنی ہو کر دفن ہو چکا ہے۔ انہیں کسی کا بھی انتظار نہیں اور نہ ہی کسی نے آنا تھا۔ ہاشمی شہزادے سوئے پڑے تھے۔ جناب عبدالمطلب کے چھوٹے بڑے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ جناب ابوطالب کی ساری اولاد کٹ چکی تھی۔ کربلا میں جتنے ہاشمی شہید ہوئے وہ سب جناب ابوطالب کی اولاد تھی۔ اور اُس مقدس اولاد کے تو ٹکڑے بکھرے پڑے تھے پھر سید زادیوں کا حال کون پوچھتا۔ اُن کے غم کی کہانی کون سُنتا، اُن کا دل کون بہلاتا۔ وہ کس کو دیکھ کر غم غلط کر لیتیں۔ عون و محمد کو؟ مگر وہ تو ماں کی فرما نبرداری کا حق ادا کر کے ریت کے نیچے دبے پڑے تھے۔ علی اصغر کو؟ وہ تو کوثر کے چشمہ پر پانی پینے گیا ہوا ہے۔ کوئی نہیں! خدا کے سوا کوئی نہیں جو اس سُنے پُٹے خانماں ببادوں کا حال پوچھتا۔ ان کے سامنے تو ایک اور امتحان کھڑا تھا۔ انہیں شہیدوں کی لاشوں کا پہرہ دینا تھا۔ ان کی زندگی کا سہارا، ان کی تمناؤں کا مرکز، ان کے دُکھوں دردوں کا دوا و احسین بھی نانا جان کے حضور میں پہنچ چکا ہے۔ اُس کا پہرہ ہی سامنے ہوتا تو زیارت سے کچھ قرار آ جاتا مگر سر تو کوفیوں کے پاس تھا۔ اس المناک شام سے بڑھ کر نہ کوئی شام دنیا میں آئی ہے اور نہ آئے گی۔ ہو کا عالم اور غضب کا سناٹا ہے۔ کانوں میں شائیں شائیں کی آواز ایسے آتی ہے جیسے ریت کے ذرات رو رہے ہوں، جیسے زمین فریاد کر رہی ہو۔

آہ! وہ جاں سوز منظر الامان والحذر
کوئی ان پر مامی تھا اور نہ کوئی نوحہ خواں
ریت کے ذروں سے اک فریاد نکلی ناگہاں
بے سرو مجروح لاشیں شعلہ افشاں ریت پر
صرف تنہائی مجاور، بے کسی تھی پاسباں
نوحہ گستر، نوحہ زن، نوحہ طراز و نوحہ خواں

آہ! اس جنگل میں مہمانِ حجازی کُٹ گیا

شام کے میدان میں مکے کا غازی کُٹ گیا

رات سر پر آگئی ہے، بیمار کراد رہا ہے، بی بی سکینہ فریاد کر کر کے اس طرح خاموش

ہو چکی ہیں جیسے موت کی آغوش میں پہنچ چکی ہوں ساری پاکدامنیں رو رو کر اپنے دامن تو کر رہی ہیں۔

نیند کس کو آنا تھی بس جیسے بھی کُلتی رات کاٹنا تھی مگر رات تو کُٹ ہی نہیں رہی تھی۔ جیسے جیسے گزر

رہی تھی طویل ہوتی جا رہی تھی۔ جناب زینب کئی بار جا کر بھائی کا بغیر سر کے لاشہ جو م آئی ہیں۔ کبھی

خیمے میں آکر بیمار کو دیکھ لیتی ہیں اور کبھی بھائی کے لاشہ اقدس پر پہنچ جاتی ہیں۔ رات آدھی سے ڈھل

جگہ ہے۔ چاند شہیدوں کی لاشوں کے چاند جیسے ٹکڑوں پر اپنی کرنیں بچھا کر رہا ہے۔
جناب زینبؓ نے دیکھا کہ ذرا دور ہٹ کر دو سائے سے نظر آتے ہیں۔ آپ نے وہیں
سے آواز دی آگے نہ آنا ایک پردہ نشین اپنے بھائی کی لاش پر پہرہ دے رہی ہے
آواز آئی، بیٹی! ہم غیر نہیں ہیں۔

ہم بھی تیرا پہرہ ہی دیکھنے آئے ہیں۔ جناب زینبؓ نے پہچان لیا کہ یہ تو میرے
بابا علیؑ کی آواز ہے۔ تسلی کرنے کے لئے دوبارہ آواز دی۔ آپ کون ہیں بابا! پہلے
بتاؤ پھر آگے بڑھنا۔ آواز آئی بیٹی ہم آگے نہیں آئیں گے۔ میری غمزدہ بیٹی صبر کرو۔
میں تیرا بابا علی ہوں اور یہ تیری ماں فاطمہ بنت رسولؐ ہیں۔ ہم تمہارا پہرہ دیکھنے کے لئے
ہی آئے ہیں۔ جناب زینبؓ نے بقرار ہو کر آواز دی۔

اُمّی جان! آواز آئی۔ جی بیٹی! ماں قربان کیا بات ہے۔
امّی جان آپ رک کیوں گئے۔ آگے آکر میرے نازوں کے پالے کا لاشہ تو دیکھ لو۔
مجھے دلاسہ تو دے جاؤ۔

آواز آئی۔ بیٹی میں آگے نہیں آسکتی۔

جناب زینبؓ نے پھر آواز دی آبا جان۔ آواز آئی۔ ہاں بیٹی! میں موجود ہوں۔
عرض کی آبا جان آپ صبح کیوں نہیں آئے۔ جب آپ کا گھر لٹ رہا تھا اُس وقت آپ کہاں تھے
آپ اُس وقت کیوں نہیں آئے جب اصغرؑ نے تیر کا کھاکو دم توڑا تھا۔ جب علی اکبرؑ کی لاش کو
اٹھاتے وقت میرے بھائی کی کمر دوہری ہو رہی تھی۔ جب قاسمؑ کی جوانی ٹوٹی گئی۔ جب
عباسؑ کے بازو قلم کئے گئے۔ جب عون و محمدؑ کو قصابوں نے ذبح کیا۔ جب پسرانِ عقیل و جعفر
شہید ہوئے۔ بابا آپ کو اُس وقت آنا تھا جب تیرے حسینؑ کا تیروں اور تلواروں سے
بے بنہ چھلنی ہوا تھا۔ بابا آپ اُس وقت کیوں نہ آئے جب میرے بھائی کے گلے میں تیر پھنسا ہوا تھا
میرے بابا میں تو اُس وقت بھی آپ کی دُہائی دیتی رہی۔ اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَبَا جَانِ پکارتی رہی ہوں۔
میرے لچھے آبا جان آپ کو اُس وقت آنا چاہیے تھا۔ جب تیرے حسینؑ نے شمرؑ کے پاؤں تلے
دبی ہوئی گردن کو موڑ کر آخری سجدہ کیا تھا۔

میرے بابا ہم لٹ گئے ہیں تو آپ آئے ہیں۔ آپ کا باغ اُجڑ گیا ہے تو آپ آئے ہیں۔
ہماری ردا میں چھن گئی ہیں تو آپ آئے ہیں۔ آپ کی مہوڑوں کا سہاگ اُجڑ گیا ہے تو آپ آئے ہیں۔

سکینہ یتیم ہو گئی ہے تو آپ آئے ہیں۔ اور پھر حضرت زینب کا حلق سوکھ کر کاٹا ہو گیا۔
 دوسری طرف سے آواز آئی۔ بیٹی ہم اُس وقت بھی آئے تھے۔ تمہاری امی بھی ساتھ تھیں
 اور تمہارے نانا بھی ساتھ تھے۔ ہم نے تمہارا پورا امتحان اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے
 تمہارے نانا حضور شہیدوں کے خون کو بوتل میں جمع کرتے رہے ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں
 سے اُرنے والی دھول سے تمہارے نانا کی زلفیں اٹ گئی تھیں۔ بیٹا ہم نے سب کچھ اپنی
 آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے بیٹے حسینؑ نے ویسا ہی امتحان دیا ہے۔ جیسا ان کے
 نانا حضورؐ کی خواہش تھی۔ بیٹی تم نے اپنا حق پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ تم سب نے مجھے
 اور بنتِ رسولؐ کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں مسخر کر دیا۔ تمہاری امی تمہاری قربانیوں سے
 پورے طور پر مطمئن ہیں۔ تیرا بھائی، بھتیجے اور اُن کے تمام ساتھی ہمارے پاس پہنچ
 چکے ہیں۔ وہ سب بھی خوش ہیں۔ اُن کا امتحان بہت سخت تھا وہ بہت تھکے ہوئے
 تھے، سخت پیاسے تھے اس لئے اب جنت میں آرام کر رہے ہیں۔ بیٹی ابھی تمہارے
 صبر کا امتحان باقی ہے۔ تم بنتِ رسولؐ کے دودھ کی اب بھی لالچ رکھو گی۔ صابر و شاکر
 بن کر رہنا میری بیٹی۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ خدا حافظ اور پھر آواز آنا
 بند ہو گئی۔ جناب زینب کے دل کو کافی اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ اور پھر باقی رات بھی
 گزر گئی۔

اسیران اہلبیت کو فریں

صبح ہوئی تو فرج یزدی نے اہل بیت مصطفیٰ کو با بند سلاسل کر لیا۔ عابد بیمار کو با وجود ان کی لقاہت و کمزوری اور شدت کے بخار کے زنجیریں پہنا دی گئیں۔ اسیران آل رسول حب شہیدوں کی لاشوں کے قریب سے گزرے تو فریاد و فغاں اور آہ و بکا کا وہ شور مٹا کہ زمین و آسمان لرز کر رہ گئے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے مدنیہ منورہ کی طرف رخ کر کے اس طرح فریاد کی کہ ٹسنے والوں کے سینے چاک ہو گئے۔ آپ اپنے نانا جان کو یوں صدا پر صدا دے رہی تھیں۔

یا محمد آلا یا رسول اللہ

یا رسول اللہ اپنے حسینؑ کو دیکھیں اس کا کیا حال ہو گیا ہے۔ نانا جان آپ کی پشت کا سوار ریگستان میں کٹا مچھٹا پڑا ہے۔ تیرا حسین خاک و خون میں لتھڑا پڑا ہے۔

آلا! یا رسول اللہ۔ سلام ہو یا محمد..... دیکھیں آپ کے حسین کا تمام بدن کھڑے

ٹکڑے ہو چکا ہے۔ تیری بیٹیاں قیدی بن چکی ہیں۔ ہوا ان پر مٹی پھینک رہی ہے۔

سانوں پتہ کی ویر دی لاش جس دم پھٹ کے تودی اے حسین تے کی ہندا

در دمنداں دے دلاں نوں بچھ جاکے چیم چیم برسن جے مین تے کی ہندا

پچھو عابد نوں اکھاں دے سامنے جے کڑیاں پچھو بھی نوں پین تے کی ہندا

پچھو زہرا نوں خنجر دی دھار تھلے جدوں تڑنے حسین تے کی ہندا

شمر اور عمرو سعد وغیرہ نے چند لوگوں کو اسیروں کے قافلہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔

خولی ملعون امام عالی مقام کا سیر اقدس نیزے پر چڑھا کر قافلہ کے آگے آگے جا رہا ہے۔

امام عالی مقام کا سیر انور حسین سے علیحدہ ہو کر بھی اپنی اہل بیت کو دیکھتا جا رہا ہے۔

کھلی والے دی سب آل کربل دے وچ لکھیاں ازلی تحریراں دے کم آگئی

مٹی کربل دی خاک شفا بن گئی جدتوں روشن ضمیراں دے کم آگئی

شام وے سی ٹریا جدوں قافلہ آگے آگے سی سیردا سر جا رہیا

اے بر وار قیدی نوں و ہندا رہا اوہی رکھی اسراں دے کم آگئی

راستے میں ایک شخص ملا جو سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب اُس نے یہ آیت پڑھی۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اُصْحَبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا

کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کے غار اور جنگل کے کنارے والے ہماری نشانیوں میں ایک عجیب نشانی تھے۔

سِرِّاقدس سے آواز آئی۔

یَا تٰلِی الْقُرْآنِ اَعْجَبُ مِنْ قِصَّةِ اُصْحَبِ الْكَهْفِ قِصْلٰی وَحَمَلٰی۔

اے قرآن پڑھنے والے مجھے قتل کرنا اور نیرے پر چڑھا کر مٹے پھرنا اصحاب کہف کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

منزل بہ منزل اسیرانِ مدنیہ کا قافلہ کوفے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آگے چل کر خولی

ملعون نے ساتھیوں کو قافلہ کے ساتھ چھوڑ کر اپنی سواری کو تیز کر لیا۔ وہ جلد از جلد سیرام کو ابنِ زیاد کے دربار میں پیش کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا تھا۔

خولی اجر کیا:۔ وہ جب کوفہ میں داخل ہوا تو اُس وقت رات ہو گئی تھی، اس

لئے وہ بجائے ابنِ زیاد کو ملنے کے اپنے گھر میں آگیا۔ سر مبارک اب اُس نے نیزے سے اتار

لیا تھا اور کپڑے میں باندھ رکھا تھا۔ اپنے گھر گیا تو اُس کی بیوی نے پوچھا کیا لائے ہو۔

بدبخت کہنے لگا میں نے بہت بُرا کام کیا ہے۔ میں جبین کا سر کاٹ کر لایا ہوں۔ جن کا حکومت

کی طرف سے اس قدر زیادہ انعام ملے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گی۔ اُس کی بیوی کا نام نوار تھا۔ جب

اُس نے سنا تو رونے لگی۔ وہ روتی بھی جا رہی تھی اور غصہ سے آگ بگولہ ہو کر خولی ملعون کو برا بھلا

بھی کہے جا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ خدا تجھے غارت کر دے تو نے جنت کے جوانوں کا سر کاٹا ہے

خدا تجھے آگ میں جلائے تو نے فاطمہ کے لال کا سر کاٹا ہے۔ تو ہمیشہ آگ میں جلتا رہے گا۔ تیرا

گھر برباد ہو جائے گا۔ خولی کا خیال تھا انعام کا اُس کو بیوی بہت خوش ہو گی۔ مگر خونِ جبین کا انتقام

شروع ہو چکا تھا۔ جس گھر کو آباد کرنے کے لئے خولی بدبخت نے وحشت و بربریت کی اتنا کر دی

وہ گھر برباد ہو رہا تھا۔ نیک بخت بی بی نے سِرِّاقدس کو پاکیزہ کپڑوں میں لپیٹا، خوشبو لگائی اور

سامنے رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ رات کا کافی حصہ روتی رہی تو اُس پر غم کا غلبہ طاری ہوا۔ پھر

ایک دم آنکھ کھل گئی تو گھر میں نور کی بارش ہو رہی ہے۔ ان انوار کی چادروں میں لپٹی ہوئی چار

عورتیں کھڑی ہیں جیسے جنت کی عورتیں اتر آئی ہیں۔ وہ سِرِّاقدس کو باری باری ہاتھوں میں لیکر کبھی

چومتی ہیں اور کبھی سینے سے لگاتی ہیں۔

خولی کی بیوی نے بقیاب ہو کر پوچھا حضرت آپ کون ہیں۔ اُن میں سے ایک بی بی نے جواب دیا۔ ”بیٹی تم نے ہمارے بیٹے کے سر اقدس سے پیار کیا ہے اس لئے تمہیں بتا دیتی ہیں کہ ہم کون ہیں۔ میں فاطمہ بنت رسول حسین کی ماں ہوں۔ اور یہ میری ماں جناب خدیجہ الکبریٰ ہیں۔ یہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں اور یہ جناب آسیہ ہیں۔“

اُس نیک بخت نے چاہا کہ آگے بڑھ کر اُن کے قدموں کو بوسہ دے۔ مگر وہ ارواحِ منورہ سر اقدس کو بوسے دیکر غائب ہو گئیں۔ نور اُسی طرح پھیلارہا اور خوشبوئیں اُسی طرح مہکتی رہیں۔ صبح ہوئی تو خولی کی بیوی نے بُرقعہ اڑھا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ خولی پیچھے دوڑا اور منت سماجت کی کہ یوں جیتے جی بچوں کو یتیم نہ کرو۔ مگر وہ واپس نہ آئی اور یہ کہتی ہوئی اور دوڑتی گئی کہ تیرے بچے امام حسینؑ کے بچوں سے اچھے نہیں ہیں خولی کی بیوی جا چکی تھی اور اُس کا گھر برباد ہو چکا تھا۔

شہیدِ اعظم کا سر ابن زیاد کے سامنے

پھر اُس نے امام عالی مقام کا سر اقدس طشت میں رکھا اور دربار ابن زیاد میں پیش کر دیا۔ ابن زیاد کے ہاتھوں میں چھڑی تھی۔ اُس نے وہ چھڑی جناب امام عالی مقام کے دانتوں پر مار کر کہا۔ میں نے نہ تو اس سے زیادہ خوبصورت چہرہ آج تک دیکھا ہے اور نہ ہی اس سے زیادہ اچھے کسی کے دانت دیکھے ہیں۔ جناب زید بن ارقم صحابی بھی وہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے کہا ابن زیاد ان دانتوں کو چھڑی نہ لگاؤ۔ میں نے رسول اللہ کو ان لبوں کو چومتے دیکھا ہے۔ اس جبین کو بوسے دیتے دیکھا ہے اور رسول اللہ کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ جنت میں وہی جاسکے گا جو میرے حسینؑ سے محبت کرے گا۔

ابن زیاد نے سنا تو چلا اُٹھا۔ غصہ میں آکر کہنے لگا بڈھے تو اگر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔

جناب زید بن ارقم یہ سن کر اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور جلتے ہوئے کہہ رہے تھے اے لوگو! تم غلام ہو۔ تم نے فاطمہ کے بیٹے کو قتل کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو حاکم بنایا۔ وہ نیکوں کو قتل کرتا اور شرمیروں کو غلام بناتا ہے۔ تم نے خود ذلت پسند کی ہے۔ خدا انہیں برباد کر دے

حقیقت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اب قافلہ اہل بیت بھی کوفہ میں پہنچ چکا ہے۔ کوفہ والوں نے خاندان نبوت کو اس طرح رستیوں میں جکڑا ہوا دیکھا تو فریاد و فغاں کرنے لگے۔ عورتیں مرد ہر طرف رو رو کر آہ و زاری کر رہے تھے اور ہائے وائے کے نعرے لگا رہے تھے۔

بنت علی کا خطبہ

کوفیوں کی آہ و زاری اور فریاد و فغاں سنی تو بنت علی غضبناک ہو گئیں۔ فصیح عرب کی فہمی اور بابا العلم کی بیٹی نے بڑا فصیح خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور کوفیوں کو چپ کر دیا۔ آپ نے فرمایا بد نصیب کوفیو! رو رو کر آہ و زاری کر کر کے سچے ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اہل بیت رسول کے خون سے دامن رنگنے والے تم خود ہو۔ حسین کا کنبہ شہید کرنے والے تم ہو۔ میرے بھائی پر تیر چلانے والے تم ہو۔ میرے بھائی کا گلا کاٹنے والے تم ہو۔ ہمیں قیدی بنا کر یہاں لانے والے تم ہو۔ جفا کارو! میرے بھائی کو خط لکھ کر بلانے والے تم ہو۔ بے وفاؤ! مسلم اور اس کے بچوں کو شہید کرنے والے تم ہو۔ اہل بیت رسول کو اس رسوائی کے ساتھ بازاروں میں پھرنے والے تم ہو۔ دولت کے لالچ میں یزید کے ہاتھوں فروخت ہو جانے والے یزیدو! اور ابن زیاد یو ہماری بریادی کا باعث تم ہو۔ تم بکاؤ مال ہو۔ تم دولت کی جھنکار میں برسر بازار فروخت ہو جاتے ہو۔ تمہیں یزید کی دولت نے خرید لیا اور تم نے یزیدی چہرے بن کر گلستان نبوت کو اُجھاڑ دیا۔ فاطمہ کا گھر ٹوٹ لیا۔ پردہ نشینوں کی روایتیں چھین لیں سناٹوں و رسول کا بازاروں میں جلوس نکال لیا۔ اب ہمیں رو کر کیا دکھاتے ہو۔ تمہارے یہ آنسو مگر مجھ کے آنسو ہیں ہم ان سے متاثر نہیں ہوں گے۔ اور یاد رکھو اب تمہارا رونا کبھی نہیں تمھے گا، اب تم روتے رہو گے۔ تمہیں اپنے بیک جانے پر رونا آئے گا۔ تمہیں اپنی بد نصیبی اور بدکرداری پر رونا آئے گا۔ تمہیں حسین پر نہیں اپنی کرتوتوں پر رونا آئے گا۔ مگر تمہارا یہ رونا عبث اور بیکار ہو گا۔ تم نے یزید اور ابن زیاد کو خوش کرنے کے لئے خدا و رسول کو ناراض کر لیا ہے۔ اب خدا و رسول تم پر کبھی خوش نہیں ہو سکتے۔ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے شمع مصطفائی کو گل کر لیا ہے۔ اب ہمیشہ اندھیروں میں بھٹکتے پھرو گے۔ کوفیوں نے سیدہ کی بیٹی کی یہ حقیقت افروز تقریر سنی تو ندامت سے سروں کو جھکا کر گھروں کو واپس ہو گئے۔ بعض کتابوں میں آپ کو خط لکھ کر انکار کیا گیا ہے۔

ہیں۔ آپ نے کوفیوں کو مخاطب کر کے فرمایا:-

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وآلہ

اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والے اور اپنے الفاظ بھول جانے والے کوفیو! تم رو رہے ہو۔ تمہاری مثال اُس عورت جیسی ہے جو پہلے سُوت تیار کرتی ہے پھر کپڑا بناتی ہے اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو تم میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کذاب، بدعہد، بے وفا، ڈینگیں مارنے والا اور دل کا کھوٹا نہ ہو۔ تم کومڑیوں کی طرح رکینہ در، رکینہ توز، خوشامدی، دوست نما دشمن، مکار، باطل نواز اور جھگڑاؤ ہو۔ یاد رکھو جو تم نے اپنی عاقبت کے لئے بھیجا ہے وہ بہت بُرا ہے۔ تم پر عنقریب خدا کے قہر و غضب کا عذاب نازل ہو ہیوا ہے۔

کذاب کوفیو! تم میرے بھائی پر گریہ اور نوحہ کر رہے ہو۔ واللہ تمہیں رونا ہی مناسب ہے۔ تم روؤ اور خوب گریہ کرو۔ تمہیں رونا ہی چاہیئے۔ تم نے بہت ہی بُری باتوں کی آرزو کی تھی۔ وہ آرزوئیں اب تمہارے دامن سے چٹ گئی ہیں۔ اور تمہارا رونا تمہارے دامن کو صاف نہیں کر سکے گا۔ تم نے نواسۂ رسول کو قتل کیا ہے۔ اُس کے خون کے داغ کیسے دھل سکیں گے۔ اُس کے قتل کا دھبہ کس طرح دھل سکے گا۔

کوفہ والو! تمہیں معلوم ہے کہ تم نے محمدؐ کے کس جگر گوشہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔ کون سے عہد کو توڑا ہے، محمدؐ کی کس بیٹی کی بے حرمتی کی ہے اور کس مقدس خون کو تم نے بہایا ہے۔ یہ تمہارا وہ مجرم ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تم سے وہ حادثہ سرزد ہوا ہے جو تمہیں عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اور پھر آخرت کا عذاب تمہیں ذلیل و خوار اور رسوا کر دیوا ہے اور ہاں ایسے لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کوئی طاقت خدا کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتی اور نہ ہی اُس کے انتقام کو کوئی روک سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ کوفیوں نے سنا تو ندامت سے گردنیں جھکا کر تتر بتر ہونا شروع ہو گئے۔

اہلبیت رسول ابن زیاد کے سامنے

اور پھر اسیرانِ کربلا کو ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا تو ظالم نے امام زین العابدین کو دیکھ کر کہا کہ اس کو کیوں چھوڑ دیا گیا ہے اسے بھی قتل کر دو۔ سیدہ کی بیٹی نے قتلِ سجاد کا سنا تو حبلال آگیا۔

جناب زینب نے فرمایا، ظالم! مجھ کا رسول کا آخری چراغ بھی گل کر دینا چاہتا ہے کیا تم نسلِ مصطفیٰ کو دنیا سے مٹا دینے پر تل چکے ہو۔

آؤ دل کی یہ حسرت بھی نکال لو۔ لاؤ تلواریں پہلے ہم سب کو قتل کر لو پھر اے بھی قتل کر لینا۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس بچے کو قتل نہ کرو تو اچھا ہے۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ عورت کون ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ زینب بنتِ بتول ہے۔ علی کی بیٹی اور حسین کی بہن ہے ابن زیاد نے کہا جی بھی اتنی سخت اور تیز ہے۔

حدل کی لعنت ہو ابن زیاد کی اس بے حیا زبان پر جس پر آلِ مصطفیٰ کی شان میں گستاخی کے لفظ آئے۔ جناب سجاد نے فرمایا۔ پھر بھی جان میں اس سے بات کو تاہوں اور پھر فرمایا کہ میں بیمار ہوں مگر علی کا پوتا ہوں حسین کا بیٹا ہوں۔ تو مجھے جلا دوں سے قتل نہیں کروا سکتا تجھے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ میں تیرے ہاتھ سے تلوار چھین کر تجھ پر وار کر دوں گا۔ ابن زیاد باوجود شقی القلب ہونے کے گھبرا گیا۔ اور پھر جناب زینب کو مخاطب کر کے بولا۔ تم قیدی بھی ہو اور تمہارا لباس بھی فیقروں جیسا ہے۔ تعریفِ اس خدا کی جس نے تم لوگوں کو رسوائی سے ہلاک اور ذلیل و خوار کیا اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا۔ ہزار حمدیں اور تعریفیں اس خدا کی جس نے میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کی عزت بخشی اور میں پاک کیا۔ تو غلط کہتا ہے۔ رسوائی اور ذلت و خواری فاسقوں کو ملتی ہے اور بٹہ فاجروں کے نام کو لگتا ہے۔ ہمارے حق میں تو آیتِ تطہیر نازل ہو چکی ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ کیا تو نے دیکھا نہیں خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

جناب زینب نے فرمایا۔ ان باتوں کا بیتہ خدا کے حضور میں پہنچ کر حد کا۔ میرے بھائی،

نے شہادت کے منصب پر فائز ہونا تھا وہ ہو گیا۔ تم لوگوں نے قاتل اہل بیت بن کر خدا کے سامنے ذلیل و خوار ہونا ہے سو تم تیار رہو۔ ابن زیاد غضبناک ہوا تو اس کے ایک ساتھی نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا کہ عورتوں کی بات کا غصہ کتنا مناسب نہیں۔

کچھ دیر بعد ابن زیاد پھر بولا۔ خدا نے تیرے باغی اور سرکش بھائی اور اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ جناب زینب نے سنا تو آپ بے اختیار ہو کر رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تو نے واقعی ہمارے سردار ہی کو قتل کیا ہے۔ ہمارے خاندان کو مٹایا ہے۔ ہماری شاخوں کو کاٹ دیا ہے۔ ہماری جڑ کو قطع کر دیا ہے اگر اس سے ہی تیرا دل ٹھنڈا ہونا تھا تو ہو گیا۔ شیطان ابن زیاد ہنسنے لگا اور ہنس کر کہنے لگا تو نے تو شاعری شروع کر دی۔ تیرا باپ بھی شاعر تھا مگر وہ تو بڑا بہادر اور شجاع تھا اور تم رو رہی ہو۔ آپ نے فرمایا، ظالم یہ تو میرے دل کی آگ ہے جو آنسو بن کر بھڑک اٹھی ہے

قیدی قافلہ

یزید پید کے دربار میں

ادھر پھر ابن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان سب کو اونٹوں پر اُسی طرح باندھ لو اور حسین کے سر کو بانس کے ساتھ باندھ کر پورے کوئٹہ میں پھرنے کے بعد دمشق کو روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آگے آگے یزیدی نواسہ رسول کا سراقد س لئے جا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے اسیرانِ بلا کا لٹا ہوا قافلہ جا رہا ہے۔

دنیا کو غموں سے بچانے والے خود سرا یا غم بن کر جا رہے ہیں۔ دنیا کو قید سے چھڑانے والے خود رستیوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ دنیا کو جہنم کی آگ سے بچانے والے اپنے دلوں میں غم و آلام کے بھرکتے ہوئے شعلے دبا کر جا رہے ہیں۔ دنیا کے نجات دہندہ خود گرفتارِ بلا ہیں۔ اہل بیتِ مصطفیٰ سارا گھر بار لٹوا کر خون کے آنسو روتی جا رہی ہے۔ محمد عربی کی بیٹیاں اونٹوں کی ننگی پشتوں پر رستیوں سے جکڑی ہوئی ہیں۔ کتنا سخت امتحان ہے محمد کے گھر والوں کا اور کتنی کڑی آزمائش ہے تاجدارِ کون و مکاں کی مقدس اہل بیت کی۔

اما ذین العابدین بالکل خاموش ہو چکے ہیں۔ بس مسلسل آنسو برساتے رہے ہیں۔ سب کے دل ٹوٹے ہوئے تھے ہیں۔ سب کی امیدیں منقطع ہو چکی ہیں۔ یزید کے نیک خوار سپاہی جب بھی کوئی پڑاؤ آتا ہے تو امام عالی مقام کے سیراقدم کو نیزے پر چڑھا کر پھراتے ہیں۔ ایسے بد بختوں پر خدا کی اور اُس کے فرشتوں کی لعنت ہو۔

ایک پڑاؤ پر ایک عیسائی راہب نے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے۔ یزیدیوں نے جواب دیا نواسہ رسول حسین کا۔

راہب نے کہا تم بہت بُرے لوگ ہو۔ کیا تم اس سر کو ایک رات کے لئے مجھے دے سکتے ہو۔ میں اس کے عوض میں تمہیں دس ہزار اشرفیاں دینے کو تیار ہوں۔ لالچی تو تھے ہی۔ لالچ دیا گیا۔ ٹکڑا پھینکا گیا تو دنیا کے کتوں نے فوراً قبول کر لیا اور سیراقدم راہب کے حوالے کر دیا۔ راہب نے سیراقدم کو لیکر پاک صاف رومالوں میں لپیٹا۔ عنبر بار زلفوں کو خوشبوؤں میں بسایا اور گود میں لے کر ساری رات روتا رہا صبح ہوئی تو دل کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔ محبت اہل بیت اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ جناب زین العابدین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور یزیدیوں کو دس ہزار اشرفیاں گن کر دیدیں باقی مال گر جا ہی رہا ہے دیا اور گر جا کر چھوڑ کر تمام عمر خدمت اہل بیت میں گزار دی۔

دوسرے پڑاؤ پر یزیدی اُن اشرفیوں کو تقسیم کرنے لگے تو وہ مٹی کی ٹھیکریاں بن چکی تھیں۔ اور ہر ٹھیکری کے ایک سمت لکھا تھا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۝

اور ہرگز اللہ کو ظالموں کے کاموں سے غافل نہ سمجھنا۔

اور دوسری طرف لکھا تھا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

جنہوں نے ظلم کیا ہے اب وہ جانے جاتے ہیں کہ کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں۔

قافلہ جب بحران پہنچا تو ایک یہودی بھٹی نامی غلام۔ اُس نے سیراقدم کو نیزے پر دیکھ

تو پوچھا یہ کس کا سر ہے۔ یزیدیوں نے کہا حسین ابن علی کا۔ اُس نے پوچھا کہاں سے لائے ہو۔ انہوں نے کہا کہ کربلا میں ایسے ایسے خاندان اہل بیت کو قتل کر کے اب اس

سرکوزید کے دربار میں پیش کریں گے۔ یحییٰ نے سنا تو مشتعل ہو گیا۔ اُس نے کہا تمہیں اس فخر سے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے شرم آنا چاہیے۔ تم انتہائی بے غیرت ہو۔ اسلام لاکر بھی تم نے آل رسول کو شہید کر دیا ہے تمہارا حشر انتہائی خوفناک ہوگا۔ یزیدی بھرک گئے۔ ایک نے تلوار نکال لی کہ اُسے قتل کر دے پھر اُس نے بھی تلوار نکال لی۔ سب یزید قتل ہو گیا پھر سب نے حملہ کر دیا۔ یحییٰ نے چار اور قتل کر دیئے اور پھر خود بھی قتل ہو گیا۔

خدا جانے فتوے کی رو سے اُسے مسلمان سمجھا جائے گا یا نہیں۔ البتہ روایتوں میں آتا ہے کہ اُس شہر کے دروازہ باب الحران پر اُس کا مزار مرجع خاص و عام ہے اور وہاں پر لوگوں کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ اور مزار بھی یحییٰ شہید کے نام سے مشہور ہے۔

پھر موصل شہر آیا تو چند یزیدی سپاہی حاکم شہر کے پاس گئے کہ ہم امیر کو فر کے بھیجے ہوئے امیر شام کے پاس جا رہے ہیں۔ ہم کربلا میں یہ عظیم معرکہ سر کر کے آئے ہیں۔ ہمیں رات یہاں بسر کرنا ہے۔ ہمارے لئے خورد و نوش اور رہائش کا انتظام کریں باقی لوگ پیچھے آ رہے ہیں۔ حاکم شہر نے سنا تو لرز کر رہ گیا۔ اور پھر اُس نے شہر کے برسر آردہ لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا ہم ان کٹیروں کو شہر میں نہیں آنے دیں گے چنانچہ شہر سے ایک فرسخ دُور انہوں نے رات گزاری۔ وہاں ایک پتھر پر سر حسین رکھا تھا۔ وہ پتھر سرخ ہو گیا جیسے اُسے خون میں ڈبو دیا گیا ہو۔ لوگ اُس پتھر کی زیارت کو دُور دُور سے آیا کرتے تھے اور پھر عبدالملک بن مروان نے اپنے دور اقتدار میں وہ پتھر وہاں سے اٹھوا لیا۔

بالآخر اسیرانِ بلا کا قافلہ بھی دمشق پہنچ گیا اور یزید کے آدمی امام عالی مقام کا سراقدس لیکر بھی یزید کے شیطانی دربار میں پہنچ گئے۔ یزید تختِ حکومت پر بڑی نخوت سے بیٹھا ہوا تھا کہ زحر بن قیس آگے بڑھا۔ یزید نے پوچھا کیا خبر ہے۔ اُس نے کہا سب ٹھیک ہے۔ حسینؑ اٹھارہ آدمی اہل بیت کے ادا ساٹھ کے قریب حمایتیوں کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ ہم نے اُسے اطاعتِ امیر پر مجبور کیا لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ پھر ہم نے اُنہیں صبح ہوتے ہی اس حالت میں قتل کر دیا کہ اُس کے سامنے آگے آگے مہلکتے پھرتے تھے اور پچھتے پھرتے تھے اُس کے تمام ساتھیوں کے سر کاٹ کر کوفہ لائے گئے ہیں اور اُن کی لاشیں چیلین اور گدھیں نوچ رہی ہوں گی۔ اور پھر اُس نے کپڑے سے کھول کر سیرام آگے رکھ دیا اور بتایا کہ

نہا غیوں کی عورتوں کو بھی رستیوں میں جکڑ کر ساتھ ہی لایا گیا ہے۔

یٰسَیِّدُ نے سیرام کو دیکھا تو اُس کا مکروہ پہرہ کھل گیا اور پھر اُس نے قیدیوں کو دربار میں حاضر کرنے کا حکم بھی دیدیا۔

یٰسَیِّدُ کے دربار میں یہودیوں کا ایک عالم بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ نواسہ رسول کا سر ہے تو اُس نے کہا کہ تم کیسے مسلمان ہو۔ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی سترہویں پشت سے ہوں۔ لیکن پھر بھی میری قوم میرا اس طرح احترام کرتی ہے جیسے میں ہی اُن کا پیغمبر ہوں مگر تم نے تو اپنے رسول کی بیٹی کے بیٹے کا سر قلم کر دیا ہے۔ بتاؤ تو سہی تم مسلمان کہلانے کے حقدار کیسے ہو۔ ایک عیسائی بیٹھا ہوا تھا اُس نے کہا مجھے ان کے اسلام پر حیرت ہوتی ہے۔ ہمارے گرجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھوڑے کا ایک سُم ہے جسے ہم نے خوشبوؤں سے معطر کر کے شیشے میں سجایا ہوا ہے اور ہزاروں عیسائی ہم وقت اُس کی زیارت کیلئے جمع رہتے ہیں۔

اُنہیں اُس پیغمبر کی اُمت کہلانے کا کیا حق ہے جنہوں نے اُس کے نواسے کو شہید کر دیا دیگر اراکین دربار بھی چہ میگوئیاں کرنے لگے تو یٰسَیِّدُ مصلحت وقت کے تحت خاموش ہو دیا۔

یٰسَیِّدُ کے سامنے امیران اہل بیت آئے تو اُس نے اما زین العابدین کو مخاطب کر کے کہا۔ لڑکے تیرا کیا نام ہے۔ آپ نے فرمایا عابد بن حسین۔ یٰسَیِّدُ نے کہا تیرے باپ نے میرا حق صلب کرنے کی کوشش کی، میرا رشتہ کاٹا، میری حکومت چھیننے کی کوشش کی۔ اس پر خُدا نے اُس سے جو سلوک کیا وہ تمہارے سامنے ہے۔

جناب سجاد نے بجائے کوئی جواب دینے کے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کرنا شروع کر دی۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی الْفُلِ کُمْ إِلَّا فِی کِتَابٍ مِّن قَبْلِ
أَن نَّبْرَآهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ یَسِیْرٌ لَّکِن لَّا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا فَاَنکُمْ وَلَا تَفْرَحُوا
بِمَا آتَاکُمْ وَاللَّهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ فَخْوَۃٍ (المحید آیت ۲۲)

کوئی ایسی مصیبت دنیا اور تمہاری جانوں پر نہیں آتی جو تمہاری پیدائش سے پہلے لکھی ہوئی نہ ہو۔ یہ بات بتادی گئی ہے کہ تم اُس چیز کا افسوس نہ کرو جو تم سے لے لی جائے اور اُس چیز پر فخر نہ کرو جو تمہیں دی جائے۔

یزید نے قرآنی جواب سنا تو اُسے بڑا ناگوار گذرا۔ اور شپٹا کر رہ گیا۔ امام عالی مقام کا سر اُس کے آگے رکھا ہوا تھا۔ جناب زینب اور جناب سکینہ نے گردنیں اوپر اٹھا کر مبارک کو دیکھا اور پھر جناب زینب نے فرمایا۔ اے حسین! اے رسولِ خدا کے پیارے نواسے! اے فرزندِ مکہ و منی، اے سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا کے بختِ جگر۔ اے دوشِ رسول کے سوار، آپ یہیں تک پہنچی تھیں کہ یزید نے پوچھا یہ کون ہے۔ جناب سجاد نے بتایا یہ میری ٹھوچی جناب زینب بنتِ علی ہیں۔

یزید نے کہا۔ کیا حسینؑ یہ نہ کہتا تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ اس کے باپ سے بہتر ہے۔

جناب زینب نے فرمایا ہاں میرے بھائی کا یہی فرمان تھا اور یہ بالکل درست ہے۔ اور میں بھی یہی کہتی ہوں کہ میرا بھائی اور میرا باپ تجھ سے اور تیرے باپ سے بہتر تھے۔ یزید نے کہا تیرا نانا میرے دادا سے اور تیری ماں میری ماں سے ضرور افضل ہیں مگر تیرا باپ میرے باپ سے بہتر نہیں ہے اُن کا فیصلہ خدا کرے گا۔

جناب زینب نے فرمایا خدا کے فیصلے سے پہلے دنیا کی آنکھیں بھی فیصلہ کر رہی ہیں۔ یزید نے اور بھی بڑھ چڑھ کر بہت سی باتیں کیں اور پھر اپنے بڑوں کا نام لے لیکر شرٹہ ہٹنے لگا جن کا مطلب یہ ہے :-

”کاشد آھ میرے خاندان کے وہ لوگ موجود ہوتے جنہیں جنگِ بدر میں قتل کیا گیا تھا۔ تو خوش ہو کر مجھے شاباش دیتے کہ تم نے نبیِ ہاشم کے بہت بڑے سردار کو قتل کر کے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا ہے۔ اور پھر چڑی امام عالی مقام کے بوند کو لگا کر کہنے لگا تو نے اسی منہ سے میری خلافت کا انکار کیا تھا۔“

جناب سیدہ زینب نے فرمایا یزید! حسینؑ تیری خلافت کو کیسے تسلیم کر لیتے جبکہ اب بھی تیری باتوں سے کفر کی محبت اور اسلام سے دشمنی کی بو آ رہی ہے۔ تو بدر کے کافر مقتولوں کا انتقام نواسہ رسول سے لینے کا اقرار کر رہا ہے۔ تیرے سینے میں حسدانی عداوت اور کینہ پروری کی آگ بھڑک رہی ہے جو تو نے میرے بے گناہ بھائی کو شہید کر کے ٹھنڈی کر لی ہے۔

تُو نے اولادِ عبدالمطلب کے ستاروں کی روشنی ختم کر کے پُرانی عداوت کا بدلہ لیا ہے اور پھر ٹھوں کو پکار رہا ہے

یاد رکھ: کہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ تُو بھی اُن کے پاس پہنچ جلتے گا۔ تُو نے اپنے بوڑھے مقتولوں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے خونِ حسین بہا کر اسلاف کے کفر کے ساتھ تقرب حاصل کر لیا ہے اور اس پر یہ جرأت کہ تُو اعلان بھی کر رہا ہے کیا تیرے دل میں ذرہ برابر بھی خوف نہیں۔ کیا تیرا حشر نشرت بھی ایمان اٹھ گیا ہے۔ کیا تُو خدا تعالیٰ کے مجلس سے اس قدر بے نیاز ہو گیا ہے۔

یاد رکھ: وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب تجھے اس ظلم و ستم کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ میرے بھائی کا خون تیرے محلوں کی دیواروں اور تختِ حکومت پر بجلی بن کر گرے گا۔ اور پھر تیرے لئے آگ ہی آگ ہوگی۔ مدرستہ العلم کی نو اسی اور باب العلم کی بیٹی کا خطبہ سنا تو تمام درباری سکتے میں آگئے۔

پھر ایک شامی حرامی اٹھا اور اُس نے جنابِ سکینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ امیر یہ لڑکی مجھے دے دو۔ جنابِ سکینہ حضرت سیدہ زینب سے چپٹ کر پیچھے بیٹھ گئیں تو جنابِ زینب نے پکار کر کہا۔ کیسے! تیری یہ جرأت کہ ناموسِ رسول پر آنکھ اٹھاتا ہے۔

بے شرم! اس کا حق نہ تجھے ہے اور نہ تیرے امیر کو۔ یزید نے سنا تو غصے سے جل گیا اور یوں بکواس کرنے لگا کہ تم جھوٹی ہو۔ مجھے اس کا حق حاصل ہے۔ میں اگر چاہوں تو ابھی ایسا کر سکتا ہوں۔

حضرت زینب نے فرمایا غلط کہتے ہو۔ تمہیں اس کا حق خدا نے ہرگز نہیں دیا کہ بناتِ رسول کو مالِ غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دو۔

اپنا یہ حق بنانے کے لئے تمہیں بے سرِ عام یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ تم مصلیٰ سے نکل گئے ہو۔ اور تم نے دینِ محمدی کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا ہے۔ تمہاری پہلی گفتگو سے تو کفر کی صاف بُرائی آتی ہے۔ اب یہ اعلان بھی کر سکتے ہو تو کر دو۔ یزید اور بھی غصے میں آگیا اور آگ بگولا ہو کر کہنے لگا۔ دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی بھی نکل چکا ہے۔

جنابِ زینب نے جواب دیا اللہ کا دین میرے نانا میرے باپ اور میرے

بھائی نے ہی تو دنیا کو دیا ہے۔

یزید چلایا۔ اے دشمن خدا تو جھوٹی ہے۔

جناب زینب نے فرمایا۔ ظالم تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم سے گالیاں بکتا ہے۔

اور جبر و تشدد سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور صدائے حق کو دباتا ہے۔

بنت علی کی حق و صداقت کی آواز نے تختِ یزید کو لرزاکر رکھ دیا۔ اُس نے شرمندہ ہو کر گردن جھکالی اور شامی حرامی کو غصے سے کہنے لگا دفع ہو جاؤ۔

یزید دربار میں جمع ہونے والے شہریوں کے چہروں کو بھی پڑھ رہا تھا اس لئے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ یزید نے بنت علی کی بے لاگ گفتگو سنی تو عوام سے بھی ڈرنے لگا یہی یزید کی شکست اور اُس کی موت تھی مگر تختِ حکومت کی رعوت کس طرح دینے دیتی۔ لوگوں کے ذہن بند کرنے کے لئے پھر بھی کہہ ہی دیا۔ میں تختِ حکومت کا مالک ہوں۔ اگر خدا تیرے بھائی سے خوش ہوتا تو یہ اس بے بسی کی موت نہ مرتا۔ خدا مجھ سے خوش ہے جس نے مجھے تختِ حکومت دے رکھا ہے۔ مجھے لاکھوں آدمیوں پر حاکم بنا رکھا ہے۔ خدا تیرے بھائی کے ساتھ ہوتا تو اُس کی ضرور مدد کرتا۔ خدا میرے ساتھ تھا۔ اُس نے تیرے بھائی کو بغاوت اور سرکشی کی سزا دیدی میں تخت پر بیٹھا ہوں اور تیرے بھائی کا کٹا ہوا سر میرے سامنے پڑا ہے۔ دربار میں کئی لوگوں نے اس کی نخوت و تکبر میں ڈوبی ہوئی گفتگو کا بُرا منایا اور دل سے بُرا منایا اور دل سے اُس کے ساتھ نفرت کا اظہار بھی کیا۔ یہی یزید کی حقیقی شکست تھی۔

ابھی یہ بات جاری ہی تھی کہ مسجد سے مؤذن کی آواز آئی اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الہ الا

اللہ۔ اور جب مؤذن نے اشہد ان محمد رسول اللہ۔ اشہد ان محمد

رسول اللہ کہا تو جناب زین العابدین نے فرمایا۔

یزید اب بتاؤ کس کی حکومت قائم ہے۔ شہر تمہارا ہے، تخت تمہارا ہے لیکن

نام میرے باپ کے نانا کا گونج رہا ہے کہ تیرے باپ کے نانا کا یا تیرے نانا کا یا کسی اور کے

نانا کا یا باپ کا۔

اب بتاؤ حقیقی حکومت تمہاری ہے یا ہماری۔ دربار میں ہجوم عام ہو چکا تھا۔ امام

زین العابدین کے ان الفاظ نے بڑا گہرا اثر کیا۔ مشغل لوگوں کی آواز آئی۔ حکومت حسین کے نانا کی

ہے۔ حسین زندہ ہے، حسین کے قاتل درندے ہیں، بے غیرت ہیں بے حیا ہیں۔
 غصہ میں آئے ہوئے عوام کے ہجوم پر بڑی مشکل سے قابو پایا گیا۔ یہی یزید کی شکست
 اور امام حسین کی فتح تھی۔ حسین جان دے کر زندہ ہو گئے تھے اور یزید حسین کی جان لیکر مردہ
 ہو گیا تھا۔ حسین کے قاتل مردہ ہو گئے تھے۔ روح اسلام آزاد ہو رہی تھی۔ مقصد حسین
 پورا ہو رہا تھا۔

پھر جناب زینب نے ارشاد فرمایا۔ یزید! تمہاری غیرت بالکل مر چکی ہے۔ تمہیں حیا
 ہوتی تو ناموس رسول کو اس طرح دربار میں طلب کر کے رسوا نہ کرتا۔ اے قنہ گر! کیا تیرا دل
 ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ہمارا سب کچھ ٹوٹ کر بھی تیری وحشت کو سکون نہیں ملا۔ گلستانِ فاطمہ
 کو اجاڑ کر بھی تیری زندگی کو صبر نہیں آیا۔ ظالم سن! میرے نانا تیرے نانا سے افضل ہیں۔ میرا
 باپ تیرے باپ سے افضل ہے۔ میری ماں تیری ماں سے افضل ہیں۔ اولادِ رسول اولادِ
 ابوسفیان سے افضل ہے۔ اولادِ خدیجہ اولادِ مہندہ سے افضل ہے۔ پھر تجھے یہ خیال
 کیوں نہ آیا کہ ابوسفیان کی بہو بیٹیاں تو پردے میں بیٹھیں اور محمد عربی کی بہو بیٹیاں اس طرح
 برسرِ عام تیرے دربار میں قیدی بن کر کھڑی ہوں۔

یزید عوام کی ذہنی حالت کا اندازہ کر چکا تھا۔ اور کہا کہ انہیں حرم سرا میں پہنچا دو۔
 ایک روایت میں ہے کہ قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ اور پھر صبح نعمان بن بشیر سابقہ گورنر کوفہ کے ہمراہ
 اس کٹے پٹے قافلہ کو امام عالی مقام کا سر اُور دیکر واپس کر دیا۔ اب یزید میں یہ ہمت نہیں تھی۔ کہ
 اسیروں کے ساتھ کوئی زیادتی کر سکتا۔ اس لئے کہ خونِ حسین نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا
 دمشق کے شہریوں کو قتلِ مظلوم کا احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے اس فعلِ قبیح اور مذموم حرکت سے
 نفرت کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ سرِ اقدس کے متعلق کئی روایات ہیں فیصلہ کن روایت شہید ابن شہید
 کے حصّہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔ ایک روایت ہے کہ قافلہ اہل بیت کو بلا کے راستے ہی مدینہ منورہ کو
 واپس آیا اور کربلا میں امام عالی مقام کا لاشہ اقدس تلاش کر کے اُس کے ساتھ ہی سر کو بھی دفن کر ڈالا
 ایک روایت میں ہے کہ یہ سر مدینہ منورہ میں لایا گیا تھا اور جناب فاطمہ الزہرا اور جناب حسن علیہ السلام
 کے درمیان دفن کیا گیا تھا۔

بہر حال یہ کٹا پٹا قافلہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا مدینہ منورہ کی حدود میں داخل
 ہو جاتا ہے۔

اسی طرح نالہ و شیون بھی جاری ہے اور سواریاں بھی آہستہ آہستہ چلی جا رہی ہیں چند قدم آگے بڑھے تو غم و آلام کا ایک نیا طوفان آنکھوں کے سامنے تھا۔ مدینہ منورہ کی چند عورتوں کے ساتھ جناب صغریٰ میلہ سا بڑھ چلا اور آگے بڑھتی ہیں اور اپنی اتنی کی سواری کے آگے لیٹ کر فریاد کرتی ہیں۔

اتنی جان! اب اپنی سواریاں میرے اوپر سے گزار دو۔ اتنی جان میرے جسم کو مسل دو۔ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دو مجھ اب زندہ نہیں رہنا، مجھے اب زندگی کی کوئی منزلت نہیں۔ پھوپھی جان! آپ بھی اپنی ناقہ کو میرے اوپر سے گزار دیں۔ پھوپھی جان! میری زندگی ختم کر دو۔ میرا جسم پاش پاش کر دو۔

سب کچھ لٹا کر آنے والو آپ کے پہلے بھی مجھ پر بڑے احسان ہیں ایک احسان یہ بھی کر دو۔ مجھے روتی ٹہکتی چھوڑ کر جانے والو! اب تو مجھے اکبر کے پاس بھیج دو۔ اب تو میرا اکبر مجھ کو ملا دو۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں مجھے میرے باپ کے پاس پہنچا دو۔ آپ علی اصغر کو جلد ملانے کا وعدہ کر گئے تھے یا میرا اصغر واپس کر دو یا مجھے اصغر کے پاس بھیج دو۔ میں نے اُس کے کپڑے سی کر رکھے ہوئے ہیں۔ اتنی جان میں نے اُسے کپڑے پہنا کر دیکھنے ہیں۔ میں نے اُس کے لئے کھلونے خریدے ہوئے ہیں میں اُس کی امانت اُسے پہنچانا چاہتی ہوں خدا کے لئے مجھے اصغر کے پاس بھیج دو۔ مجھے بھتیجا اکبر کی شادی میں جانا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو دواہا بنتے دیکھنا ہے۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ واپس آکر ساتھ رہ جائیں گے۔ وہ نہیں آ سکے تو میں خود ان کے پاس چلی جاؤں گی۔ ان کو جنت کا دواہا بننے کی جلدی تھی۔ وہ مجھے تو اپنا وعدہ بھول گئے۔ لیکن میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گی۔ میں ان کی شادی میں ضرور جاؤں گی بھتیجا کی شادی میں بہن موجود نہ ہو تو شادی کا کیا مزا ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں مجھے ان کے پاس جانے دو۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور پھر جناب صغریٰ پہ بیہوشی طاری ہو گئی۔ اب آپ خود اندازہ کریں کہ:-

یاد دیرال دی بچی معصوم تا یں مڑ مڑاں ستلے تے کی ہندا

لاکے خواب وچ اصغر نوں نال سینے مڑ کے اکھ کھل جاوے تے کی ہندا
 پچھو صغریٰ زون قائم ہے شام و توں خالی اون کچا وے تے کی ہندا
 سواریوں کو بیچے ہٹا کر بٹھا دیا گیا۔ بیہوش پچی کو موقع میں لٹا کر یہ غم میں ڈوبا ہوا قافلہ دربار رسول
 ﷺ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہو گیا۔

روضہ اقدس پر پہنچ کر جو حالت الم نصیبوں کی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ چیخ و پکار کی جگہ دبی دبی
 آہوں اور سسکیوں نے لے لی تھی۔ مواجہہ شریف کے سامنے سب نے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں اور مسلسل
 روتے جا رہے ہیں۔ کوئی کسی کو تسلی دینے والا نہیں سبھی اپنے اپنے غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ دربار
 مصطفیٰ پر حاضری دینے کے بعد یہ غم وہ قافلہ شہزادی رسول جناب سیدہ فاطمہ الزہراء صلوٰۃ اللہ علیہا
 کے مزار اقدس پر حاضر ہوا ہے۔ سب نے اپنے اپنے غم کی کہانی دربار بتوں میں پیش کی اور پھر روتے
 دھوتے سبھی لوگ دہن آ گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ اس ایک دن میں الیٰ مدنیہ پر جو غم طاری ہوا اس
 کا اثر ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ تک ایک ہی حالت میں رہا۔ ہر شخص غم میں ڈوبا ہوا اور کھوٹا سا نظر
 آتا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جناب زین العابدین نے اس واقعہ کے بعد پوری زندگی آشکھاری میں گزاری
 آپ کی آنکھوں سے ہمیشہ سُرخ آنسوؤں کی برسات ہوتی رہی۔

یہ درد کب مٹنے والا تھا، یہ زخم کب بھرنے والا تھا، یہ سوز کب جانے والا تھا غم حسینؑ
 کو تو زندگی کے آخری سانس تک ساتھ نبھانا تھا۔ یہ غم تو لامحدود وسعتوں کا حامل ہے۔ آج تیرہ
 صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ غم اُسی طرح اپنی اثر انگیزی دکھا رہا ہے جس طریقہ سے یہ ظہور میں آیا
 غم حسینؑ ہی تو غم حیات کا مداوا ہے۔ غم حسینؑ ہی تو گناہوں کا کفارہ اور جنت کی کلید ہے۔ امام
 عالی مقام کی یاد میں چند آنسو بہا دینا سالہا سال کی عبادت سے افضل ہیں۔

یہ حسینؑ تیرا ہی کام تھا صبحی لال اپنے کئے وندا
 تجھے ان ستاروں نے ڈوب کر شبِ غم کا چاند بنا دیا (نامعلوم)
 (علیہ شہر جناب قاری غلام رسول بی، اے)۔

سلاہ

اے زمین کربلا تیرے نصیبیاں نوں سلام
 تیرے تے تے ہوئے سبھناں جیبیاں نوں سلام
 جسد وچ زینبؑ آلاشاں نوں واجاں ماریاں
 اوس ابھرو دودھلدی شام غریباں نوں سلام

سب شہیداں عاشقاندے ہون دولھے نوں سلام
 عشق! تیرے اس انوکھے فارموسے نوں سلام
 تیر کھلکے جھنڈے وچ معصوم اکے بیڈیا
 نمون وچ بچھے ہوئے اصغرؑ جھوٹے نوں سلام

مصطفیٰؐ دے لائے اچھے دے پیار نوں سلام
 سیدہ خاتون جنت دے دلارے نوں سلام
 جان دیکے جس نے صائمؑ دین زندہ کر لیا
 تاریاں جتنے علیؑ دے اوس تارے نوں سلام

کربلا وچ رُلدیاں نازک سریراں نوں سلام
 شام وے جانڈیاں عربی اسیراں نوں سلام
 رات دن دیہندی سی صائمؑ راہ جو اکبر ویردا
 اوس ویراں وچھڑی صغریٰ دے ویراں نوں سلام

شہادت حسینؑ کے اثرات

قاتلان حسینؑ کا انجام

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ
نُصَفَ النَّهَارِ أَشَعَتْ أَغْلَبَ مَعَهُ
قَارُورَةٌ فِيهَا دَمٌ - فَقُلْتُ يَا بَنِي
وَأُرْقَى! يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذَا؟
قَالَ هَذَا دَمُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابِهِ ثُمَّ
أَذَلَّ التَّيْطَةَ مُنْذُ الْيَوْمِ قَالَ
عَمَّارٌ فَأَخْصَيْنَا ذَاكَ الْيَوْمَ!
فَوَجَدْنَا قَدْ قُتِلَ فِي ذَاكَ الْيَوْمِ -
رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ ۳۸ مَكْرَاهَةً ۶۲۸ ابْدَايَةَ النَّهْيَةِ ۲۸

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں کہ میں نے درپہر کے وقت خواب میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ
کے پاس خون سے بھری ہوئی شیشی ہے۔ میں
نے پوچھا یہ کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا یہ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں
کا خون ہے۔ میں اسے آج صبح سے جمع کر رہا ہوں
عمار کہتے ہیں ہم نے وہ دن یاد رکھا اور
یہ وہی دن نکلا جس دن حسینؑ علیہ السلام
شہید ہوئے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
فِي الْمَنَامِ وَعَلَى رَأْسِهِ وَحِجَّتِهِ التُّرَابُ
فَقُلْتُ مَا لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ
شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ أَيْضًا -

(ابدايہ و انتہایہ ۲۸)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ
کی زلفیں اور ڈاڑھی مبارک کے بال غبارِ آلودہ
ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیا حال ہے
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم
مقتل حسینؑ میں گئے تھے۔

امام عالی مقام کی شہادت نے سحر و ملائکہ اور انسانوں کے ساتھ ساتھ قومِ جنات کو جو

مُلا دیا۔ جن اور جنات فرما دیتی تھیں۔

جنات کے نوے

قال الامام احمد حدثنا عبد الرحمن بن مہدی حدثنا

ابن مسلم عن عمار قال سمعت ام سلمة - قالت! سمعت الجن تتوح
على الحسين - (البدایہ والنہایہ ۱/۲۸)

امام احمد بن حنبل عبد الرحمن بن مہدی ابن مسلم سے وہ عمار سے روایت کرتے ہیں کہ میں
نے حضرت ام سلمہ سے سنا کہ امام حسین کی شہادت پر جنوں نے نوحہ خوانی کی۔ وہ رو رہے تھے اور
پڑھ رہے تھے۔

ایہا القاتلون جہلاً حسینا البشر وبال عذاب والتکیل
کل اهل اسماء ویدعو علیکم ونبی و مرسل و قبیل

قد لعنتم علی لسان ابن داؤد

وموسی وصاحب الانجیل (البدایہ والنہایہ ۱/۲۸)

دوسری روایت ابو جناب کلبی وغیرہ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کہ بلا میں موجود تھے

اور ہم نے جنات کے یہ نوحے سنے۔

صح الرسول جبینہ فله بريق فی الخلود
ابواہ من علیا قریش جدہ خیر الجلود
خرجوبہ وفدا الیہ فہم له شرالوفود

قتلوا ابن بنت فیہم

(البدایہ ۱/۲۸)

سکنوا بہ ذات الخلود

تاریخ الخلفاء اور ماثبتہ بالستہ وغیرہ میں ہے کہ امام عالی مقام کی شہادت

کے بعد دنیا میں سات دن اندھیرا رہا۔ دھوپ دیواروں پر پڑتی تو انتہائی پھیکی اور

زرد رنگ کی ہوتی۔ کوفیوں کی فوج کے پاس زرد رنگ والی گھاس تھی وہ سب مٹی ہو گئی

بیت المقدس کے جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے خون ہوتا۔ ابن زیاد کے مکانوں

سے شورو مچا۔ آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے اور ہیریہ سرخی ہوئی گئی جو اب

بھی شفق کی صورت میں موجود ہے اور قیامت تک رہے گی۔

سورج گہنا گیا، سات روز تک لگاتار آسمان پر ستارے ٹوٹتے رہے۔

ایک شقی نے کربلا معلیٰ میں امام عالی مقام کی شان میں گستاخی کی تھی۔ ایک ستارا ٹوٹ کر آیا اور اُس کو اندھا کر گیا۔ عراقی فوج کے آدمی اپنے اڈنیوں کو ذبح کر کے گوشت پکاتے

تو وہ گوشت آگ کے انگارے بن جاتا۔ پھر بہت کر کے کھانے لگتے تو وہ کڑوا ہوتا

عمر لیشی کا بیان ہے کہ کوفہ کے جس قصر امارت میں ابن زیاد کے سامنے امام

عالی مقام کا سر رکھا ہوا تھا اُسی جگہ ابن زیاد کا کٹا ہوا سر مختار ثقفی کے آگے اُسی جگہ پر

مختار ثقفی کا سر مصعب بن نذیر کے آگے رکھا ہوا تھا۔ اور اُسی جگہ مصعب کا سر عبدالملک

کے سامنے پڑا تھا۔ جب عبدالملک کو معلوم ہوا کہ اس جگہ ایسے ہی ہر حاکم کا سر آتا ہے تو

اس نے قصر امارت کو چھوڑ دیا۔

ازدیہ کا بیان ہے کہ شہادت حسینؑ کے بعد جب ہم صبح کو اٹھتے تو تمام بدن

خون سے بھرے ہوتے۔ ابو سعید کہتے ہیں دنیا میں کہیں بھی کوئی پتھر اٹھایا جاتا اُس

کے نیچے تازہ خون پایا جاتا۔ آسمان سے بھی خون برسا۔ اور جس کپڑے پر بھی پڑا کپڑا

پھٹنے تک بھی سرخ رہا۔ خراسان، شام اور کوفہ کے ہر گھر میں خون ہی خون تھا۔ کوفہ

میں ایک شخص نے امام مظلوم کی شان میں گستاخی کی تو وہ فوراً جل گیا۔

امام مظلوم کے قاتل ایسی شدید قسم کی پیاس میں مبتلا ہو گئے کہ مشکوں کی مشکیں

پانی پی جانے پر بھی پیاس نہ بجھتی۔ چند لوگ ذکر کر رہے تھے کہ امام عالی مقام کے

کے مقابلہ میں جس جس نے بھی حصہ لیا وہ بُری طرح مبتلائے مصیبت ہوا۔ ایک شخص نے

کہا غلط ہے۔ میں بھی اُس جنگ میں موجود تھا اور مجھے کچھ نہیں ہوا۔ کبھی رات وہ چراغ

کی بتی درست کرنے لگا تو آگ نے اُس کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پھر آگ

آگ کو تباہ ہوا جہنم میں پہنچ گیا۔ اُس کا جسم لکڑی کے کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکا تھا۔

زہری کا بیان ہے کہ ان میں کوئی مارا گیا، کوئی اندھا ہو کر مرا، کسی کا منہ کالا ہو گیا،

کسی کی صورت مسخ ہو گئی۔

واقعی کہتے ہیں کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں ملے۔ آپ نے

اسے بتایا کہ اُس کی موت ہو گئی۔

آدمی ذبح کئے ہوئے آپ کے سامنے پڑے تھے۔ آپ نے مجھے غضبناک ہو کر فرمایا تو نے میرے بیٹے کے قاتلوں کی تعداد کیوں بڑھائی۔ اور پھر خون کی ایک سلاخی میری آنکھوں میں پھیری۔ جب میں بیدار ہوا تو اندھا ہو چکا تھا۔

سلطان ابن جندی کہتے ہیں جس شخص نے کوفہ سے شام جاتے ہوئے امام عالی مقام کا سراقدس کپڑے میں باندھ کر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اُس کا منہ انتہائی مکروہ اور کالا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ تو تو بڑا خوبصورت تھا تجھے کیا ہو گیا تو اُس نے بتایا کہ میں نے امام کے سر کو جس دن سے گھوڑے کے ساتھ لٹکایا ہے اُس دن سے مصیبت میں مبتلا ہوں۔ دو شخص رات کو آتے ہیں اور مجھ کو اٹھا کر بھڑکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں پھر اُس میں دھکا دے دیتے ہیں۔ میرا سر جھکتا ہے اور آگ پھرے کو جھلساتی رہتی ہے۔ پھر وہ بُری حالت میں اسی عذاب کے ساتھ مرا۔

امام الانبیا کا ارشاد ہے۔ مجھے جبریل نے بتایا ہے کہ حضرت یحییٰ کے قتل کے بدلہ میں ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے اور میرے نواسے کے قتل کے بدلہ میں دوبار ستر ہزار قتل ہوں گے اور پھر یہ فرمان رسول پورا ہو کر رہا۔ قاتلانِ حسینؑ پر قہرا ہوا اور غضبِ خداوندی ٹوٹ پڑا تھا اور وہ انتہائی خوفناک موت مر رہے تھے۔ ایک شخص کو خواب میں سرکارِ دو عالم ملے اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے غصے کی حالت میں اُس کی طرف اشارہ کر رکھا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ میں تو حسینؑ کے مقابلہ پر نہیں گیا تھا آپ نے فرمایا تو میرے بیٹے کے قتل پر خوش تو تھا۔

ہم یہاں مختصر طور پر یہ سب کچھ تحریر کر رہے ہیں۔ مکمل طور پر واقعات اور ان پر بحث دوسرے حصے میں پیش کی جائے گی تاکہ مزید کے خیر خواہوں کو تپہ چل جائے کہ خونِ حسینؑ کا انتقام کیا ہے۔ اور امام حسینؑ کی شہادت کا مقام کیا ہے۔ اب لگے ہاتھوں امام عالی مقام کے مقابلہ میں آنیوالے مشہور لوگوں کا انجام بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مندرجہ ذیل واقعات کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ امام عالی مقام کو خط لکھ کر منگوانے والوں میں ایک شخص مختار ثقفی تھا۔ یہ شخص انتہائی چالاک اور مکار آدمی تھا اور ابنِ سبا یہودی کے خاص چیلوں میں سے تھا۔ چند ایک خفیہ میٹنگوں کے بعد اس نے کچھ لوگوں کو سمو خیال بنالیا اور پھر ایک نعرہ مقرر کیا گیا کہ ہم خونِ حسینؑ کا انتقام لیں گے۔ اُس

نے لوگوں کو ایک تحریر دکھائی جو محمد بن حنیفہ برادرِ امام حسینؑ کے نام سے تھی کہ ہم تجھے اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ انتقام حسینؑ لیا جائے۔

جناب محمد بن حنیفہ کو جب اس تحریر کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا۔ اگرچہ ہم نے ایسی کوئی تحریر نہیں بھیجی تاہم اس کام کو درست سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی نواسہ رسولؐ کا انتقام لیتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہے۔ مختصر یہ کہ مختار ثقفی کی تحریک چلتی رہی اور زور بکڑتی گئی۔ کوفہ کے لوگ اب اپنی غلطی پر پچھتا رہے تھے اور تلافی کے طور پر اس تحریک کو مضبوط کرتے گئے۔ بالآخر ابن زیاد کی حکومت کا تختہ اکٹا دیا گیا اور قاتلوں نے ہی قاتلوں سے انتقام لینا شروع کر دیا اور خدا کے اُس حکم کی عملی تفسیر کر سامنے آ گئے جو قومِ موسیٰ کو بچھڑا پوسجنے کی سزا پر ہوا تھا۔

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ أَنْظَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ
فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ۔

(موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم! تم نے بچھڑانا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ۔ تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو)۔
بہر حال مختار ثقفی کا عہد آچکا ہے اور نامور قاتلانِ حسینؑ کا انتقام شروع ہو چکا ہے۔

شمر ملعون کا انجام شمر کو جب گرفتار کر کے مختار کے سامنے لایا گیا تو مختار کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ غضبناک ہو کر کھڑا ہو گیا اور شمر سے کہا۔ جس ہاتھ سے گردنِ حسینؑ پر خنجر بھرا تھا وہ اٹھا۔ شمر نے رد کر کہا کہ پیاسا ہوں پہلے حقوڑا سا پانی پلا تو مختار نے کہا بد بخت تُو نے اہل بیتِ مصطفیٰؐ پر پانی بند کیا تھا اور اب پانی مانگتا ہے۔ پھر پہلے نیزے مار مار کر اُس کا بند بند زخمی کیا اور پھر قتل کر کے لاش کتوں کے آگے پھینکوا دی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ پہاڑیوں میں چھپتا پھرتا تھا تو اُس کو نیزے مار مار کر ہلاک کیا تھا۔

حرمِ ملعون کا انجام حرمِ ملعون شخص تھا جس نے جناب علی اصغرؑ کے حلق پر تیر چلایا تھا۔ جب مختار ثقفی کے سامنے آیا تو اُس نے

اُس کی گردن کو تیروں میں پرو کر پھر اُس کے ہاتھ کٹوائے پھر پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور پھر آگ جلا کر اُس میں پھینک دیا۔ یہ ہے خونِ علی اصغر کا انتقام۔

خولی بن یزید اس شیطان کو جب دوبار مختار میں پیش کیا گیا تو اُس نے کہا یہی وہ مردود ہے جس نے میرے شہید کو نیزے پر چڑھایا تھا۔ یہ کہہ کر اُس نے پہلے داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور پھر بائیں ہاتھ کٹوا دیا پھر دونوں پاؤں کاٹ کر اُس کا دھڑ اسی طرح باہر پھینک دیا۔

مالک بن بشیر یہ بھی امامِ عالی مقام پر تیر برس آنے والوں میں پیش پیش تھا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا اور اسی طرح تڑپتا ہوا واصلِ جہنم ہو گیا۔

سنان بن انس اس شقی القلب نے امامِ عالی مقام کے سینے کے آہ پار نیزہ بھی کیا تھا اور آپ کے سر کو بھی کاٹا تھا۔ یہ لگے لگے بھاگتا اور پناہ گاہیں تلاش کرتا پھرتا تھا اور مختار کی فوج اس کے پیچھے چڑھی ہوئی تھی یہ پہلے بصرہ گیا وہاں سے قادسیہ اور پھر قادسیہ اور غدیہ المجانات کے درمیان گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی پہلے انگلیاں کاٹی گئیں پھر ہاتھ کٹے پھر پاؤں کی انگلیاں کاٹی گئیں اور پھر پاؤں کاٹے گئے۔ پھر اُس کے کان چیر دیئے گئے پھر خنجر پھیر کر آنکھیں نکالی گئیں اور روغنِ زیتون کی دیگ آگ پر جڑھا کر اُس میں زندہ ڈال دیا گیا۔

حکم بن طفیل اس ملعون نے حضرت امام حسینؑ کا لباس اتار رکھا۔ اور جنابِ عباسؑ کے علمدار پر بازو قلم مہنے کے بعد تیر چٹا یا تھا اس کو مختار کے فوجی افسر عبداللہ بن کامل نے گرفتار کیا اور پھر اس پر تیر چٹا کر واصلِ جہنم کر دیا۔

ابن زیاد ملعون یہ مردود بھی چھپا ہوا تھا۔ جب مختار کے لشکر نے گھیراؤ کیا تو مقابلہ کرتا رہا۔ آخر گرفتار ہو کر

اُسی دارالامارت کے سامنے لایا گیا جہاں بیٹھ کر اہلبیت کے ساتھ ظلم کرنے کے احکام جاری کرتا تھا۔ اُس کو گرفتار کر کے کس کر مشکیں باندھی گئی تھیں اور مسابہا اُس کے منہ پر طمانخے مار مار کر لارے سے تھکے۔

جب مختار کے سامنے آیا تو اُس نے پہلے اُس کے جسم کی ایک ایک بوٹی کاٹنے کا حکم دیا۔ جب اُس کا ایک ایک عضو کاٹ گیا تو پھر اُس کی لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے پھر اُس کا سر کاٹ کر رکھ لیا گیا اور لاش کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ اُس کا سرا بھی لوگوں کے سامنے ہی پڑا ہوا تھا کہ ایک سانپ آیا اور اُس کے ایک نتھنے میں گھس کر دوسرے نتھنے سے باہر آ گیا۔ اُس سانپ نے ایسا کئی بار کیا اور پھر غائب ہو گیا۔

یہ تھا خونِ حسین کا انتقام۔ ہر شخص اپنے اپنے ظلم کی سزا ٹھگتا رہا تھا لیکن انتقامِ آخرت ابھی باقی ہے۔ جیسے روزِ ابنِ زبیر کو اپنی کرتوتوں کا بدلہ دینا پڑا اُس روز بھی یومِ عاشورہ تھا۔ ۱۰ محرم ستئم کا واقعہ ہے۔

اس کے ساتھ زید نے وعدہ کیا تھا کہ جب تم میرے راستے سے حسین ابن علیؑ کا کانٹا ہٹا دو گے تو میں تمہیں خراسان کا حاکم بنا دوں گا۔ لیکن نہ تو وہ وعدہ ہی پورا ہوا اور نہ ہی کوثر و بھر کی گورنری باقی رہی۔ بالآخر کتوں کی موت مرا۔ اور قیامت ابھی باقی ہے۔ درجہ عبرت ہے اہلِ نظر کے لئے

یزید کا آخری کارنامہ

اٹھنا اُس کا انجام

حجاز مقدس میں امام حسینؑ کی شہادت کا بے حد گہرا اثر ہوا۔ اور لوگوں نے یزید سے متنفر ہونا شروع کر دیا۔

خونِ حسینؑ پوری رعنائی اور دلآویزی کے ساتھ اپنے اثرات مرتب کر رہا ہے۔ جن لوگوں کو دھوکے سے بیعتِ یزید قبول کر دائی تھی وہ بھی اور جنہوں نے دھوکے سے کر لی تھی وہ بھی اب بیعتِ یزید کو توڑ کر جناب عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے تھے۔ یزید کے جاسوسوں نے جب اسے حرین شریفین میں بسنے والوں کے بیعت توڑنے کے متعلق اطلاع دی تو وہ بہت نشہا گیا اور پھر اُس نے عاملِ مدینہ ولید کو معزول کر کے اُس کی جگہ محمد بن عثمان کو مدینہ کا گورنر بنا دیا۔ مگر لوگ بدستور یزید سے اظہارِ نفرت کرتے رہے یزید تو دہشت گرد تھا جو پہلے تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ امام عالی مقام اُس کے فسق و فجور اور حدودِ اسلامیہ کو توڑنے کے متعلق پہلے ہی جانتے تھے۔ اور ان لوگوں کو اب معلوم ہوا۔ اہل مدینہ تھے کئی لوگ دمشق جا کر اُس کی عیاشی و فحاشی کے کرتوتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے تھے۔

جب سے عثمان بن محمد گورنر بن کر آیا تو اُس نے مدینہ کے بزرگ لوگوں کو بلا کر سمجھایا کہ یزید کے متعلق آپ تک غلط افواہیں پہنچی ہیں۔ اس لئے آپ لوگ اُس کی بیعت کو نہ توڑیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام کی زندگیوں کے نمونے دیکھے ہوئے تھے۔ آسانی سے کیسے مان جاتے۔ تاہم اُنہوں نے وعدہ کو لیا کہ ہم خود جا کر تصدیق کرتے ہیں۔ اگر یزید حد و شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہو تو نہ پایا گیا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ ان بزرگ ہستیوں کا وفد دمشق کو روانہ ہو گیا۔ گورنر نے اپنے آدمی پہلے ہی روانہ کر دیئے تاکہ یزید کو اس وفد کی آمد کی اطلاع پہلے ہو جائے اور وہ ان کے سامنے اپنی حرکات سے باز رہے۔

یزید اپنی حرکات کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ جو قہیات اُس کی گھٹی میں پڑ چکی تھیں اُن سے کیسے بچتا۔
 ہاں البتہ اُس نے اتنا ضرور کیا کہ اس وفد کی دل کھول کر شاہانہ ٹھاٹھ سے خدمت کی اور کافی
 تحائف اور انعامات دے کر اُنہیں واپس کر دیا۔ وہ اُنہیں کوئی اور شامی لوگ سمجھاتا تھا۔
 جن کو خزانوں کے منہ کھول کر جب چاہے خرید جاسکتا تھا۔ اور یہی اُس کی غلطی تھی۔ وہ
 مدینۃ الرسول کا وفد تھا اور یہ وہ لوگ تھے جن کے سامنے صحابہ کرام کی مقدس زندگی کی
 تصویر تھی۔ یہ لوگ مدینہ منورہ میں پہنچے تو اُنہوں نے صاف طور پر عوام الناس کو بتا دیا کہ معاویہ
 کا بیٹا فاسق و فاجر اور تارک نماز ہے۔ کتوں اور بندوں کا شکاری اور لہو و لعب کا رسیا ہے
 شراب کھلے بندوں پیتا ہے۔ محرمات کو جائز سمجھتا ہے اور اُس کے زانی ہونے کے متعلق بھی
 ہمیں لوگوں نے بتایا۔ وہ شریعت کے قوانین کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا اور اپنی من مانی کرتا ہے۔
 اُس کا فسق و فجور اس قدر ظاہر ہے کہ اسکی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

مدینہ منورہ کے لوگوں نے سنا تو اُنہوں نے ایک دم اُس کی بیعت توڑ کر عبداللہ
 بن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور پھر عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ کے عادل بن گئے۔

یزید کے لئے حجازیوں کی مخالفت سوہان روح بن گئی۔ اب وہ ابن زیار کو بھی
 اس کام پر مامور نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ امام حسینؑ کے قتل کے عوض میں اُسے خراسان کی حکومت
 دینے کا وعدہ کر کے یزید نے انحراف کر لیا تھا اور اُس کے بجائے اسلم کو وہاں کا
 گورنر بنا دیا تھا۔ ابن زیاد بد نہاد کو حکومت کس طرح مل سکتی تھی یہ تو قدرت کا انتقام تھا
 بہر حال اب ابن زیاد بھی یزید سے متنفر ہو چکا تھا اور اُس کے کسی بھی دوسرے کام کو کرنے
 کے لئے تیار نہیں تھا۔ اب یزید نے بڑی سوچ بچار کے بعد مسلم بن عقبہ کو لشکر جرار دیکر مدینہ
 منورہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا۔ مسلم بن عقبہ جسے مسرف بن عقبہ کے نام سے یار
 کیا جاتا ہے کو یزید نے جو حکم زیادہ معتبر روایتوں کے مطابق یہ تھا کہ:-

مدینہ کے لوگوں سے ہرگز ہرگز کسی نہی کا سلوک نہ کیا جائے اُن لوگوں کے قلم کر دینا
 تمہیں اُن لوگوں پر فتح حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی کارروائی کی اجازت ہے۔

چنانچہ خبیث دمزد مسرف بن عقبہ نے مدینۃ الرسول پر فوج کشی کر دی غیبی ملائکہ
 حضرت حنظلہ کے صاحبزادے مدینہ کے لوگوں کو ساتھ لیکر مقابلہ میں آئے مگر یزید کی فوج
 بہت زیادہ تھی۔ بڑے بڑے مقتدر اور زہی وفار لوگ شہر کر دئے گئے اور بالآخر

فوجِ یزید مدینہ منورہ پر قابض ہو گئی۔ اور پھر مدنیہ پاک کی جو بے حرمتی فوجِ یزید نے کی وہ حدِ بیان سے باہر ہے۔ انہوں نے مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے، محمد عربی کے منبر شریف کو غلاط سے آلودہ کیا۔ خدا کی مار ہو ان لوگوں پر۔ جنت کی کیا ریوں میں ان کے گھوڑے لید اور پشیاب کر رہے تھے اور وہ وحشت و بے بریت کی انتہا کرتے ہوئے مدینۃ الرسول کی بہت بیٹیوں کی عصمت ٹوٹ رہے تھے۔ تارِ بخوں میں آٹکے کہ انہوں نے ایک ہزار سے بھی زیادہ پاکبازوں کی عصمت دری کی۔ حجرۃ الرسول کے باہر ستر ہزار ملائکہ ایک طرف درود و سلام کے ہدیے پیش کر رہے تھے اور دوسری طرف یزید کے بد معاشر ذلالت و رذالت کی انتہا کر رہے تھے۔ یہ تھا یزید کا دوسرا کارنامہ۔ لعنت ہو خدا کی ایسی فوج جس نے دے پر اور ایسی فوج پر۔

مدینہ منورہ کی بے حرمتی کرنے کے بعد لشکرِ یزید نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی۔ مسرف بن عقبہ ملعون راستے ہی میں مر گیا اور یزید کے حکم کے مطابق اُس کی جگہ ایک دوسرے ملعون نے لی اور پھر مکہ معظمہ میں جا کر انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور جگہ جگہ آگ لگا دی۔ منجنيقوں میں رکھ رکھ کر کعبہ معلّٰی پر پتھر برسائے اور کعبے پر آگ بھینکی جس سے غلافِ کعبہ جلنے لگا۔ علیٰ ہذا القیاس ظلم و ستم کی کوئی حد ایسی نہیں جو لشکرِ یزید نے نہ توڑی ہو۔ اور یہ سب کچھ حکمِ یزید سے ہوا تھا۔ کہ بلائے معلّٰی کے واقعہ میں یزید کو موت ہونے سے بچنے دے اس ظلم کا کیا جواز پیش کریں گے۔

مدینہ منورہ میں جو قیامت بپا ہوئی اس کو چھوڑ دو صرف یہ بتا دو کہ مدینہ منورہ پر فوج کشی کی اجازت اسلام دیتا ہے یا نہیں۔ مدینہ والوں کو خونزدہ کرنے والوں کے لئے قرآن کی کیا تعزیر ہے۔ خواہ مخواہ ایک مردود و ملعون اور راندہ درگاہ کی حمایت کرنے سے سوائے ذلالت و رذالت اور آتشِ جہنم کے اور کیا حاصل ہوگا۔

ادھر غلافِ کعبہ جل رہا تھا اور ادھر یزید دم توڑ رہا تھا۔ اُس کی حکومت کو تین سال اور آٹھ ماہ ہو چکے تھے۔ اُس نے اپنی عیاشی فحاشی کے علاوہ ان تین سالوں میں یہ تین عظیم کارنامے سرانجام دے لئے تھے۔ نواسۃ رسول اور اُس کی اہل بیت کو شہید کر دیا۔ شہرِ رسول کو لوٹا اور اُس کی بے حرمتی کی۔ مولدِ رسول میں آگ لگائی اور کعبہ کے غلاف کو جلایا اور اب وہ جس میں قورنچ کے شہر تیراں درود سے تڑپ رہا ہے۔

بیکار ثابت ہو رہی ہیں۔ دردِ تین دن سے اٹھ رہا ہے اور مسلسل بڑھتا جاتا ہے۔ اور آخر اسی عذابِ الیم میں گرفتار ہو کر جہنم میں داخل ہو گیا۔ لعنة الله عليه و الصارۃ و اعوانہ بنو عباس کی حکومت آئی تو انہوں نے اُس کی ہڈیاں جلائے کئے اُس کی قبر کھودی تو وہ پہلے ہی جلی ہوئی اور سیاہ تھیں۔ اُس کی قبر پر لوگ پتھر پھینکا کرتے تھے اور باب الصغیر مشرق میں جہاں اُس کی قبر تھی اب وہاں ایک شیشے کا کارخانہ ہے اور ٹھیک اُسی جگہ پر شیشہ گلنے والی بھٹی بنی ہوئی ہے۔ ملعون کو دونوں طرف سے آگ نے گھیر رکھا ہے۔ اور اُس کی نرا بکسی یہی تھی۔

جتنے جتنے یزید دی ٹیک لگی رہنا ہیں اوس ستون چوں سیک اوند
جاکے دیکھ لوؤ آج دی رشتہ اندر آج دی قبر ملعون چوں سیک اوند (مناجستہ)

شہیدانِ اہل بیت و بنی ہاشم

سید الشہداء حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 شہید رسولؑ حضرت علیؑ اکبرؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 ننھا شہید حضرت علیؑ اصغرؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 حضرت جناب ابوبکرؑ ابن امام حسنؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 حضرت جناب عبد بن حسنؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 حضرت جناب قاسم بن حسنؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 علمدار حسینؑ حضرت عباسؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 برادر عباسؑ حضرت عبداللہؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 برادر عباسؑ حضرت عثمانؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 برادر عباسؑ حضرت محمدؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ
 برادر عباسؑ حضرت ابوبکرؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ

نائب حسینؑ حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت محمدؑ ابن مسلمؑ ابن عقیلؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت ابراہیمؑ ابن مسلمؑ ابن عقیلؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت عبداللہؑ ابن مسلمؑ ابن عقیلؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت محمدؑ ابن ابوسعیدؑ ابن عقیلؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت جناب عبداللہؑ ابن عقیلؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت جناب عبدالرحمنؑ ابن عقیلؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت جناب جعفرؑ ابن عقیلؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت عونؑ بن عبداللہؑ ابن جعفر طیارؑ ابن ابوطالبؑ

حضرت محمدؑ بن عبداللہؑ ابن جعفر طیارؑ ابن ابوطالبؑ

نوٹ ۱۔ جن اسماء پر خط کشیدہ کئے ہیں یہ تینوں حضرات اس خون میں معرکہ کے پہلے
 شہید ہیں جو کربلا کے بجائے کوثر میں شہید ہوئے۔

کربلا سے واپس آنیوالے

تصویر قبول سیدہ زینب بنت علی ابن ابوطالب
حضرت جناب رباب زوجہ حسین ابن علی ابن ابوطالب
حضرت جناب اُمّ لیلیٰ زوجہ حسین ابن علی ابن ابوطالب
حضرت جناب سلینہ بنت حسین ابن علی ابن ابوطالب
جناب اُمّ البنین والدہ عباس زوجہ علی ابن ابوطالب
حضرت جناب زین العابدین ابن حسین ابن علی ابن ابوطالب
حضرت جناب دُخترِ مسلم ابن عقیل ابن ابوطالب

نوٹ :- بنی ہاشم کی چند بیبیاں اور بھی تھیں جن کے نام نہیں مل سکے۔

کربلا کے چند دوسرے شہید

حضرت جناب عبداللہ ابن عمر
حضرت جناب زبیر ابن القین
حضرت جناب رباح ابن رباح
حضرت جناب حبیب ابن مظاہر
حضرت جناب مسلم ابن عوشجہ
حضرت جناب اُمّ وہب زوجہ عبداللہ
حضرت جناب بکر بن حمزہ بن حذیر
حضرت جناب عمر بن قرظہ انصاری
حضرت جناب نافع بن ہلال مروی
حضرت جناب ابو شامہ صمادی
حضرت جناب حنفی رضی اللہ عنہ
حضرت جناب عبداللہ ابن عروہ
حضرت جناب عبدالرحمن ابن عروہ
حضرت جناب سیف ابن حارث
حضرت جناب مالک ابن عبد
حضرت جناب حنظلہ ابن سعد
حضرت جناب شذوب ابن شاوہ
حضرت جناب عابس انصاری
حضرت جناب عمرو بن خالد
حضرت جناب سعد مولیٰ
حضرت جناب حیار ابن حارث
حضرت جناب مجتبیٰ بن عبید اللہ
حضرت جناب ابی زیاد کنذی
حضرت جناب عبداللہ اسمعیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین

نوٹ :- دیگر شہداء کرام کے اسمائے گرامی انشاء اللہ الخزانہ شہداء شہداء کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۷۰	پیشگوئی نمبر ۷	۳	انتساب
۷۰	نمبر ۸	"	نذر
۷۱	نمبر ۹	۴	نقشِ اول
۷۱	نمبر ۱۰	۸	شانِ اہل بیتِ مصطفیٰ
۷۲	نمبر ۱۱	۳۹	بحرِ نبوت کے دو موتی
۷۲	نمبر ۱۲	۴۰	کون خاتونِ قیامت؟
۷۳	نمبر ۱۳	۴۳	پہلا پھول کھلتا ہے
۷۳	مقصدِ حسین	۴۵	دوسرا پھول کھلتا ہے
۸۰	یزیدِ پلید کا مقصد	۴۶	سیرتِ حسین کا خاکہ
۹۰	قرآن اور حسین	۴۷	سائلِ نوازی
۱۰۰	عقل و عشق	۴۷	شاعرِ نوازی
۱۰۸	شہادتِ حسین کا پس منظر	۴۷	گلہ ستہ کی قیمت
۱۱۲	اہلِ مدینہ کی معروفیات	۴۷	غلطی کا بدلہ
۱۱۳	حسینؑ، ماں کے مزار پر	۴۷	خلقہ القسراں
۱۱۸	حسینؑ، نانا کے مزار پر	۴۷	حسنِ عبادت
۱۲۵	اہلبیت کی تیاری قیامتِ صغریٰ	۴۸	لاجوابی کا انعام
۱۳۵	رباعی	۴۹	فضائلِ حسینؑ مقامِ حسینؑ
۱۳۷	مدینہ چھوٹ جاتا ہے	۴۷	شہادتِ حسینؑ کی پیشگوئیاں
۱۳۱	حسینؑ مکہ معظمہ میں	۶۰	پیشگوئی نمبر ۱
۱۳۲	کوفہ والوں کے خطوط	۶۸	نمبر ۲
۱۳۴	امام مسلمؑ کی کوفہ روانگی	۶۸	نمبر ۳
۱۳۶	حضرت مسلمؑ کوفہ میں	۶۹	نمبر ۴
	حضرت مسلمؑ کا خط امامِ عالی مقام	۶۹	نمبر ۵
۱۳۷	کے نام	۷۰	نمبر ۶

۲۰۴	آغاز سفر	۱۴۸	یزید کے جاسوس
۲۰۵	راستوں کی ناکہ بندی	۱۴۹	یزید کا خط ابن زیاد کے نام
۲۰۶	زہیر بن قین کی ملاقات	۱۵۰	اب دیکھیے کیا ہوتا ہے؟
۲۰۸	قاصد حسنین کوفہ میں	۱۵۱	نقاب پوش شیطان
۲۱۰	کوفہ کی خبریں آجاتی ہیں	۱۵۲	نعمان کی معزولی
۲۱۱	مسلم کی بیٹی	۱۵۳	کوفیوں کا کردار
۲۱۳	حسین سے ملاقات	۱۵۵	امام مسلم کی پریشانی
۲۱۷	طراح بن عسری	۱۵۷	حضرت ہانی کو بلاوا
۲۱۹	ارض کر بلا	۱۵۸	عارضی جوش
۲۲۱	جانی پہچانی منزل	۱۶۰	مسلم ہانی کا گھر چھوڑ دیتے ہیں
۲۲۲	عمرو بن سعد	۱۶۲	حضرت مسلم کی شہادت
۲۲۳	بالمشافہ گفتگو	۱۶۶	ہاشمی تلوار چلتی ہے
۲۲۸	محرم کی نویں تاریخ	۱۶۸	ابن زیاد کے سامنے
۲۲۹	محرم کی دسویں تاریخ	۱۷۱	دو ننھے مسافر
۲۳۱	ساتھیوں نے خطاب	۱۷۳	اب کدھر جاؤں؟
۲۳۲	امام کے ساتھیوں کی التجاء	۱۷۸	شکور کی شہادت
۲۳۵	امام ادر حضرت زینبؑ	۱۸۰	جیشہ کنیز کا آنا
۲۳۸	ازواج طاہرات سے ملاقات	۱۸۶	یتیم بچے ذبح ہوتے ہیں
۲۳۵	ازواج کا غم میں ڈوبا جواب	۱۸۷	ایک واقعہ
۲۳۰	امام الانبیاء کی تشریف آوری	۱۸۷	جنت کا خواب
۲۴۲	میکدان قیامت	۱۹۲	ظلم کی سزا
۲۴۴	یزیدی فوج اور حسینی لشکر	۱۹۳	مکہ مکرمہ سے روانگی
۲۴۹	جہنمی جہنم میں	۱۹۹	احباب کی آمد
۲۵۰	خطبہ امام ، امتام حجت	۲۰۲	عبداللہ بن جعفر کا خط

۲۲۵	اسیرانِ اہلبیت کوفہ میں	۲۵۲	حق و باطل کی جنگ شروع
۲۲۶	خولی اُجڑ گیا	۲۵۳	حُرّ حِمْیَر کے قدموں میں
۲۲۷	شہیدِ اعظم کا سر ابنِ زیاد کے سامنے	۲۵۶	شبیرؓ کے سپاہی
۲۲۸	بنتِ عسلٰیؓ کا خطبہ	۲۵۷	حُسنیٰ نیرے۔ جابری لڑکے
۲۲۹	اہلبیتِ رسول ابنِ زیاد کے سامنے	۲۵۸	حضرت حنظلہ کی شہادت
۲۳۰	قیدی قافلہِ یزید کے دربار میں	۲۵۸	اور سخت حملہ
۲۳۱	گناہگار قافلہ دربارِ رسولؐ پر	۲۵۹	مسلم بن عوسجہ کی شہادت
۲۳۲	سلام	۲۵۹	زہیر بن قین -
۲۳۳	شہادتِ حسینؓ کے اثرات	۲۶۰	دو نوجوان
۲۳۴	قاتلانِ حسینؓ کا انجام	۲۶۰	دو پروانے
۲۳۵	جنات کے نوے	۲۶۱	حُمرِ میدانِ جنگ میں
۲۳۶	شمسِ ملعون کا انجام	۲۶۵	اُمّ وہب
۲۳۷	حُرّ سدہ کا انجام	۲۶۵	پروانہ شبیرؓ
۲۳۸	خولی بن یزید	۲۶۶	برادرانِ عباسیؓ ابنِ علیؓ
۲۳۹	مالک بن بشیر	۲۶۸	حضرت قاسم کی شہادت
۲۴۰	سنان بن انس	۲۷۳	حضرت زینبؓ کے دو بچوں
۲۴۱	حکم بن طفیل	۲۷۸	شہزادہ علی اکبرؓ کی تیاری
۲۴۲	ابنِ زیاد ملعون	۲۸۲	عسلٰی اکبرؓ کی شہادت
۲۴۳	یزید کا آخری کارنامہ	۲۹۲	حضرت علی اصغرؓ کی شہادت
۲۴۴	اس کا انجام	۳۰۱	قاصدِ مدینہ
۲۴۵	شہیدانِ اہلبیت	۳۰۵	حضرت عباسؓ کی شہادت
۲۴۶	کربلا سے واپس آنے والے	۳۱۲	شہیدِ اعظم کی شہادت
۲۴۷	کربلا کے چند دوسرے	۳۲۹	خیمے جلا دیئے
۲۴۸	شہید	۳۳۱	شامِ غریباں

ہماری چند خوبصورت کتابیں

